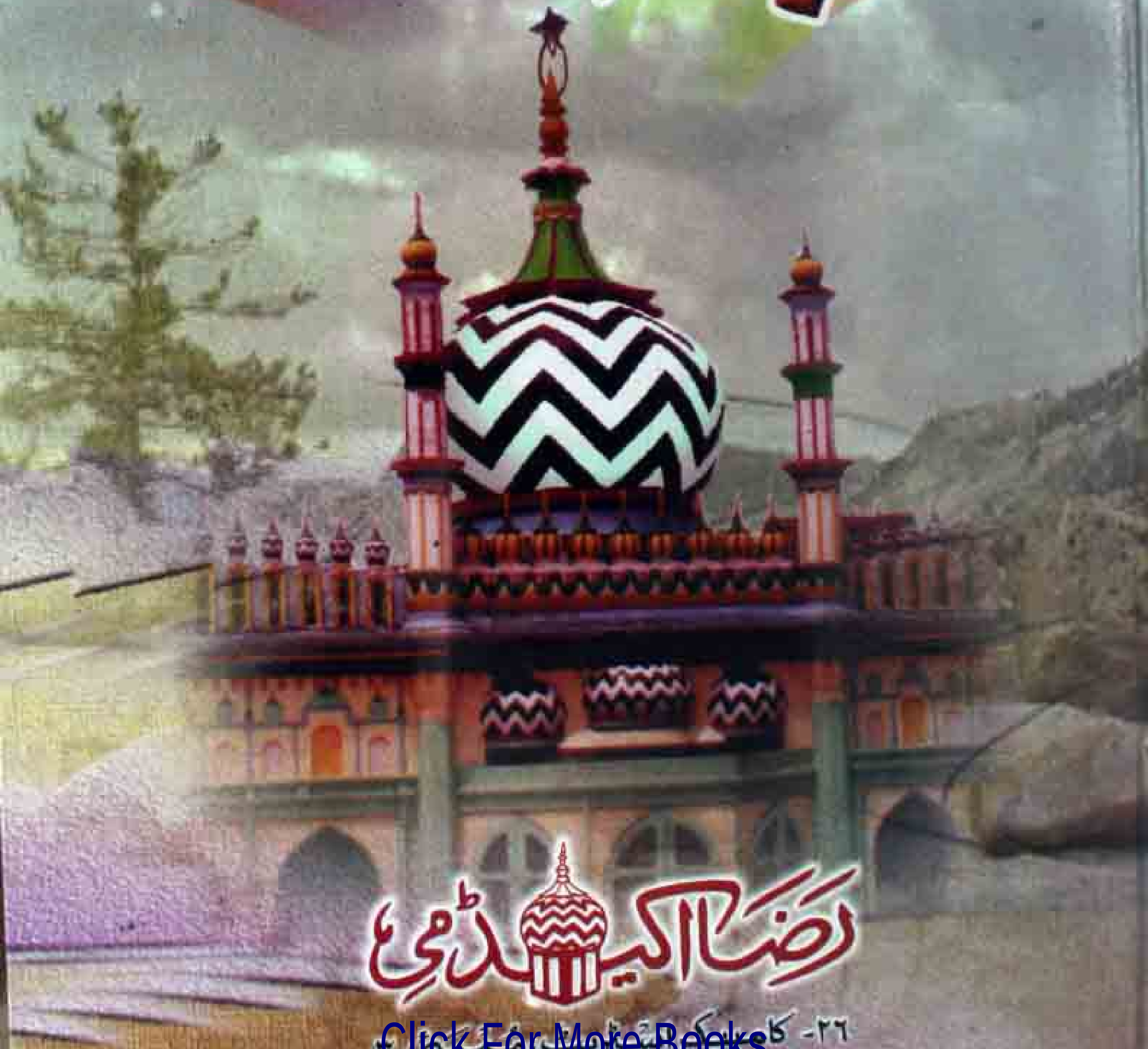
سیرت بتا رہی ہے ببانگِ دہل ہمیں
آئینۂ حیات ہیں خیر الوریٰ کے آپ

کیوں کر نہ ناز آپ پہ سب رضویوں کو ہو
مینارۂ عظیم ہیں قصرِ رضا کے آپ

تاجدارِ اہلسنّت



رضا اکیڈمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرت بتا رہی ہے بہ بانگ دہل ہمیں
آئینہ حیات ہیں خیرالوریٰ کے آپ

کیوں کر نہ ناز آپ پہ سب رضویوں کو ہو
مینارۂ عظیم ہیں قصر رضا کے آپ

تاجدار اہلسنت

ناشر

رضا اکیڈمی

سلسلہ اشاعت ۳۷۵

نام کتاب ------- تاجدار اہلسنت

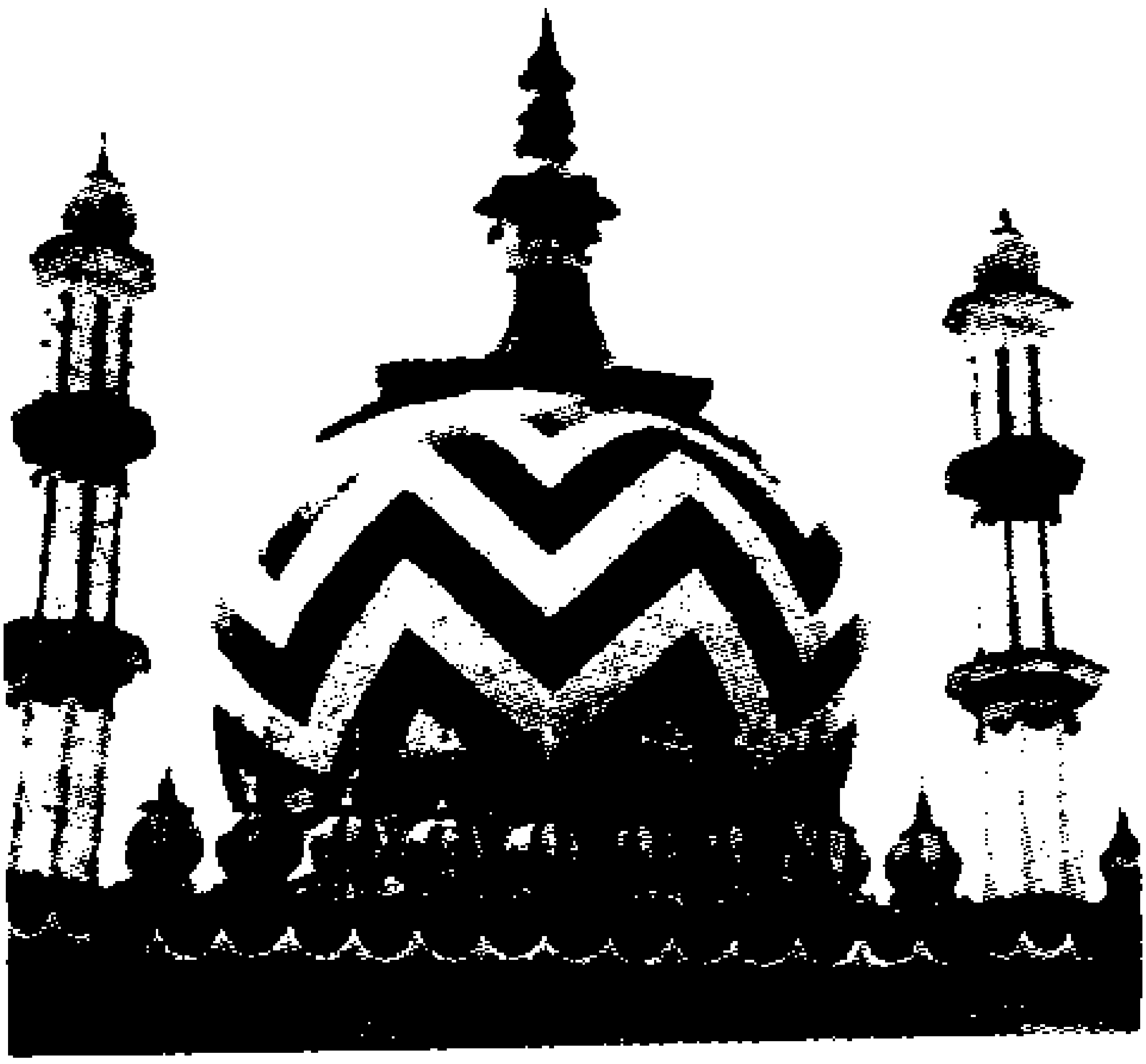
بموقع -------- ۲۵ رواں سالہ عرس حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ
۱۴ رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ

طابع --------- رضا آفسیٹ ممبئی ۳

ناشر ---------- رضا اکیڈمی ۲۶ رکامبیکر اسٹریٹ ممبئی ۳
فون: ۲۳۴۵۴۲۹۶/۵۶۳۴۲۱۵۶

لبالب ہے مے عرفاں سے جام مفتی اعظم
جسے پیتے ہیں ہم مے کش بنام مفتی اعظم

(حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ)



متقی بن کر دکھائے اس زمانہ میں کوئی
ایک میرے مفتی اعظم کا تقویٰ چھوڑ کر

(حضور علامہ ازھری میاں)

مشمولات

پیش لفظ

باسمہٖ تعالیٰ و تقدس

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد اس عالم رنگ و بو میں بے شمار ایسی شخصیتیں جلوہ گر ہوئیں جن کی حکمت و دانائی، فضل و کمال، فکروفن، طہارت و پاکیزگی اور جذبۂ اخلاص وللّٰہیت کی خوشبو سے ایک جہاں معطر ہے اور ان کے برکات کا چشمۂ صافی آج بھی جاری و ساری ہے۔ جس سے تشنگان علم و معرفت سیرابی حاصل کررہے ہیں۔

انہیں نفوس قدسیہ اور ذوات کریمہ میں شہزادۂ اعلیٰحضرت تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کا بھی نام نامی ہے۔ بلاشبہ آپ کی ذات امت مسلمہ کے لئے ایک عظیم نعمت تھی۔ رب تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں اوصاف و کمالات اور فضائل سے نوازا تھا۔ خشیت ربانی اور اتباع شریعت میں اپنی مثال آپ تھے۔ عشق رسول آپ کو ورثہ میں ملا تھا۔ شریعت و طریقت کے مجمع البحرین اور حسین سنگم تھے۔ اسلام و سنیت کی نشر و اشاعت اور دین مصطفوی کی تبلیغ و ترویج زندگی کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ حق گوئی و بیباکی طرۂ امتیاز تھا۔ تقویٰ اور شریعت کی پاسداری آپ کی فطرت تھی۔

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقش پا چراغ
وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

یہی وجہ ہے کہ آپ کی مدح خوانی میں اپنے اور بیگانے سب رطب اللسان ہیں اور ارباب علم و دانش آپ کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے میں اپنی سعادت سمجھتے

ہیں۔

بیسویں صدی کے اختتام سے سیدنا اعلیٰحضرت امام احمد رضا اور حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہما کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کا جو اسلوب و انداز محترم الحاج جناب محمد سعید نوری صاحب زید مجدہٗ بانی رضا اکیڈمی مجاہد سنیت ممبئی نے اپنایا ہے وہ قابل صد تحسین و تبریک ہے۔

محترم نوری صاحب نے ان عظیم المرتبت شخصیات کا علمی تعارف کرانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ اور ان کی ہشت پہلو زندگی کو عالم اسلام کے سامنے اجاگر کرنے میں بے نظیر جد و جہد فرمائی ہے۔

آپ کے ہاتھوں میں مقالات و مضامین کا یہ حسین گلدستہ بھی اسی مبارک سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو جماعت اہلسنت کے جلیل القدر علماء کرام و مشائخ عظام اور مشاہید علم وادب کی گرانقدر تحریرات پر مشتمل ہے۔ اس مجموعہ کو رضا اکیڈمی کے ارباب حل وعقد نے آنے والے ۲۵ر سالہ عرس حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کی تیاری کے طور پر مختلف رسائل و جرائد سے یکجا کر کے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل اسے قبول فرمائے اور حضور مفتی اعظم ہند کے فیضان سے عالم اسلام کو مالا مال فرمائے۔ آمین۔

محمد اختر حسین قادری

خادم درس وافتاء دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی

۱۷ر صفر المظفر ۱۴۲۶ھ

مفتی اعظم ہند

ایک تاریخ ساز شخصیت

(برہان الملت حضرت علامہ مفتی محمد برہان الحق صاحب رضوی جبلپوری)

حضور مفتی اعظم ہند شاہزادہ اعلیٰحضرت مولانا شاہ مصطفےٰ رضا خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کے وصال پر ملال اور دائمی مفارقت نے دل بے قرار اور دماغ و طبیعت کے انتشار کو فقیر کے سارے حالات پر ایسا مسلط کر دیا ہے کہ جس وقت حضرت اقدس کا خیال آتا ہے آہ کے ساتھ آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں انا للہ و انا الیہ راجعون

اللھم اجرنی فی مصیبتی و اخلف لی خیرا منہ انا الی ربنا راغبون۔

مشیت پروردگار اور رضائے الٰہی پر صبر و رضا کے ساتھ حضرت اقدس علیہ الرحمہ کے خادم آستان برہان پر جو کرامات اور احسانات کا فیض جاری رہا ہے اور اعلیٰحضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس غلام آستاں کو حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے برابر ہمیشہ فیوض و برکات سے نوازا اس کے چند مختصر حالات تسکین قلب کے لئے قلم بند کر رہا ہوں۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے مجھ فقیر کو ہمیشہ اپنا بھائی فرمایا اس بنا پر کہ اعلیٰحضرت مجدد دین وملت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خادم کو اپنا روحانی بیٹا فرمایا میں نے جو زمانہ بریلی شریف میں اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور تعلیم علوم دین اور اکتساب فیوض و برکات ظاہری و باطنی اور روحانی حاصل کرنے کے لئے گزارا اس زمانے میں حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے میرا تعلق سگے بھائیوں جیسا رہا اور وہی نعمت وصال

کے وقت تک قائم رہی جس طرح اعلیٰحضرت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبلپور کے متعلق اور حضرت والد ماجد عبدالاسلام شاہ محمد عبدالسلام علیہ الرحمہ کے بارے میں اور اس خادم کے لئے ایک والا نامہ میں تحریر فرمایا:

سپس بہر عبد السلام ایں سپاس
کہ از شکر خالق بود شکرناس
وطن گرچہ آرام درخورست
جبل پور مارا از وخوشتر ست
نہ از خود شد او فرحت افزا مقام
کہ از عبد الاسلام عبد السلام
تولائے اصحاب آں محترم
بر انگیختہ از وطن خاطرم
سلامت بود شاہ عبد السلام
بحق محمد علیہ السلام
الٰہی نگہدار برہان حق
بود دائما از وے اعلان حق
برائے تو ونسل تو دائما
بود از احد لطف زاحمد رضا

حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ اکثر فرماتے میرا ایک گھر بریلی شریف میں اور دوسرا گھر جبلپور میں ہے فقیر حالانکہ اس آستانہ عالیہ رضویہ کا ادنیٰ ترین خادم ہے لیکن حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ہمیشہ مجھے اپنے برابر رکھا اور اعلیٰحضرت امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے ایک طویل قصیدہ میں جہاں اپنے شاگردوں اور خلفا کا ذکر فرمایا ہے اس

خادم کا حضرت مفتی اعظم ہند کے ساتھ ذکر فرمایا ہے حضرت مفتی اعظم ہند کا اسم گرامی مشہور مصطفٰے رضا خان اور کنیت آل الرحمٰن ہے اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قصیدے کے ایک شعر میں ہم دونوں کا ذکر فرمایا اور پھر شعر میں ہی نہیں بلکہ ایک ہی مصرعے میں ہمارے دونوں کے ناموں کو جمع فرمادیا جبکہ ہر شاگرد اور خلیفہ کا ذکر علیحدہ علیحدہ شعر میں فرمایا ہے ہمارے متعلق جو شعر ارشاد فرمایا ہے وہ یہ ہے

آل الرحمن ، برھان الحق
شرق پہ برق گراتے یہ ھیں

تحریک خلافت اور قومی حکومت

جن دنوں ہندوستان میں تحریک خلافت اور ہندو مسلم اتحاد اور انگریزوں کی حکومت کے خاتمہ کی تحریک زوروں پر تھی رجب ۱۳۳۹ کا واقعہ ہے کہ خادم آستان بریلی شریف حاضر ہوا اس وقت یہ عام تحریک چل رہی تھی کہ ہندوستان میں قومی حکومت قائم ہوگی اور اس سلسلے میں ایک بہت بڑا اجلاس بریلی میں زیر صدارت ابوالکلام آزاد منعقد ہوا اسی اجلاس میں اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی مگر اعلیٰحضرت نے اس جلسے میں شرکت نہیں فرمائی اور اس زمانے کے چلنے والی تحریکات میں جو خلاف شرع باتیں تھیں ان کے پیش نظر اس اجلاس میں ایک وفد کو ستر سوالات کے ساتھ افہام تفہیم کے لئے روانہ فرمایا جو بصورت اشتہار اتمام حجت نامہ شائع ہوکر اراکین خلافت کمیٹی تک پہنچایا جاچکا تھا جو وفد اعلیٰحضرت کی جانب سے مناظرہ کے لئے روانہ کیا گیا تھا اسی وفد کے ساتھ فقیر بھی جلسہ گاہ میں پہنچا ابوالکلام سے فقیر نے مناظرہ کے آخر میں جو سوالات کیے اسکے پاس سوائے لعنة الله علی قائله ، لعنة الله علی قائله کہنے کے اور کچھ کہنے کو نہ تھا اس واقعہ کی پوری تفصیل روداد مناظرہ اور اکرام امام احمد رضا میں تحریر ہے۔

اکرام امام احمد رضا مصنفہ حضرت مولانا مفتی برہان الحق صاحب دامت برکاتہم القدسیہ ترتیب وتحشیہ پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مرکزی مجلس رضا لاہور سے شائع ہوگئی ہے۔

دارالقضاشرعی کا قیام

اسی موقع پر اعلیٰحضرت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض عقیدت منداور ذی اثر صاحب رائے حضرات کے عرض کرنے پر بریلی شریف میں دارالقضا شرعی کے لئے قاضی شرع اور قاضی شرع کو شرعی احکام واعانت کے لئے مفتی کی ضرورت ہوتی ہے اس سلسلہ میں ایک دن صبح قریب نو بجے اعلیحضرت مکان سے باہر تشریف لائے تخت پر ایک قالین بچھانے کا حکم فرمایا ہم سب حیرت زدہ تھے کہ حضور یہ اہتمام کس لئے فرمارہے ہیں پھر حضور امام اہل سنت ایک کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمہ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ میں آج بریلی میں دارالقضا شرعی کے قیام کی بنیاد رکھتا ہوں اور انھیں اپنی طرف بلا کر ان کا داہنا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر قالین پر انہیں بٹھا کر فرمایا میں آپ کو ہندوستان کے لئے قاضی شرع مقرر کرتا ہوں مسلمانوں کے درمیان اگر ایسے کوئی مسائل پیدا ہوں جن کا شرعی فیصلہ قاضی شرع ہی کرسکتا ہے وہ قاضی شرع کا اختیار آپ کے ذمہ ہے پھر دعا پڑھ کر کچھ کلمات فرمائے جن کا اقرار حضرت صدرالشریعہ نے کیا اس کے بعد حضور نے اس خادم برہان کو بلایا اور اپنے دست مبارک میں میرا داہنا ہاتھ لے کر اپنی مسند پر حضرت صدرالشریعہ کے متصل بٹھا کر مجھ سے فرمایا میں نے تمہارے فتوے دیکھے افتاء کے لئے تمہارے دماغ کو بہت مستعد پایا ہے میں تمہیں مسند افتاء پر بٹھا کر دارالقضاء شرعی کے لئے مفتی مقرر کرتا ہوں اسکے بعد حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ہاتھ کو اپنے دست مبارک میں لے کر میرے پہلو میں

بٹھایا اور یہی کلمات جو مجھ سے فرمائے تھے ان سے فرما کر پھر ہم دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دار القضاء شرعی کے لئے قاضی شرع مولانا امجد علی کو اور آپ دونوں کو ان کی اعانت اور فتوی دینے کی اجازت دیتا ہوں آج سے تم دونوں ہندوستان کے دار القضاء شرعی مرکز بریلی میں مفتی شرع کی حیثیت سے مقرر کیے جاتے ہو ہم دونوں سے کچھ کلمات ارشاد فرمائے اور ہم دونوں نے اس سعادت عظیم پر سر نیاز خم کر دیا اور اٹھ کر ہم نے اعلیٰحضرت کی قدم بوسی کی اعلیٰحضرت نے دست مبارک اٹھا کر دیر تک دعا فرمائی۔

حضرت صدر الشریعۃ نے دوسرے ہی دن قاضی شرع کی حیثیت سے پہلی نشست کی اور وراثت کے ایک معاملہ کا فیصلہ فرمایا اس کے بعد میں اعلیٰحضرت سے اجازت لے کر رمضان شریف کے لئے جبلپور آ گیا یہاں جبلپور پہنچنے پر کچھ ایسے حالات و موقع پیدا ہوئے کہ میں رمضان المبارک کے بعد پھر بریلی شریف حاضر نہ ہو سکا ذیقعدہ کے درمیانی ایام میں میری دو بچیوں کی وفات ہوگئی اور میری اہلیہ سخت بیمار ہوگئیں جس کی اطلاع اعلیٰحضرت کو تار کے ذریعہ کی گئی اس وقت موسم گرما کی شدت کے باعث اعلیٰحضرت بھوانی نینی تال میں تشریف فرما تھے وہاں سے حضرت والد ماجد کے نام والا نامہ جو تعزیت اور دعاؤں کا حامل تھا تشریف لایا ساتھ ہی اعلیٰحضرت نے اپنی سخت علالت کے سبب اس والا نامہ کو کئی نشستوں میں تحریر کرانے کا ذکر فرمایا ہے جس کی نقل اکرام احمد رضا میں شامل ہے۔

محرم شریف ۱۳۴۰ھ میں کچھ اطمینان ہوا ہی تھا کہ والد ماجد عید الاسلام شاہ محمد عبد السلام علیہ الرحمہ کی طبیعت سخت علیل ہوگئی جس کے باعث پھر بریلی شریف حاضری کا موقع نہ مل سکا اور یکا یک بریلی شریف سے ۲۵ صفر المظفر کو حضور اعلیٰحضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال ذوالجلال کا تار ملا تار اس وقت پہنچا جبکہ میں بھی سخت بیمار اور غفلت کی حالت میں تھا اس طرح دار القضاء شرعی کی بس ایک ہی نشست کرنے کے بعد ہم کوئی اجلاس نہ کر سکے نہ ہم تینوں ایک ساتھ کسی جلسے میں شریک ہو

سکے۔

بریلی شریف میں میری پہلی حاضری

حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خان صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھ میں نے پورے چار سال بریلی شریف میں گزارے جب میری پہلی بار بریلی شریف حاضری ہوئی اس وقت میری عمر بیس سال تھی ویسے پہلی بار بمبئی میں مجھے اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل ہو چکا تھا اس وقت میری عمر تیرہ، چودہ سال تھی دوسری بار جب بریلی شریف میں نے حاضری دی اس وقت والد ماجد علیہ الرحمہ کے ہمراہ تھا اور میں اپنی تعلیم جبلپور رہی میں والد ماجد سے مکمل کر کے اعلیٰحضرت سے اکتساب فیوض و برکات روحانی اور فیضانی علم سے مستفیض ہونے کے لئے حاضر ہوا تھا اس وقت میں نے فارسی میں ایک سلام لکھا تھا جسے میں نے اپنے ہمراہ اس سفر میں جو مداح رسول منشی عبدالغفار صاحب تھے انہیں اعلیٰحضرت کے حضور سنانے کے لئے دے دیا تھا کہ کسی موقع پر حضور میں اسے سنا دیں بریلی شریف میں حاضری کے بعد جو پہلا جمعہ ملا اس میں نماز جمعہ سے فارغ ہو کر اعلیٰحضرت دولت خانہ پر تشریف فرما ہوئے منشی عبدالغفار صاحب نے اعلیٰحضرت سے نعت شریف پیش کرنے کی اجازت چاہی اور اجازت ملنے پر انھوں نے میرا فارسی کا سلام خوش الحانی اور والہانہ انداز میں جس وقت پڑھا اس وقت حاضرین مجلس میں پچاس ساٹھ حضرات اور بھی موجود تھے اس سلام کے چند اشعار یہ ہیں۔

حضور سید خیر الوریٰ سلام علیک
ببارگاہ شفیع الوریٰ سلام علیک
روم بسوئے تو بر ہر قدم کنم سجدہ
نوائے قلب شود سیدا سلام علیک

عطاک عم علی کل ذق فامطر
علی غیث عطا من عطا سلام علیک

ان اشعار کو سنتے وقت اعلیٰحضرت پر اک کیف طاری تھا اور آنکھ سے آنسو جاری تھے ادھر سامعین ہر شعر کو بار بار پڑھوا رہے تھے منشی صاحب نے جب یہ شعر پڑھا۔

بہ احمدے کہ رضا لیش ہمہ رضائے خدا ست
بگوز من بصلاۃ اے صبا سلام علیک

اس شعر پر اعلیٰحضرت نے چشم مبارک کھول کر والد ماجد کی طرف دیکھا اور خاموش رہے اس شعر کو محفل میں بار بار پڑھنے کی خواہش کا اظہار ہوتا رہا جب منشی صاحب نے مقطع کا یہ شعر پڑھا۔

رسی چو بردر احمد رضا بگو برہان
بصد ادب بشما مرشدا سلام علیک

مقطع کے اس شعر کو سن کر اعلیٰحضرت نے والد ماجد سے فرمایا کہ یہ برہان میاں نے لکھا ہے۔ ماشاءاللہ یہ آپ کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے میں غور کر رہا تھا کہ مولانا جامی کی زمین میں یہ کس نے طبع آزمائی کی ہے برہان میاں کہاں ہیں میں دارالافتاء سے باہر آ کر اعلیٰحضرت کے حضور مؤدب دست بستہ کھڑا ہو گیا اعلیٰحضرت نے فرمایا کہ صحابی رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نعت پڑھنے کی اجازت چاہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ممبر کی سیڑھی پر کھڑے ہو کر پڑھو حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے والہانہ انداز میں نعت شریف پیش کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند آئی حضور کے جسم مبارک پر اس وقت بردیمانی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریب بلا کر وہ چادر انہیں اڑھادی۔ فقیر آپ کو کیا پیش کرے اتنا فرما کر جس عمامہ کو زیب سر مبارک فرما

اعلیٰحضرت نے جمعہ پڑھائی تھی اسے سر مبارک سے اتار کر خادم کے سر پر رکھ دیا گیا یہ بارگاہ رضویت سے میرے لیے پہلا انعام تھا جس سے اعلیٰحضرت کی خدمت میں حاضری پر فقیر کو سرفراز فرمایا گیا آج تک وہ عمامہ میرے پاس تبرکات میں محفوظ ہے جسے میں عید میلاد مبارک اور عید غوثیہ کے موقع پر زیب سر کرتا ہوں۔

میں بریلی شریف میں پانچ ساڑھے پانچ ماہ رہتا پھر جبلپور آ جاتا اس طرح میں نے چار سال حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ساتھ اعلیٰحضرت کی خدمت میں گزارے اور علوم دینی ظاہری و باطنی اور فیوض روحانی کے ساتھ برکات و سعادات مبارکہ سے مزین ہوا اور آج وہی فیوض و برکات و سعادات فقیر کے لئے عزت افزا اور خدمت دین متین سے شرف یابی کا سبب ہیں۔

میرا بریلی شریف سے یہ چار سال کا زمانہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ساتھ اس طرح گزرا کہ اجنبی لوگ جو باہر سے آتے ہم دونوں کو حقیقی بھائی سمجھتے ہم دونوں ہر وقت ساتھ کھانا کھاتے ساتھ رہتے اور اٹھتے بیٹھتے لکھتے پڑھتے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ہم کسی نماز میں ساتھ شامل ہوتے تو ہمیشہ حضور مفتی اعظم اس خادم کو امامت کے لئے بڑھاتے حالانکہ فقیر ہمیشہ عذر کرتا۔

۱۳۳۶ھ میں اعلیٰحضرت کو جبلپور تشریف لانے کی تکلیف دی گئی حضرت مفتی اعظم ہند بھی پہلی بار اعلیٰحضرت کے ساتھ تشریف لائے اور اس کے بعد پھر متعدد بار اعلیٰحضرت کی حیات طیبہ میں حضور مفتی اعظم ہند کی تشریف آوری ہوئی اور ۲۲ رمضان المبارک کے بعد جبلپور سے بریلی شریف مراجعت فرمائی یہ آستانہ عالیہ رضویہ کے غلام خادم آستان پر حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی تشریف آوری اور اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد مبارک کی تصدیق تھی کہ جبلپور میرے وطن سے مجھے زیادہ محبوب ہے وطن میں گرچہ آرام ملتا ہے مگر جبلپور مجھے اس سے زیادہ خوشتر ہے اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضور مفتی

اعظم ہند علیہ الرحمہ جبلپور کو اپنا دوسرا وطن فرماتے اور دوسرے لوگوں سے فرماتے:

اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال شریف کے بعد شوال ۱۳۴۰ھ جب والد ماجد علیہ الرحمہ نے حج وزیارت کا ارادہ فرمایا اس وقت یہ فقیر دو دن کے لئے بریلی شریف حاضر ہوا حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ اور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ سے اس سفر خیر کے لئے دعاوں کا طالب ہوا اور بحمدہ تبارک وتعالیٰ فریضہ حج اور دیار اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کا شرف حاصل کر کے جب ہم ربیع الاول شریف ۱۳۴۱ھ میں واپس آئے تو یہ فقیر ربیع الآخر میں بریلی شریف حاضر ہوا اور تبرکات کا تحفہ پیش کیا۔

اس کے بعد حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کافی عرصہ کے بعد حضرت والد ماجد عیدالاسلام شاہ محمد عبد السلام علیہ الرحمہ کے چہلم میں جمادی الاخری ۱۳۷۲ھ میں جبلپور تشریف لائے پھر تو ہر سال والد ماجد علیہ الرحمہ کے عرس میں ۱۴ جمادی الاولیٰ سے ایک دو یوم قبل جبلپور تشریف فرما ہوتے اور کبھی کبھی مسلسل دو ماہ سے زائد قیام فرماتے ایک بار حاضری ہوئی اجمیر شریف سے واپسی پر جے پور حاجی شیخ احمد حسین صاحب جوہری کی دعوت پر جانا ہوا۔

مسئلہ اذان ثانی

جے پور میں ہماری قیام گاہ کے بالکل سامنے مسجد تھی جمعہ کے دن حضور مفتی اعظم ہند سے نماز جمعہ پڑھانے کی درخواست کی گئی حضور نے یہ خدمت خادم کو تفویض فرمائی جب جمعہ کا وقت آیا اذان ہوئی ہم نے مسجد جانے کی تیاری کی مگر حضرت میرے ساتھ جانے کے لئے تیار نہ ہوئے میں نے حضور سے مسجد چلنے کے لئے عرض کی تو فرمایا یہاں کی مسجد کے لوگ بہت ضدی ہیں اذان ثانی مسجد کے اندر ہی دیتے ہیں مسئلہ بتانے اور سمجھانے کے بعد بھی

باز نہیں آتے اور میں خلاف سنت فعل اپنے سامنے ہوتے نہیں دیکھ سکتا جب خطبہ شروع ہوجائے گا میں آجاؤں گا میں نے عرض کی حضور تشریف تو لے چلیں آج اذان مسجد کے اندر نہ ہوگی پھر فرمایا کہ میں بہت سمجھا چکا اور دیکھ چکا یہ لوگ ماننے والے نہیں میری دعا ہے کہ خدا کرے کہ یہ آج آپ کے سمجھانے اور مسئلہ کی وضاحت سے مان جائیں خدا انہیں اس کی توفیق وہدایت عطا فرمائے میں تنہا مسجد میں حاضر ہوا ادائے سنت کے بعد مجھ سے خطبے کے لئے کہا گیا میں ممبر پر بیٹھ گیا موذن نے بالکل ممبر کے قریب کھڑے ہوکر اذان دینے کا ارادہ کیا میں نے موذن کو روک کر حاضرین مسجد کو مطلع کر کے اذان سے متعلق شرعی حکم سنایا کہ اذان مسجد کے اندر دینا مکروہ تحریمی ہے اذان کا مقصد اعلان عام ہے خطیب کے سانے ممبر کے قریب مسجد کے اندر اذان دینے سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جو شریعت نے مقرر فرمایا ہے اسی مقصد کے لئے اذان خطبہ بھی خارج مسجد دینے کا حکم فرمادیا گیا ہے میں خلاف سنت کوئی کام نہ کروں گا کہ میں ممبر پر رہوں اور اذان خطبہ میرے سامنے ممبر کے قریب مسجد کے اندر دی جائے میں خطبہ اور نماز اسی وقت پڑھاؤں گا جب اذان خارج مسجد خطیب کے سامنے ہو اور نماز جمعہ کے بعد آپ تمام حضرات مسجد میں ہی موجود رہیں میں اس مسئلہ کو پوری وضاحت کے ساتھ آپ کو سمجھادوں گا چنانچہ موذن نے مسجد کے باہر ممبر کے سامنے اذان خطبہ دی جب مسجد کے باہر اذان خطبہ بھی ہوئی تو قیام گاہ میں حضرت کو معلوم ہوا کہ آج تو اذان مسجد کے باہر ہوئی ہے اس پر حضرت نے بڑے جذبۂ مسرت کے اظہار کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ الحمد اللہ آج تو اذان خارج مسجد ہورہی ہے برہان میاں نے صحیح کہا تھا کہ آج اذان مسجد کے اندر نہ ہوگی اور حضور فوراً مسجد تشریف لے آئے نما جمعہ کے بعد فقیر نے مسئلہ اذان ثانی کو بہت واضح طور پر سمجھایا ختم تقریر پر متولی صاحب نے اقرار کرلیا اور اعلان کیا کہ اب اذان خطبہ بھی ہمیشہ اس مسجد میں خارج مسجد ہی ہوا کرے گی اور اس امر کا ندامت کے ساتھ اعتراف کیا کہ حضور مفتی

اعظم کی بات ہم لوگوں نے نہیں مانی جس کا ہمیں افسوس ہے اور اس کے لئے توبہ کی اور معافی چاہی بحمدہ تبارک وتعالیٰ حضور کی دعاؤں کی برکت سے آج بھی وہاں اذان خارج مسجد ہی ہو رہی ہے نماز جمعہ سے واپسی پر قیام گاہ میں خادم کو اس کامیابی پر حضور نے بہت بہت دعاؤں سے سرفراز فرمایا میں نے عرض کیا کہ یہ سب حضور کی دعاؤں کی برکت کا ہی فیض ہے۔

مسلم پرسنل لاء

اندارا گاندھی کے سابقہ دور حکومت میں مسلم پرسنل لاء میں ترمیم وتحریف اور تبدیلی کا بل پیش ہوا فقیر نے اس کے خلاف فوری طور پر احتجاجاً ایک مراسلہ حکومت ہند کو بھیجا جس میں مسلم پرسنل لاء میں کسی بھی قسم کی کوئی تبدیلی ترمیم یا تحریف کو مسلمانوں کی جانب سے ناقابل قبول قرار دیا اور اس کے لئے قانونی شرعی پہلوؤں کو اس مراسلے میں تحریر کیا گیا اس کے بعد ہندوستان کے ارباب فکر و دانش نے علمائے کرام کی زیر قیادت بمبئی میں ایک احتجاجی جلسہ کا اعلان کیا جس میں ملک کے ہر عقیدہ اور مکتبہ فکر کے علماء کو دعوت شرکت دی گئی فقیر کے نام بھی دعوت نامہ آیا مگر فقیر نے اس مخلوط جلسے میں شرکت سے معذرت نامہ بھیج دیا۔

حضور مفتی اعظم ہند انہی دنوں بالا گھاٹ تشرف لائے ہوئے تھے اور فقیر زادہ محمد محمود احمد حضور کی خدمت اقدس میں شرف زیارت وفیوض و برکات کے حصول کے لئے حاضر ہوا حضرت والا سے محمود میاں نے پرسنل لا اور اس کے اجتماع میں میری شرکت کے بارے میں دریافت کیا اور فقیر زادہ نے میری شرکت سے معذرت اور اس کے اسباب حضور کے سامنے عرض کیے اور اپنے طور پر جو کچھ بھی کارروائی کی جارہی تھی اس کا بھی تذکرہ کر دیا حضور نے سارے معروضات سننے کے بعد ارشاد فرمایا کہ برہان یہاں سے جا کر کہو کہ ہرگز

ہرگز اس جلسے میں شرکت سے انکار نہ کریں۔ اور چونکہ اس سلسلے میں سب سے پہلے انہیں کا احتجاج اور اقدام ہے اور احتجاج بھی ایک یاقوت احتجاج ہے اس لئے انہیں اپنا کام جاری رکھنا اور اسے آگے بڑھانا ہے مخلوط اجتماع اور غیروں کے زیر اہتمام وصدارت یہ جلسہ ہونے کے باعث انہوں نے جو معذرت کی اور شرکت سے احتراز فرمایا ہے اسے ترک فرما دیں اور ضرور ضرور شرکت فرمائیں ادھر بمبئی سے مدعوئین جلسہ برابر مراسلات وفون سے مجھ سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے کہ میں ضرور ضرور ہر حالت میں جلسے میں شرکت کروں جب فقیرزادہ محمود میاں صاحب نے بالا گھاٹ سے آکر مجھے حضرت کا پیغام حکم سنایا تو میں نے حضرت اقدس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ان کے اشارات و ہدایات پر شرکت کا ارادہ کرلیا۔

جلسے میں شرکت کے لئے میں ممبئی پہنچا مگر منتظمین جلسہ کا مہمان نہ ہوا اور اپنے ایک برادر طریقت خلیل احمد صاحب کے یہاں میں نے قیام کیا جلسے میں بہت زبردست اجتماع تھا تقریباً دولاکھ افراد کا مجمع تھا میرے پہنچنے سے پہلے جن مولویوں کی تقریریں ہوئی ان کے فوٹو بھی لیے گئے اور دوران تقریر تالیوں کی گڑگڑاہٹ اور گونج بھی اٹھتی رہی جب تقریر کے لئے فقیر کے نام کا اعلان ہوا اور فقیر مائک کے سامنے پہنچا فوٹو گرافر سامنے آئے میں نے نہایت بلند آواز سے زور اور سختی کے ساتھ منع کیا یہ جلسہ ایک اسلامی جلسہ ہے مسلمانوں کا ہے فوٹو کھینچنا حرام ہے ہرگز ہرگز کوئی فوٹو نہ لیا جائے جب میں نے تقریر شروع کی اور اسلام کے قانون کی عظمت واہمیت کا ذکر کیا تو حسب معمول مجمع نے تالیاں بجائیں میں نے سختی کے ساتھ مسلمانوں کو اس سے باز رہنے کو کہا کہ یہ ایک اسلامی اجتماع ہے یہ کوئی سیاسی جلسہ نہیں کہ آپ لوگ تالیاں بجارہے ہیں آپ لوگوں کو شرم آنی چاہیے اگر آپ کو کوئی بات پسند آتی ہے اور آپ کے جذبات کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے تو آپ اس کی تائید میں نعرہ تکبیر بلند کیجئے اور اس کا استقبال نعرہائے اسلامی سے کیجئے اس کے ساتھ ہی جلسے

میں نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت کی آواز بلند ہونے لگیں اسی تقریر میں میں نے واضح کیا کہ مسلم پرسنل لاء مسلمانوں کا قرآنی شرعی اسلامی قانون ہے جس میں ایک حرف کی نہ ترمیم ہوسکتی ہے نہ ہی کسی قسم کی تحریف وتبدیلی ہی کی جاسکتی ہے قرآن عظیم کے حکم کے مطابق اس میں کسی قسم کی ترمیم تحریف یا تبدیلی کرنا تو درکنار اس قسم کا کوئی ارادہ کرنا اور اس کا اظہار کرنا ہی کفر ہے قرآن عظیم کا ارشاد ہے و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولیک ھم الکافرون جو بھی اللہ کے حکم کو نہ مانے وہ کھلے کافروں میں سے ہے اور بھی قرآن کریم کا ارشاد ہے ان الحکم الا اللہ اسلام کے لئے حکم دینا صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے اللہ ہی اسلام میں احکام کا مالک ہے میں نے اس سلسلے میں جن نکات کو جلسے میں پیش کیا ان سے سبھی حاضرین جلسہ بہت متاثر ہوئے اور پھر میں ساتھ ہی ساتھ حکومت کو بھی متنبہ کیا کہ مسلمان سر پر کفن باندھ کر حکومت کے ہر اس اقدام کا مقابلہ کرنے کو تیار ہیں اور ہر اس حکم کی دھجیاں اڑانے کو مستعد ہیں اور یہ طے کر چکے ہیں کہ وہ حکومت کے اس ارادہ کو کبھی بھی کامیاب نہ ہونے دیں گے کہ وہ مسلم پرسنل لاء میں کسی قسم کی ترمیم تحریف، تبدیلی کی کوشش کرے اور حکومت چونکہ سیکولر ہے اسے اپنی سیکولرٹی کے پیش نظر مسلمانوں کے مذہبی معاشرتی اور اخلاقی احکام میں دخل دینے سے احتراز کرنا چاہیے اور ملکی قانون کے تحت شخصی و مذہبی آزادی میں حکومت کو کسی قسم کی دخل اندازی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

حکومت کے پاس جو کچھ فضلہ خوار نام کے مسلمان ہیں اور جو اپنی مطلب براری کے لیے پال رکھے گئے ہیں وہ صرف نام کے مسلمان ہیں وہ احکام الٰہی میں کسی قسم کی ترمیم یا تنسیخ یا تحریف کا ارادہ کریں اور حکومت سے درخواست کریں تو وہ جب سرے سے مسلمان ہی نہیں بلکہ خارج از اسلام ہیں تو ان کی بات مسلمانوں کی بات نہ ہوگی اور انہیں مسلم پرسنل لاء کے متعلق کچھ کہنے کا قانونی حق بھی نہ ہوگا اور پھر مسلمانوں سے کہا کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان سے مقاطعہ کریں ان سے سلام وکلام ترک کریں بیمار پڑیں عیادت نہ

کریں مرجائیں تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں۔

میں حکومت کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وزیراعظم اندرا گاندھی نے اعلان کیا ہے کہ اگر مسلمان چاہیں گے تو مسلم پرسنل لاء میں ان کی منشا کے مطابق تبدیلی کرنے کا قانون بنایا جا سکتا ہے حکومت اور وزیراعظم کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمان کبھی بھی مسلم پرسنل لاء میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کو برداشت نہ کریں گے اور جو مسلمان نہیں انہیں مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کا کوئی قانونی حق نہیں حکومت ان کی باتوں میں ہرگز ہرگز توجہ نہ دے تقریر کے فقرہ پر نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت جلسے میں بلند ہوتے رہے۔

جب میں اپنی تقریر ختم کر کے جلسہ گاہ سے قیامگاہ کی طرف جانے لگا تو مولوی قاری طیب صاحب اور مولوی عتیق صاحب نے مجھے جلسے میں بیٹھنے کو کہا میں نے کہا کہ مجھے آپ نے جس لیے بلایا تھا میں نے اپنا اظہار خیال کر دیا اور اپنا کام کر دیا اب آپ اپنا جلسہ کرتے رہیں قاری مولوی طیب صاحب نے بڑے پرخلوص جذبات میں کہا کہ جلسے میں آپ نے جن نکات کا ذکر کیا؟ ان نکات کی طرف ہمیں شان و گمان بھی نہ تھا ہمارے فہم اس کے حصول سے قاصر رہے ہم اس طرف توجہ بھی نہ کر سکے آپ کی تشریف آوری اور شرکت سے ہمارا جلسہ نہایت کامیاب رہا پھر مولوی فاخر صاحب نے مجھے میں بیٹھنے کے لئے کہا میں نے پھر کہا کہ میں جو کہنے آیا تھا وہ کہہ چکا کچھ سننے نہیں آیا تھا اس لیے اب قیام گاہ پر جا رہا ہوں۔ داؤدی فرقے کے پیشوا ملا نجم الدین صاحب و مولوی عتیق صاحب کچھ دور تک میرے ساتھ آئے اور کہا کہ اگر آپ جلسے میں تشریف نہ لاتے اور شرکت نہ فرماتے تو جس طرح آپ کی شرکت سے اور تقریر سے ہمارا جلسہ کامیابی سے ہمکنار ہوا ہے ہرگز ہرگز نہ ہوتا۔

اس جلسے میں علماء اہلسنت میں سے کسی نے بھی میرا ساتھ نہ دیا جب کہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ارشاد اور حکم کے مطابق ہی شریک جلسہ ہوا تھا صبح جب جلسے کی کارروائی

میری تقریر کے ساتھ اخبارات میں جلی حرفوں میں شائع ہوئی تو علمائے اہل سنت نے میرے لئے دعائیں کیں اور کامیابی پر مبارکباد دی دوسرے دن کے جلسے میں چوں کہ حضرت ارشد القادری صاحب حج زیارت کے لئے تشریف لے جارہے تھے اور بمبئی میں ہی تھے میں نے ان سے جلسے میں شرکت کرنے اور تقریر کرنے کے لئے کہا وہ فقیر کے ساتھ دوسرے دن جلسے میں تشریف لے گئے اور اپنی تقریر میں میرے بیان کی تائید و حمایت فرمائی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو جب جلسے کی مکمل رپورٹ ملی تو انھوں نے میری کامیابی پر دعائیہ کلمات کے ساتھ مبارکباد تحریر فرما کر والا نامہ سے نوازا جب میں بریلی شریف حاضر ہوا تو حضور نے مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم شریک جلسہ نہ ہوتے اور اظہار حق واعلان حق نہ کیا ہوتا تو بڑی کمی رہ جاتی تم نے اس سلسلے میں جو احتجاجی کارروائی میں پہل کی تھی اس کی تائید میں یہ جلسہ بڑا کامیاب رہا اور یہ جلسہ تمہاری شرکت سے تمہارا جلسہ ہوگیا۔

الحمد اللّٰہ علی احسانہ و نوالہ و افضالہ جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ والد ماجد علیہ الرحمہ کے چہلم میں جمادی الاخری ۱۳۷۲ھ میں کافی عرصہ کے بعد جبلپور تشریف لائے پھر تو برابر ہر سال عرس رضوی عید الاسلام کے موقع پر عرس مبارک سے ایک دو یوم قبل تشریف لاتے اور کبھی کبھی عرس مبارک کے بعد دو ماہ قیام فرماتے حضور مفتی اعظم ہند کی آخری تشریف آوری دسمبر ۱۹۷۸ء میں ہوئی حاجی محمد رمضان جبلپور سے حضور کو لینے کے لئے گئے سخت علالت اور کمزوری کی حالت میں حاجی صاحب اوائل دسمبر میں حضور کو بہت آرام کے ساتھ جبلپور لے آئے ساتھ میں حاجی حافظ محمد فاروق صاحب بنارسی خلیفہ حضور مفتی اعظم بھی تشریف لائے جبلپور میں فقیر نے حضور کے مزاج مبارک دیکھ کر علاج شروع کیا یہاں بفضلہٖ تعالیٰ حضور بالکل تندرست ہوگئے ۲۲ رجنوری ۱۹۷۹ء کو قریب دو ماہ قیام کے بعد حضور نے ذریعہ کار

براہ بنارس بریلی شریف مراجعت فرمائی۔

اسی دوران قیام کے اختتام پر مسلمانان جبلپور نے حضور مفتی اعظم ہند کے جشن صحت کا ایک عظیم الشان جلسہ کیا اور فقیر کے لئے بھی اس جشن صحت میں تندرستی کے لئے دعائیں کی گئیں یہ جشن صحت جس میدان میں منایا گیا تمام لوگوں کی خواہش پر اس میدان کو یادگار کے طور پر رضا چوک کا نام دیا گیا اس جلسے کے موقع پر جو ایک یادگار اور تاریخی جلسہ تھا میلوں دور دور کھڑے عقیدتمند مسلمانوں نے حضور کا نعرۂ تکبیر نعرۂ رسالت غوثیت اور حضور مفتی اعظم زندہ باد کے فلک شگاف نعرے سے استقبال کیا اور شہر کو دلھن کی طرح سجایا گیا اور اس موقع پر سارے شہر کو برقی قمقموں سے رات کو دن بنادیا گیا تھا جب جلسہ گاہ میں حضور مفتی اعظم ہند تشریف فرما ہوئے فقیر بھی ہمراہ تھا جلسہ گاہ میں حضور کی تشریف فرمانے کے بعد بمبئی کے ایک شاعر جناب مرتضیٰ حسن صاحب نے جو رضوی تخلص فرماتے ہیں ایک قصیدہ تہنیت جو دعائیہ کلمات پر مشتمل تھا پیش کیا جس کا مطلع تھا:

یا الٰہی تیرے فضل کے سائے میں مفتی اعظم دین وملت رہے
میں رہوں نہ رہوں اس جہاں میں مگر میرا پیر طریقت سلامت رہے

شاعر نے اپنے جذبات بھرے والہانہ انداز میں مطلع کے شعر کو ابھی دو ہی بار پڑھا تھا اور جب تیسری بار اس شعر کی تکرار کی اور ابھی پہلا ہی مصرعہ پڑھا تھا اور مصرعہ ثانی جیسے ہی پڑھنے کا ارادہ کیا حضور مفتی اعظم ہند جو تکیہ سے سہارا لیے بیٹھے تھے اٹھ کر سیدھے بیٹھ گئے اور مطلع کے مصرعہ ثانی میں اس طرح اصلاح دی یا یوں کہئے کہ مصرع کو تبدیل فرما کر مطلع کے مفہوم ہی کو بالکل بدل دیا حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے مجھ فقیر کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا:

میں رہوں نہ رہوں اس جہاں میں مگر میرا برہان ملت سلامت رہے

حضور نے یہ مصرعہ جس انداز سے تبدیل فرما کر جوش محبت اور خلوص قلب سے اپنی

زبان مبارک سے ارشاد فرمایا دیکھنے اور سننے والے ہی اس کی لذت اور حقیقی تاثرات سے آشنا ہیں جشن صحت کے تیسرے دن حضور اقدس یہاں سے بریلی شریف کے لئے تشریف لے گئے بریلی شریف میں پہنچنے پر حضور کی طبیعت پھر ناساز ہوئی ضعف بڑھتا گیا اور پھر جبلپور تشریف نہ لا سکے اور بمشیت الٰہی ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ کو داعی اجل کو لبیک فرماتے ہوئے۔

مصطفےٰ رضا محبّ معبود ہو گئے

إنا لله و إنا إليه راجعون . اللهم اغفر له وارحمه و اسكن في جنت النعيم رب العزت تبارک وتعالیٰ حضرت اقدس علیہ الرحمہ کے وسیلے سے ہم تمام خادمان مفتی اعظم ہند کو ثبات واستقامت کے ساتھ مجدد دین وملت امام اہل سنت اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک مقدس پر قائم رکھے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائے۔

والله المستعان على ما تصفون و صلى الله تعالىٰ على نور عرشه و مظهر لطفه سيدنا و مولانا محمد و أله و أصحابه أجمين آمين.

ماہنامہ استقامت کانپور ماہ مئی ۱۹۸۳ء

☆☆☆

مفتی اعظم اپنے فضل وکمال کے آئینے میں

(نائب مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی)

بسم اللہ الرحمان الرحیم

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا الشاہ المصطفیٰ رضا قادری بریلوی قدس سرہ پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور ابھی بہت کچھ لکھا جائے گا۔ بلکہ بہ تسلسل لکھا جاتا رہے گا لیکن میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ جو کچھ لکھا گیا یا لکھا جائے گا وہ سب حضرت مفتی اعظم ہند کے حقیقی تعارف کے لئے ناکافی ہے اور ناکافی رہے گا۔

مجھے بحمدہ تبارک وتعالیٰ یہ شرف حاصل ہے کہ میں گیارہ سال بلکہ کچھ ماہ زائد حضرت مفتی اعظم ہند کے دولت کدے پر قیام پذیر رہا۔ وہ ان دنوں میں ایک انسان کی زندگی کے سب سے کامل ایام مانے جاتے ہیں۔ یعنی اپنی عمر کے پینتیسویں سال سے لیکر چھیالیسویں سال تک اس طرح رہا کہ حضر میں بھی ساتھ رہا اور ہندستان کے طول وعرض کے سفر میں بھی ساتھ رہا۔ پوربندر سے لے کر بنگلہ دیش کی مغربی سرحد دیناجپور تک، کٹک اڑیسہ سے لیکر نجیب آباد تک تقریباً ہر بڑے شہر میں ہمراہ رہا۔

حضرت مفتی اعظم ہند کی حیات طیبہ کے پانچ دور ہیں: ایک عہد طفلی جو سن شعور تک پہنچنے تک ہے۔ دوسرا تحصیل علم اور فراغت۔ تیسرا مجدد اعظم اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی حیات طیبہ تک، چوتھا اعلیٰحضرت قدس سرہ کے وصال کے بعد سے لیکر سجادہ نشین ہونے تک۔ پانچواں عہد سجادہ نشینی سے اخیر عمر تک۔

یہ پانچوں دور اپنے اندر ایسی خصوصیات رکھتے ہیں جو حضرت مفتی اعظم ہند کی اپنے اقران میں ایک امتیازی شان پر دلیل ہیں۔ ان سب پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کے لئے دفتر درکار ہے۔ میں انتہائی عدیم الفرصت انسان جامعہ اشرفیہ کے دارالافتاء کی ذمہ داری ساتھ ساتھ اپنی بچی کھچی توانائی نزھۃ القاری شرح بخاری میں صرف کر رہا ہوں۔ مجھے اتنا موقع کہاں کہ اس بحر ناپیدا کنار کو سر کرنے کی کوشش کروں۔

لیکن رضا اکیڈمی ممبئی کے باحوصلہ ارکان نے اس صدسالہ جشن مفتی اعظم ہند میں مجھے شرکت کی دعوت دی تو مجھے شرم آئی کہ میں اپنے مربی اعظم کے جشن صدسالہ میں خالی ہاتھ حاضر ہوں اس لئے یہ چند سطریں بطور سوغات لے کر حاضر ہوں۔

زچشم آستیں بردار و گوہر را تماشا کن

یہ ایک رسم ہوگئی ہے کہ جب بھی کوئی مشہور آدمی دینا سے جاتا تو اس کے نیاز مند، عقیدت کیش یہی لکھتے ہیں کہ وہ تمام کمالات انسانی کا جامع تھا۔ اس لئے اگر میں بھی حضرت مفتی اعظم ہند کے بارے میں یہی لکھوں تو رسمی بات بھی کہی جا سکتی ہے۔ اس لئے اس ادعا کے بغیر میں مفتی اعظم ہند کی شخصیت سے متعلق حقائق قلمبند کر دیتا ہوں جس سے ہر ذی فہم و دیانت دار منصف فیصلہ کر لے گا کہ حضرت مفتی اعظم ہند کی ذات گرامی اپنے عہد مبارک میں بے مثال تھی۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

جلالت علم:۔ مفتی ہونا آج کل بہت آسان سمجھا جانے لگا ہے۔ مشہور ہے کہ بہار شریعت اور فتاویٰ رضویہ دیکھ کر ہر اردو داں فتویٰ لکھ سکتا ہے۔ لیکن مفتی اور فقیہ ہونا کتنا مشکل ہے یہ وہی جانتے ہیں جو کسی ذمہ دار دارالافتاء کی خدمت پر مامور ہیں۔

مجدد اعظم اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ محدث ہونا علم کا پہلا زینہ ہے اور فقیہ ہونا آخیر منزل ہے اور یہ مضمون حدیث صحیح سے ماخوذ ہے۔ ارشاد ہے۔

فرب حامل فقه نغیر فقیه ورب حامل فقه الی من هوافقه منه (مشکواۃ)
''بہت سے فقہ کے حامل فقیہہ نہیں ہوتے اور بہت سے حامل فقہ اسے پہنچاتے ہیں۔ جو اس سے زیادہ فقیہہ ہوتا ہے''۔

حضرت امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بہت مشہور و معروف ہے کہ ایک بار یہ مشہور مسلم الثبوت محدث حضرت سلیمان اعمش کے ہاں تشریف فرما تھے۔ حضرت سلیمان اعمش سے کچھ مسائل دریافت کئے گئے۔ انہوں نے حضرت امام اعظم سے فرمایا: آپ ان مسائل میں کیا کہتے ہیں؟ حضرت امام اعظم نے سب کے جوابات دیئے۔ انہوں نے پوچھا یہ کہاں سے کہتے ہو؟ فرمایا: انہیں احادیث سے جنہیں میں نے آپ ہی سے سنی ہیں اور ان سب احادیث کو مع سندوں کے پڑھ کر سنادیں۔ اس پر حضرت اعمش نے فرمایا: تمہیں یہ کافی ہے۔ جو حدیثیں میں نے تم سے سو دن میں بیان کیں ان سب کو تم ایک ساعت میں بیان کردیتے ہو۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم ان احادیث پر عمل کرتے ہو۔ اے فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور تم نے دونوں کو حاصل کرلیا ہے۔

غور فرمایئے حضرت سلیمان اعمش کو وہ حدیثیں یاد تھیں مگر ان سے جو مسائل حضرت امام اعظم نے اخذ فرمائے ان تک ان کی رسائی نہ ہوئی۔ یہ جلوہ ہے۔ فرب حامل فقه غیر فقیه والی من هوافقه منه۔

یہی وجہ ہے کہ امام اجل حضرت سفیان ثوری حضرت امام اعظم سے فرمایا: ہر چیز کے بارے میں آپ پر وہ علوم منکشف ہوئے جن سے ہم غافل ہیں۔ ان کی نظیر وہ حدیث ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: إن عبد اخیره اللـه بین ان یـؤتیـه مـن زهـرة الدنیا ماشاء و بین ماعنده فاختارما عنده (مشکوٰۃ: ص:۵۴۶)

اللہ نے ایک بندے کو اختیار دے دیا ہے وہ چاہے تو دنیا کی تروتازگی پسند کرے چاہے تو جو اللہ کے حضور ہے اسے اختیار کر لے اس بندے نے اللہ کے حضور کو اختیار کر لیا ہے۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ حاضرین صحابہ کو حیرت ہوئی کہ یہ کیوں رو رہے ہیں۔ مگر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو صحابۂ کرام کو معلوم ہو گیا کہ یہ بندہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور فاختار مما عندہ سے مراد وصال تھا۔ اب صحابۂ کرام کو اعتراف کرنا پڑا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔

آج کے مفتیان کرام اگرچہ مجتہد نہیں مگر آج بھی افتا نویسی کے لئے کتنے بیدار مغزلی ذہنیت، ذہانت، فطانت، معاملہ فہمی اور تبحر علمی کی ضرورت ہے۔ ان سب کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، اس کو صرف ایک واقعہ سے سمجھ لیجئے۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تیرا نکاح فسخ کیا۔ ایک بہت بڑے شیخ الحدیث صاحب کے یہاں استفتاء پیش کیا گیا۔ انہوں نے قلم برداشتہ لکھ دیا کہ اس سے ایک طلاق رجعی پڑ گئی۔ وہیں سے یہ استفتاء میرے پاس آیا۔ میں نے جواب میں لکھا کہ یہ طلاق کنائی کے کلمات میں سے ہے۔ اگر شوہر نے بہ نیت طلاق کہا ہے تو ایک طلاق بائن پڑ گئی ورنہ طلاق واقع نہ ہوئی۔ میں نے اپنی تائید میں عالمگیری کا جزئیہ بھی نقل کر دیا تھا۔

میرا یہ فتویٰ ان شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں پیش ہوا تو بہت گھبرائے۔ اتفاق سے وہ بریلی شریف آئے تو مجھ سے مواخذہ فرمایا کہ تم نے کیسے لکھ دیا کہ یہ طلاق کنائی کا جملہ ہے۔ میں نے عرض کیا: بہار شریعت، رحیق الحقاق، عالمگیری میں لکھا ہے، انہوں نے فرمایا یہ تو صحیح ہے مگر یہ طلاق کنائی کا جملہ کیسے ہے۔ جبکہ فسخ نکاح اور طلاق لازم وملزوم ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ طلاق اور فسخ نکاح لازم وملزوم نہیں۔ ایسی بہت سی صورتیں ہیں کہ بغیر طلاق کے بھی نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ جیسے ردّت اور مصاہرت سے۔

مجھے بتانا یہ ہے کہ فتویٰ دینا دینی خدمات میں سب سے اہم سب سے مشکل اور سب سے پیچیدہ کام ہے اور ایسا کام ہے جس کی کوئی نہایت نہیں۔ فقہائے کرام نے اگرچہ ہم پر احسان فرماتے ہوئے لاکھوں جزئیات کی تصریح فرمادی ہے۔ مگر پھر بھی حوادث محدود نہیں ،آئے دن سیکڑوں واقعات ایسے ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے بارے میں کوئی جزئیہ کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ ایک فقیہہ اپنی بالغ نظری، نکتہ سنجی، دقیق بینی کی بدولت تائیدایزدی سے صحیح حکم اخذ کرلیتا ہے۔ مگر یہ کام کتنا مشکل ہے۔ اسے بتایا نہیں جاسکتا جس کے سر پڑتی ہے وہی جانتا ہے۔

جب آپ تفقہ کی حیثیت پر ایک نظر ڈال چکے تو آیئے میں آپ کو حضرت مفتی اعظم ہند کی اس فن میں عبقریت کے جلوے دکھاؤں، حضرت مفتی اعظم ہند نے پہلا فتویٰ ۱۹۱۰ء میں لکھا جبکہ عمر مبارک صرف اٹھارہ سال کی تھی۔ یہ فتویٰ مجدد اعظم اعلیٰحضرت قدس سرہ کی خدمت میں پیش ہوا۔ اعلیٰحضرت قدس سرہ نے اس میں بغیر کسی ترمیم وتبدیل کے ان الفاظ میں اس کی تصحیح فرمائی۔ صح الجواب بعون الملک الوہاب۔ خوش ہو کر انعام عطا فرمایا اور مہر بنوا کر عنایت فرمائی۔

بظاہر اس میں کوئی اہمیت نظر نہیں آتی مگر مفتیوں سے پوچھئے تو معلوم ہوجائے گا کہ یہ کتنی حیرت ناک بات ہے۔ فتویٰ نویسی میں سب سے پہلے یہ غور کرنا ہوتا ہے کہ سائل کیا پوچھنا چاہتا ہے۔ وہ کہاں الجھا ہوا ہے۔ اس نے مافی الضمیر کو کما حقہ ادا بھی کیا ہے یا نہیں؟ پھر ہمارے جواب پر اسے کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان سب پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد مفتی جواب لکھتا ہے تو ان سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر اپنے جچے تلے الفاظ سلجھے ہوئے انداز بیان، جامع مانع کلمات میں جواب لکھتا ہے۔ زندگی میں پہلا فتویٰ لکھنے والا ان باتوں کی رعایت کرسکے گا یا کرسکتا ہے۔ بہت مشکل ہے۔ ذہین سے ذہین علماء برسہا برس تک مشاق کرنے اور ماہر فن مفتی سے اصلاح

لینے کے بعد اس پر قادر ہوتے ہیں کہ وہ ایک مکمل فتویٰ لکھیں۔ مگر جو بات دیگر ذہین فطین ذکی علماء کو برسہا برس میں تنقید اصلاح اور ہدایت کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ حضرت مفتی اعظم ہند کو پہلے دن حاصل تھی۔ یہ دلیل ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند جیسے والدہ ماجدہ کے شکم پاک سے ولی بن کر آئے تھے اسی طرح مفتی اعظم بھی بن کر آئے تھے۔ السعید من سعد فی یطن امه تفقه فی الدین ۔ آپ کی فطرت جبلت سرشت تھی۔

غور کریں ایک اٹھارہ سال کا نوعمر پہلا فتویٰ لکھتا ہے اور تصحیح کے لئے پیش کرتا ہے اس دقیق بین نکتہ کی بارگاہ میں جس کی تیز نگاہی کا عالم یہ تھا کہ کسی کلمے میں ہزار معانی ہوتے تو وہ سب اوّل نظر میں احاطے میں آجاتے اور جس کے بارے میں علمائے حرمین نے یہ فرمایا کہ اگر انہیں ابوحنیفہ دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتیں اور انہیں اپنے تلامذہ میں داخل فرما لیتے۔ مگر اس نوعمر مفتی کے پہلے فتویٰ پر اسے بھی کہیں اصلاح کی ضرورت نہیں ہوئی۔ بات یہ ہے کہ شیر کے بچوں کو کس نے شکار سکھایا۔ حضرت مفتی اعظم ہند کی عمر مبارک کے یہی ایام تھے کہ علمائے رام پور سے مسئلہ اذان ثانی پر بحث چھڑ گئی۔ علماء رامپور معمولی علماء نہیں تھے۔ یہ وہ اکابر ملت تھے جن کے علم و فضل کا رعب پورے ہندستان پر چھایا ہوا تھا۔

یہ شمس العلماء مولانا عبدالحق ابن علامہ فضل حق خیرآبادی جیسے اس بطل جلیل کے وارث تھے۔ کہ بانی دیوبند قاسم نانوتوی صاحب رام پور آئے تو ان کی ہیبت سے اپنے کو ظاہر نہ کرسکے۔ سرائے میر میں قیام کیا اور اپنا نام تبدیل کر کے لکھوایا۔

علمائے رام پور نے اس مسئلہ پر اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ بحث شروع کر دی۔ مجدد اعظم اعلیٰحضرت قدس سرہ نے ان کے افہام و تفہیم کے لئے اپنے اس نوجوان فرزند کو حکم دیا اور حضرت مفتی اعظم ہند نے ان حضرات کے ابحاث علمیہ کے ایسے مدلل مسکت فصیح جواب دیئے کہ وہ دم بخود رہ گئے ان پر وہ گرفتیں کیں کہ وہ حضرات انگشت بدنداں رہ

گئے۔ جس کا جی چاہے اس وقت کے رسائل وقایہ اہل سنت نفی العار وغیرہ کا مطالعہ کر لے۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ مجدد اعظم کے وارث نے دنیا کو دکھا دیا دنیا سے منوالیا کہ بزرگی بعقل ست نہ بہ سال۔

حضرت مفتی اعظم ہند کے سیکڑوں ایرادات آج بھی قرض ہیں۔ انہیں ایام میں دیوبندیوں کی بقیۃ السلف حکیم الامت جناب تھانوی صاحب نے حفظ الایمان کی کفری عبارت کی رفوگری کے لئے بسط البنان لکھی۔ جسے مطالعہ کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند نے اس کی رد میں وقعات السنان اور ادخال السنان تالیف فرمائی۔ جسے رجسٹری کر کے تھانہ بھون بھیجا مگر ان دونوں کے جواب سے نہ صرف تھانوی صاحب بلکہ ان کی پوری برادری عاجز ہے اور عاجز رہے گی۔

وقعات السنان، ادخال السنان کے زخموں کی تاب نہ لا کر بہ لباس باطنی تھانوی صاحب نے اپنے ایک نیاز مند سے کچھ سوالات کرائے۔ ان کے جوابات کے لئے بھی حضرت مفتی اعظم ہند میدان میں آئے۔ اور الموت الاحمر لکھ کر اکابر دیوبند کی تکفیر کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی اور حجت الٰہیہ ان پر تمام فرمادی اور من هلك عن بينة ومن حي حي عن بينة کا جلوہ دنیا کو دکھا دیا۔

مجدد اعظم اعلیٰحضرت قدس سرہ کی حیات مبارکہ میں حضرت مفتی اعظم ہند کے وہ کارنامے ہیں جنہیں دیکھ کر عالم تصور میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک شیر ہے جو تن تنہا پوری دنیا سے چوکھا لڑ رہا ہے اور اپنے جملۂ جاں ستاں سے مخالفین کو نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کا مزہ چکھا رہا ہے۔

پھر ایک وقت وہ آیا کہ مجدد اعظم اعلیٰحضرت قدس سرہ نے اس کی ضرورت محسوس فرمائی کہ پورے ملک کے لئے ایک دار القضاء قائم کیا جائے۔ تو چونکہ قاضی کے لئے کافی تربیت تفقہ اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس اعتبار سے حاضرین دربار رضوی میں

سب سے زیادہ فائق حضرت صدر الشریعہ تھے اس لئے انہیں قاضی بنایا اور حضرت مفتی اعظم ہند اور حضرت برہان ملت جبلپوری کو مفتی دار القضاء کے منصب پر فائز فرمایا۔

اس دار القضاء میں اگرچہ حضرت مفتی اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ کے ماتحت تھے، مگر غور کر لیجئے کہ دار القضاء کوئی معمولی دار القضاء نہ تھا۔ پورے ہندوستان کا سب سے بڑا مرکزی دار القضاء تھا جسے سپریم کورٹ کہہ لیجئے۔ اور اس دار القضاء میں مفتی کی حیثیت وہی تھی جو کسی بنچ کے چند ججوں کی ہوتی ہے۔ ایک نوعمر نوجوان کو سپریم کورٹ کے بنچ کے ججوں میں شامل کرنا اتنا بڑا اعزاز ہے کہ کہنہ مشقوں کو بھی شاید باید نصیب ہوتا ہے۔ اس نوعمری میں سب سے بڑے دار القضاء کا رکن بنانا ہی اس کی دلیل ہے کہ ایک دن آئے گا کہ یہ نوعمر پوری دنیا کے علماء میں وہ حیثیت حاصل کرلے گا کہ اس کی حیثیت عالمی سپریم کے اعلیٰ جج کی ہو جائے گی اور دنیا نے اپنے چشم سر سے دیکھا کہ حضرت مفتی اعظم ہند اپنے عہد میں پوری دنیائے سنیت کے صرف قاضی القضاۃ ہی نہ تھے بلکہ روحانی شہنشاہ تھے ان کا جلوہ دنیا نے اس وقت دیکھا جبکہ حضرت مفتی اعظم ہند ۱۹۴۵ء م ۱۳۶۴ھ میں حج وزیارت کے لئے حرمین طیبین حاضر ہوئے۔

نجدی فرعون ابن سعود نے حجاج پر حج وزیارت کا ٹیکس لگا دیا تھا۔ اس قارون صفت حریص کو نہ حلال کی پرواہ تھی نہ حرام کی۔ اس کو اپنی عیاشی کے لئے قارون کا خزانہ درکار تھا۔ مگر اس بے برگ وگیاہ ریگستان میں اسے کیا ملتا۔ تو اس حریص ننگ اسلام و مسلمین نے مجبور وبیکس حجاج پر ظلم کیا کہ ان حاجیوں پر ڈاکے ڈالنے کے لئے ٹیکس لگا دیا اور حیرت یہ تھی کہ کتاب وسنت پر عمل کے مدعی اور داعی بننے والے نجدی علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا۔

ابن سعود اور دوسرے نجدی حکمرانوں کے جبر وتشدد کا عالم یہ تھا ایک مزاح پسند ناقد نے کہا ہے کہ نجدی مملکت میں اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جناب میں

گستاخی کرنے والوں کے لئے جگہ ہے۔ مگر نجدی حکمراں پر صحیح تنقید کرنے والوں کی سزا موت ہے۔ علمائے حرمین طیبین رخصت پر عمل کرتے ہوئے خاموش تھے۔

لیکن جب حضرت مفتی اعظم ہند حرمین طیبین حاضر ہوئے تو اس ناخدا ترس خونخوار درندے کی قلم رو میں بیٹھ کر مکۂ معظمہ میں اس نجدی ٹیکس کے حرام وگناہ ہونے پر انتہائی مدلل مفصل عربی زبان میں فتویٰ لکھا: جس کا نام: القنابل الذرية على أوثان النجدية جسے مطالعہ کرکے علمائے حرمین طیبین نے متفقہ طور پر فرمایا "إن هذا إلا الهام" اور متفقہ طور پر حضرت مفتی اعظم کو امام وقت شیخ الهند والحرم تسلیم فرمایا۔ بطور تبرک قرآن و احادیث وفقہ کے سلاسل کی اجازتیں لیں۔ اور اپنے آپ کو مفتی اعظم ہند کے زمرہ تلامذہ میں داخل ہونے پر فخر فرمایا۔ اسی وجہ سے کہتا رہتا ہوں۔ اور شیخ، شیخ الہند ہیں اور ہمارے شیخ، شیخ العرب والعجم ہیں۔

یہ جلوہ تھا اس اشارے کا جو والد مکرم مجدد اعظم نے نوعمری میں دار القضاء کا رکن بنایا۔ اور وقت آنے پر دنیا نے چشم سر سے دیکھا کہ اپنے عہد میں پوری دنیائے سنیت کا امام بنا۔ سلطان بنا، سرتاج بنا۔

یہ باتیں تو وہ ہیں جو ثقہ رواۃ کے ذریعہ میں نے سنی ہیں۔ اب آیئے خود میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے اسے آپ حضرات ملاحظہ فرمائیں۔

میں بریلی شریف حاضر ہوا اور حضور مفتی اعظم نے اپنے دارالافتاء کی خدمت سپرد فرمائی۔ ہوتا یہ کہ میں مسائل دن میں لکھ لیا کرتا اور بعد عشاء حضرت کو سناتا۔ یہ معمول مسلسل گیارہ سال تک رہا۔ میں اس میدان میں نووارد نہیں تھا۔ فتویٰ نویسی کا اچھا خاصا تجربہ رکھتا تھا۔ میں نے زمانۂ طالب علمی سے فتویٰ نویسی شروع کردی تھی۔ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے یہاں آئے ہوئے مسائل دیتے اور میں لکھا کرتا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سب سے پہلا فتویٰ میں نے بھی رضاعت

ہی کا لکھا تھا۔ فراغت کے بعد جب میں اپنے گھر گھوسی مقیم تھا تو میری فیروز بختی تھی کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ ان دنوں ۶۶۔۶۷ھ، ۴۷۔۴۸ء اپنے دولت کدے ہی پر تشریف رکھتے تھے۔ میں روزانہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حضرت کے یہاں آئے ہوئے مسائل لکھا کرتا۔ اگرچہ اس کی صورت یہ ہوتی کہ حضرت املا فرماتے۔ چونکہ ان دنوں حضرت کی بینائی کمزور تھی اس لئے تائیدی عبارتیں میں ہی نکالا کرتا تھا۔ اس طرح فتویٰ لکھنے کی اچھی خاصی مشق ہوگئی تھی۔

میں بغور سوال پڑھ کر مسائل کی منشاء سمجھ کر پوری دماغی توانائی صرف کر کے دماغ حاضر کر کے جوابات لکھتا تھا۔ میں اپنے اوپر جو وثوق اس وقت بھی رکھتا تھا۔ اس کی روشنی میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت کے میرے لکھے ہوئے مسائل پر کوئی انگلی نہیں رکھ سکتا تھا۔

دوسری طرف مفتی اعظم ہند کا حال یہ تھا کہ دن میں تعویذیں لکھنے میں مصروف رہتے تعویذ لینے کے لئے آنے والے کوئی خوش کن فرحت بخش خبر نہیں سناتے بلکہ ہر تعویذ کا طلبگار اپنے دکھ، درد، تکلیف، مصیبت کی دردناک داستان سناتا تھا۔ مسلسل اذیت ناک خبریں سنتے سنتے مضبوط سے مضبوط انسان کا دل بیٹھ جاتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ دن بھر صبر آزما اعصاب کو مفلوج کرنے والے ماحول کی بدولت حضرت مفتی اعظم ہند ایسے تھک جاتے کہ سوائے آرام وسکون کے اور کام کی طرف توجہ نہ فرماتے مگر بلا ناغہ بالالتزام روزانہ بعد نماز عشاء کھانا تناول فرمانے کے بعد اپنی بیٹھک پر تشریف لاتے اور اس طرح تشریف رکھتے گویا دن بھر آرام کیا ہے۔ بالکل تروتازہ چاق و چوبند حاضر دماغ۔ اب میں اپنے لکھے ہوئے مسائل سناتا۔ حضرت مفتی اعظم ہند کی حاضر دماغی تیقظ قلبی کا عالم اس وقت بھی وہ ہوتا کہ جگہ جگہ اصلاح فرماتے۔ عمدہ سے عمدہ تر کی طرف رہنمائی فرماتے۔ زور بیان کو مؤثر سے مؤثر تر بناتے۔ استدلال کو قوی سے قوی تر فرماتے۔ عبارت کو شیشہ سے شستہ تر فرماتے۔ اگر تائیدی عبارت میں کمی ہوتی تو دوسری زیادہ مناسب اور موزوں

عبارت کی رہنمائی فرماتے۔ عبارت میں کوئی بھول چوک ہوتی تو فوراً تنبیہ فرماتے اور اسے صحیح کرتے چند نمونے ملاحظہ فرمایئے۔

ایک دفعہ میں نے لکھا تھا۔ تو فبہا۔ فرمایا: فبہا کے ساتھ تو کا کیا جوڑ۔

ایک دفعہ میں نے حدیث رفاعہ لکھی تھی صحیح۔ مگر میں نے پڑھ دیا۔ لاحتی تذوقی عسیلتك فرمایا: کیا پڑھا؟

ہمارے اعظم گڑھ کے عرف میں مُہر کو مؤنث استعمال کرتے ہیں اس وجہ سے میں نے مہر کے لئے تانیث کا صیغہ استعمال کر دیا فوراً تنبیہ فرمائی۔

ایک دفعہ یہ سوال آیا۔ ہندہ کی زید کے ساتھ نابالغی میں شادی ہوئی بالغ ہونے کے بعد ہندہ زید کے ساتھ رہنے پر راضی نہیں اس مسئلہ کی دس بارہ صورتیں ہیں۔ مثلاً نکاح کے وقت ہندہ کے باپ یا دادا زندہ تھے یا مر گئے تھے۔ موجود تھے تو یہ نکاح ان کی اجازت سے ہوا یا خود انہوں نے پڑھایا تھا یا نہیں۔ اگر زندہ تھے مگر کہیں دور تھے یہ غیبت منقطعہ تھی یا نہیں کفو میں ہوا یا غیر کفو میں مہر میں غبن فاحش تھا یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ میں نے بڑی محنت سے دن بھر صرف کر کے اس کی تمام شقوق کی تفصیل لکھی تھی اور بہت خوش تھا کہ آج حضرت مجھے داد ضرور دیں گے دعائے خیر سے نوازیں گے مگر جب سنانا شروع کیا تو فرمایا:

یہ جواب سائل کو کیا مفید ہوگا۔ یہ شق در شق طوفانی جواب کس کے پلے پڑے گا۔ جواب میں اپنا مبلغ علم ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ عام طور پر نکاح کفو میں مہر مثل کے ساتھ ہوتا ہے اور نابالغ بچوں کا نکاح باپ دادا ہی کرتے ہیں اور اگر باپ دادا نہیں تو سائل اس کو سوال میں لکھا کرتے ہیں۔ اس لئے جواب میں صرف اتنا لکھیں کہ اگر یہ نکاح باپ دادا نے پڑھایا تھا یا ان کے اذن سے ہوا تھا۔

اور کفو میں مہر میں غبن فاحش کے بغیر ہوا تو صحیح نافذ ہے۔ الخ۔ اور اگر واقعہ کی صورت کوئی دوسری ہو تو دوبارہ اس صورت کو تفصیل کے ساتھ لکھ کر بھیجیں۔ اس اصلاح کا

حاصل ہے یہ کہ سائل حکم شرعی اس لئے معلوم کرتا ہے کہ اس پر عمل کرے۔ پیچ در پیچ شق در شق جوابات سے وہ الجھ جائے گا اور صحیح حکم کو متعین نہ کر سکے گا۔ نیز خدا ناترس لوگ ان سب شقوق میں سے اپنے پسند کی شق اختیار کر لیں گے۔ اگر چہ واقعہ کے مطابق نہ ہو اس طرح وہ حرام میں مبتلا ہوں گے اور سہارا آپ کے فتویٰ کا لیں گے۔ اس لئے جواب اس پہلو پر دیا جائے جو بظاہر ہو اور قیود بڑھا کر دوسری شقوق کی نفی کر دی جائے اور پھر آخر میں ہدایت کر دی جائے اس ہدایت سے حضرت نے رسم مفتی کے اس اہم قاعدے کی طرف رہنمائی فرمائی کہ مفتی اعظم کو اپنی طرف سے شقیں قائم کر کے جواب نہیں دینا چاہئے۔

میں نے بریلی شریف کے ایام قیام میں پچیس ہزار مسائل لکھے جن میں دس ہزار کے لگ بھگ وہ مسائل ہیں جن پر حضرت کی اصلاح ہے۔ کاش وہ سب محفوظ ہوتے تو ایک اہم خزانہ محفوظ ہوتا۔ پھر دنیا دیکھ لیتی کہ حضرت مفتی اعظم ہند کا تبحر علمی دقت نظر نکتہ رسی کس حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ یہ مجلس عموماً دو تین گھنٹے کی ہوتی۔ کبھی کبھار چار گھنٹے کی بھی ہو جاتی تھی۔ میں تھک جاتا اکتا جاتا۔ مگر حضرت مفتی اعظم ہند پر تکان یا اکتاہٹ کا کوئی اثر نہیں نظر آتا۔ دن بھر کا تھکا ہوا انسان رات میں بھی اتنا حاضر دماغ ہو یہ انسانی قوی کے بس کی بات نہیں یہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند ان منتخب روزگار نفوس قدسیہ میں سے تھے جن کا علم بھی لدنی ہوتا ہے اور قوئی بشری بھی لدنی اور دل و دماغ بھی لدنی جن کا سب کچھ لدنی ہوتا ہے۔ اسی مبارک محفل کا ایک حیرت ناک واقعہ یہ ہے کہ سخت سردیوں کے دن تھے۔ حضرت کے لئے انگیٹھی تھی جو کچھ دیر کے بعد ٹھنڈی ہونے لگی۔ حقے کی آگ بھی ختم ہونے پر آئی اچانک فرمایا اگر کوئلہ اور ہوتا تو انگیٹھی ہی گرم ہو جاتی اور تمبا کو ابھی پورا جلا نہیں ہے وہ بھی کام میں آجاتا۔ میں نے عرض کیا اندر خادمہ کو آواز دے کر کوئلہ مانگ لوں۔ فرمایا دن بھر کی تھکی ہاری بیچاری سو گئی ہو گی جانے دیجئے۔

مظفر پور کے ایک شاہ صاحب کبھی کبھی آستانہ عالیہ پر قیام کرتے دو دو مہینے تک

رہتے بظاہر ان کا کوئی مقصد معلوم نہیں ہوتا میں نے ایک دو بار پوچھا بھی تو کہا کہ صرف حضرت کی زیارت کے لئے آجاتا ہوں۔

جب تک حضرت باہر تشریف رکھتے وہ حضرت کی خدمت میں حاضر رہتے۔ مذکورہ بالا گفتگو کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ شاہ صاحب بیرونی دروازے سے اندر آئے اور اپنے رومال میں کچھ لائے اس کا بھی دھیان نہ آیا کہ دروازہ اندر سے بند ہے یہ کیسے آگئے۔ انہوں نے حاضر ہو کر عرض کیا حضرت یہ کوئلہ ہے اور انگیٹھی میں انڈیل دیا۔ اور کوئلے چلم میں ڈال دیئے۔ انگیٹھی میں کچھ چنگاریاں رہ گئی تھیں۔ شاہ صاحب کوئلہ ڈال کر بیٹھ گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ پنکھا یا دفتی ہوتی تو اسے ہوا کر دی جاتی۔ میں اپنے کمرے میں پنکھا یا دفتی تلاش کرنے چلا گیا۔ مگر نہ پنکھا ملا نہ دفتی ملی۔ مجھے آنے جانے میں بمشکل دو ڈھائی منٹ لگے ہوں گے۔ واپس آکر دیکھا تو انگیٹھی اور چلم دونوں کے کوئلے دہک رہے تھے۔ مجھے کچھ حیرت ہوئی مگر میں اپنے کام میں لگ گیا بارہ بجے کے بعد حضرت اندر تشریف لے گئے اور ہم لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا کر سو گئے۔ شاہ صاحب نماز و جماعت کے پابند تھے۔ ہمیشہ با جماعت نماز پڑھتے تھے مگر اس دن فجر کی نماز میں نہیں تھے مجھے ایک خیال تو ہوا مگر پھر ذہن سے نکل گیا۔ ناشتے کے وقت ان کی تلاش ہوئی تو غائب اور کھانے میں بھی غائب۔ تحقیق کی تو سب نے بتایا کہ وہ آئے ہی نہیں ہیں۔ اب میرے دماغ میں کھلبلی مچی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ رات کو جب پھر مسائل سنانے بیٹھا تو پہلے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ شاہ صاحب رات میں کوئلہ لے کر آئے پھر پتہ نہیں کہاں چلے گئے۔ فرمایا چلے گئے ہوں گے آپ اپنا کام کریں۔ ظن غالب ہے کہ یہ حضرت شاہ صاحب کی صورت میں کوئی جن تھے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ حضرت کے بکثرت مریدین جن بھی ہیں۔

اب آیئے چند واقعات سفر کے سنیئے۔ حضرت مفتی اعظم ہند کی عادت کریمہ تھی کہ ہر نماز مسجد میں حاضر ہو کر تازہ وضو سے با جماعت ادا فرماتے تھے۔ سفر کتنا ہی لمبا کتنا ہی

دشوار ہو۔ گاڑی میں کتنی ہی بھیڑ ہو کبھی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی اور کوئی فرض یا سنت بیٹھ کر ادا نہ فرمائی اسی سلسلے میں کبھی بڑی دشواریاں پیش آئیں مگر کوئی پرواہ نہ کی۔

ایک بار حضرت اوجین سے جے پور جاتے ہوئے ناگدہ اسٹیشن پر بمبئی سے دہرہ دون ایکسپریس پر سوار ہوئے۔ سکنڈ کلاس کا ٹکٹ تھا۔ ڈبے میں پہنچے تو پورا ڈبہ فوجیوں سے بھرا پڑا تھا۔ فوجی کتنے بدتمیز اور عوام کے لئے ظالم ہوتے ہیں وہ سب جانتے ہیں وہ وحشی سیٹوں پر ٹانگیں پھیلائے لیٹے تھے۔ بڑی مشکل سے بیٹھنے کی جگہ ملی۔ تھوڑی دیر بعد عصر کا وقت ہو گیا۔ پورا ڈبہ بھرا ہوا تھا۔ کہیں جگہ نہ تھی اور گاڑی اسٹیشنوں پر برائے نام رکتی۔ فرمایا: نماز پڑھوں گا۔ میں پریشان ہو گیا چاروں طرف نظر دوڑائی ایک فوجی سکھ کا بہت بڑا ٹرنک پڑا تھا جس پر بستر رکھا ہوا تھا میں نے اس سے کہا کہ ہمارے حضرت نماز پڑھیں گے اگر آپ مان جائیں تو اس ٹرنک پر سے بستر اتار دوں اور اس پر نماز پڑھ لیں وہ مان گیا اور خود اسی نے بستر اٹھایا اور کھڑا رہا۔ گاڑی جب ایک اسٹیشن پر پہنچی تو حضرت کو اسی پر کھڑا کر دیا۔ حضرت نے اسی طرح نماز ادا فرمائی۔ جب مغرب کا وقت ہوا تو ایک اسٹیشن پر مجھے بغیر بتائے ہوئے اتر پڑے۔ میں پیچھے پیچھے جانماز لے کر دوڑا۔ فرض کا سلام پھیرتے ہی گاڑی نے سیٹی دے دی میں جلدی سے گاڑی کی طرف بڑھا اور حضرت نے سنت کی نیت باندھ لی اور گاڑی سیٹی پر سیٹی دیتی رہی اس وقت میری پریشانیوں کا عالم کیا تھا وہ میں ہی جانتا ہوں سامان گاڑی پر اور حضرت پلیٹ فارم پر۔ اگر گاڑی چلی جائے تو کیا کروں گا۔ اسی کش مکش میں نظر انجن کی طرف گئی تو دیکھا کہ ڈرائیور حضرت کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اب کچھ اطمینان ہوا۔ بالآخر جب حضرت نماز سے فارغ ہو کر ڈبے میں تشریف لائے تو گاڑی چلی۔

اس قسم کے موقع پر قوی سے قوی اعصاب انسان کے ہوش و حواس بے قابو ہو جاتے ہیں۔ مگر مفتی اعظم ہند پر کوئی اثر نہ پڑا اور اطمینان خاطر نماز میں مصروف رہے۔ یہ دلیل

ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند کا معاملہ خدائے عزّ وجل سے اتنا قوی تھا کہ کوئی چیز بھی اس میں مخل نہ ہو سکتی تھی۔ حالانکہ ایک تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔

ایک بار کلکتہ جاتے ہوئے مغل سرائے میں بنارس کے کچھ عقل کل افراد کی حرکتوں کی بدولت عصر کی نماز پڑھتے گاڑی چھوٹ چکی اور بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مگر اس کے باوجود نماز کو اپنے اوقات میں پڑھنے سے کوئی چیز حارج نہیں ہو سکتی تھی۔

اسی سفر میں یہ قصہ درپیش ہوا کہ فوجی آپس میں مذہبی گفتگو کرنے لگے۔ ایک کم عمر فوجی نے باتوں باتوں میں حضرت سیّدہ مریم عذرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان اقدس میں وہ بکواس کردی جو یہودی اور قادیانی بکتے ہیں۔ سخت جلال بھرے انداز میں اس فوجی کو ڈانٹا کہ کیا بکتا ہے۔ یہ جھوٹ ہے افتراء ہے وہ بھونچکا رہ گیا۔ کہنے لگا: میں نے محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ان کی والدہ کے بارے میں تو کچھ کہا نہیں پھر آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں۔ فرمایا ہم لوگ ہر پیغمبر کا ادب واحترام اسی طرح کرتے ہیں۔ جیسے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ میں تو ڈرا تھا کہ یہ وحشی درندے ہیں کہیں بدتمیزی کا برتاؤ نہ کریں۔ مگر ایک مرد حق آگاہ کی ڈانٹ نے انہیں سہا دیا اور مرعوب ہو کر خاموش ہو گئے۔ یہی نہیں اٹھ کر بیٹھ گئے اور اس کے بعد حضرت کے ساتھ مؤدب رہنے لگے۔

نماز کی پابندی کے سلسلے میں ایک واقعہ دہلی میں پیش آیا تھا۔

حضرت دارالعلوم اسحاقیہ جودھپور کے سالانہ جلسے سے گھر واپس آرہے تھے۔ جودھپور کے احباب نے اوپر کی سیٹ پر حضرت کا بستر لگا دیا تھا۔ عشاء پڑھ کر اس پر آرام سے سو گئے۔ سردی شباب پر تھی۔ جب گاڑی دہلی کے قریب گوڑ گاؤں پہونچی تو میں نے اٹھایا۔ اٹھنے کے بعد استنجا خانہ تشریف لے گئے مگر وہاں بہت لمبی قطار تھی وہ بھی عورتوں کی۔ حضرت بے چینی کے ساتھ استنجا خانہ کے خالی ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ میں بستر باندھنے میں مشغول تھا۔ جب گاڑی دہلی کے پلیٹ فارم پر پہنچ گئی تب کہیں جا کر استنجا

خانہ خالی ہوا اور حضرت تشریف لے گئے۔ جب حضرت استنجا سے فارغ ہو گئے تو مراد آباد جانے والی گاڑی جس پلیٹ فارم پر لگی تھی وہاں تشریف لے گئے۔ جب سامان گاڑی میں رکھا جا چکا تو فرمایا کپڑے نکال دیں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی کپڑے نکال کر حضرت کو دیئے اور میں بکس بند کرنے میں مصروف رہا۔ بکس بند کر کے دیکھا تو حضرت کپڑے لے کر بڑی تیزی سے پلیٹ فارم کے پل کی طرف جا رہے ہیں میں متحیّر ہو گیا کہ یا اللہ حضرت کہاں جا رہے ہیں مگر میں کرتا کیا۔ گاڑی میں سامان چھوڑ کر حضرت کے پیچھے بھی نہیں جا سکتا تھا بے چینی و اضطراب کے عالم میں کسی طرح وضو کیا نماز پڑھی اور ریل کے ڈبے سے سر نکالے ہوئے باہر جھانکتا رہا۔ نہ وقت کٹتا نہ حضرت تشریف لاتے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد حضرت واپس ہوئے۔ جاڑے سے کانپ رہے تھے۔ قدم برابر نہیں پڑ رہے تھے۔ میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ ڈبے سے باہر نکل کر اندر لایا۔ ڈبے میں چڑھانے کیلئے ہاتھ پکڑا تو برف کے مانند سرد اب میرا حال زار اور بدتر ہو گیا۔ فرمایا بستر کھولئے میں نے بستر کھولا تو فوراً لیٹ گئے اور بڑی تیزی سے لحاف اوڑھ لیا۔ اب میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے تھے۔ کانپتی ہوئی آواز میں فرمایا: وہ خبیثات پائخانے کے دروازے پر کھڑی تھیں۔ مجھے استنجا کی شدید حاجت تھی کپڑے ناپاک ہو گئے سوچا کسی مسجد میں جا کر غسل کر کے کپڑے بدل لوں۔ رکشہ کر کے ایک مسجد میں گیا وہاں نہانے کا بندوبست نہ تھا تو پھر دوسری مسجد میں گیا وہاں گرم پانی بھی تھا اور نہانے کا بندوبست بھی۔ غسل کر کے کپڑے بدلے۔ نماز پڑھی اور واپس آ گیا۔ رکشے پر ہوا لگنے سے جاڑا معلوم ہونے لگا۔ دہلی میں سردی بہت پڑتی ہے۔ یہ سنتے ہی قدموں پر گر گیا کہ انہیں اللہ والوں کے وجود باوجود کے صدقے میں زمین و آسمان قائم ہیں اب میں باہر نکلا کہ حضرت کو گرم گرم چائے پلاؤں۔ دشواری یہ تھی کہ حضرت کسی غیر کی چائے تک نہ پیتے تھے۔ میں خود اس کا خیال رکھتا تھا۔ لیکن اس دن سوچا کہ اس وقت

حضرت کو چائے کی اشد ضرورت ہے بغیر تحقیق کے قریبی اسٹال سے دو نے پیسے دے کر خوب گرم اور عمدہ چائے بنوا کر لایا۔ چائے نوش فرمائی تو ارشاد فرمایا: کہیں سے آگ مل جاتی تو چلم بھر لی جاتی۔ میں ناشتہ دان کے ڈبے میں چند کوئلے لے کے اسی چائے والے کی دوکان پر گیا اور اسی کے چولہے سے کوئلے دہکایا اور چلم بھر کر تیار کر دی۔ اب حکم ہوا کہ پانی گندہ ہو گیا ہے بدل دیں۔ میں نے یہ بھی کیا اس کے بعد حضرت حقہ پینے میں مشغول ہو گئے۔ اب میں نے عرض کیا حضور پہلے ہی بتا دیا ہوتا کہ غسل کرنا ہے۔ ویٹنگ روم میں نہانے کا انتظام ہے گرم پانی بھی رہتا ہے اگر حضور نے پہلے ہی بتایا ہوتا تو اتنی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔

کیا اس دور میں عزیمت پر اس حد تک عمل کرنے کی کوئی اور مثال پیش کی جا سکتی ہے۔

تعویذ نویسی:۔ اخیر دور میں جن لوگوں نے حضرت مفتی اعظم ہند کی زیارت کی انہوں نے تعویذ لکھتے ہی دیکھا ہے۔ ابتداء میں ہم لوگوں کو بھی اس پر تعجب ہوا اور حیرت بھی۔ اس شغل میں حضرت کو محنت بھی بہت کرنی پڑتی اور سارا وقت اسی میں صرف ہو جاتا۔ پھر خود بھی فرماتے تعویذ والوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے کسی کا کام نہیں رکھا۔ آنے والے جانے والوں سے بات چیت بھی نہیں کر سکتا۔ مہمانوں کے پاس بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ کبھی تعویذ والے دیر میں بارہ بجے ایک بجے دن میں آتے تو فرماتے یہ کوئی وقت تعویذ لینے کا ہے۔ حاجت مند عرض کرتے کہ فلاں کام میں پھنسا تھا۔ عورتیں عرض کرتیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں کھانا پکا کر انہیں کھلا کر آئی ہوں۔ اس پر ارشاد فرماتے: اور جس کے پاس آئی ہو وہ بھوت ہے یا فرشتہ کہ نہ کھانا کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ نہ اسے آرام کی ضرورت ہے۔ کبھی بھیڑ زیادہ ہو جاتی ہے۔ بچے شور مچاتے تو جلال میں فرماتے کہ پیر بھوڑا کا میلہ بنا رکھا ہے۔ دیکھو چلے آ رہے ہیں، گرمیوں میں آٹھ بجے بیٹھک میں تشریف

لاتے اور کبھی کبھی دو بج جاتے۔مگر جب تک تمام حاضرین کو اپنی عادت کے مطابق پورا تعویذ عنایت نہ فرما لیتے دوپہر کا کھانا تناول نہ فرماتے۔خادمہ آکر بار بار عرض کرتی کھانا کھالیں مگر جب تک تمام حاجت مندوں کو تعویذ نہ دے لیتے کھانا تناول نہ فرماتے۔

پھر حال یہ تھا کہ تین تعویذ سے کم کسی کو عنایت نہیں فرماتے۔ایک عمر بھر پہنے رہنے کا ایک بھوت، پری، آسیب وغیرہ اتارنے کا۔ایک خاص اس مرض کا۔مقدمے والا آتا تو ایک ٹوپی کا، ایک گلے کا، ایک حاکم کے سامنے جائے تو چٹکی میں دبانے کا۔

کس میں ہمت تھی کہ اس میں دخل دیتا۔لیکن ہوتا یہ کہ حضرت ہیں تو تعویذ والوں کا مجمع ہے ورنہ میدان صاف۔رات میں حضرت کہیں باہر تشریف لے گئے تو صبح کو سناٹا۔ اور پھر رات میں واپس آگئے تو پھر وہی مجمع۔اس کو ہم حضار نے بار بار دیکھا۔حیرت میں رہتے کہ کس نے حاجت مندوں سے کہہ دیا کہ حضرت باہر ہیں۔اور رات میں آئے تو کس نے بتادیا کہ آگئے اب ہم لوگوں کو یقین ہوگیا کہ یہ من جانب اللہ ہے۔اس نکتے پر آکر ہم لوگ بالکل خاموش ہوگئے۔خود ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کچھ اللہ والے اپنی کرامتوں کو دوا اور تعویذ میں چھپاتے ہیں۔اس سلسلے میں سرکار سید حمزہ مارہروی قدس سرہ کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مریض دعا کے لئے حاضر ہوا۔حضرت نے اسے ایک دوا کا نسخہ عنایت فرمایا۔مدت کا مریض ایک خوراک میں ٹھیک ہوگیا۔حضرت نے اپنی کرامت دوا میں چھپالی۔یہی حال حضرت مفتی اعظم ہند کا تھا کہ وہ اپنی کرامتوں کو تعویذ کے پردے میں چھپائے ہوئے تھے جس کی دلیل یہی ہے کہ تعویذات بہت سے لوگ لکھتے ہیں مگر فائدہ نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ ہم سب نے ہمت کر کے عرض کیا کہ حضور والا پریس کے چکنے کاغذ پر اپنے دست مبارک سے تعویذ لکھ دیں اسے چھپوا لیا جائے تو کچھ زحمت کم ہوجائے گی۔فرمایا کون میرے لئے روشنائی لائے گا، کاغذ لائے گا پھر مجھے فرصت کہاں کہ سب تعویذیں اس

کاغذ پر لکھوں۔

کچھ دنوں بعد پیلی بھیت جناب حافظ عمران اپنی گیارہویں شریف کی مجلس کی دعوت کے لئے حاضر ہوئے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ میرا یہ پروگرام ہے کہ پہلے کاغذ پر تعویذات حضرت سے لکھوا کر چھپوائے جائیں۔ یہاں بریلی شریف میں موقع ملنا مشکل ہے۔ آپ پیلی بھیت میں ایسا انتظام کریں کہ بھیڑ جمع نہ ہو۔ حضرت کو تنہائی نصیب ہو جائے انہوں نے بڑی خوشی سے اس کو منظور کیا۔

پیلی بھیت جانے سے پہلے جناب اشہر کاتب صاحب سے کاغذ بنوایا اور روشنائی اور قلم لیا اور ساتھ میں سب کچھ لے کر پیلی بھیت گئے۔ دوسرے دن ایک صاحب کے مکان میں حضرت کو ٹھہرایا گیا۔ میں نے کاغذ روشنائی اور قلم پیش کیا اور عرض کیا کہ حضور آج یہاں تنہائی رہے گی۔ کوئی نہیں آئے گا۔ سب تعویذ اس پر تحریر فرما دیں کہ چھپوا لئے جائیں۔ فرمایا رکھ دیجئے صبح سے عصر کے وقت تک قیام رہا۔ مگر کوئی تعویذ اس پر نہیں لکھا۔ صاحب خانہ سے گزارش کر دی گئی تھی کہ آپ کسی تعویذ کا سوال نہ کریں۔ انہوں نے اس کی بھرلی۔

مگر حضرت ان سے باتیں کرنے لگے اور ایسی دلچسپ اور طویل کہ دوپہر کے کھانے کا وقت آ گیا۔ حضرت استنجاء کے لئے تشریف لے گئے تو صاحب خانہ نے مجھ سے کہا : مجھے چند تعویذوں کی شدید ضرورت تھی مگر آپ کے منع کرنے پر میں نے کچھ نہیں کہا۔ حضرت نے اس کاغذ پر بھی تعویذ نہیں لکھے۔ اب آپ کیا کہتے ہیں۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ اب آپ جو چاہیں ضرورت ہو عرض کریں۔ میں اپنے مقصد میں ناکام رہا۔

پھر تعویذوں کی طلب صرف جاننے والے پہچاننے والے ہی نہ کرتے۔ بسا اوقات اجنبی انسان بلا کسی تحریک کے تعویذ مانگ بیٹھتا۔ ایک دفعہ پورنیہ سے واپسی پر حاجی پور اسٹیشن پر ایک ہندو اسی ڈبے میں سوار ہوا اس نے حضرت کو دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔ بہت دیر

تک دیکھتا رہا پھر قدم چوما اور عرض کیا۔ میرا بیٹا بیمار ہے ایک تعویذ لکھ دیجئے۔ فرمایا چلتی ٹرین میں کیسے لکھوں چلو سون پور میں لکھ دوں گا۔ پھر سون پور اسٹیشن پر گاڑی رکی تو اسے تعویذ لکھ کر دیا۔

پھر تعویذ کے اثرات عجیب عجیب طرح مرتب ہوتے۔ جو سمجھ سے باہر تھے۔ ایک دن ایک بس کنڈیکٹر آیا۔ حضرت باہر تشریف لے گئے تھے۔ اس نے مجھ سے کہا میں معطل ہو گیا ہوں۔ دوبارہ بحالی کے لئے حضرت سے تعویذ لے گیا تھا اور آج فیصلے کی تاریخ ہے اور رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر حضرت سے پوچھنے آیا تھا۔ اب حضرت نہیں تو آپ ہی تعبیر بتا دیجئے۔ بغیر کسی وقفے کے اس نے کہنا شروع کیا۔ کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک اجلاس ہے جس کے حاکم حضرت مفتی اعظم ہیں۔ پیش کار مقدمات کی مسلیں پیش کرتا جاتا ہے۔ حضرت سب پر حکم لکھتے جاتے ہیں۔ پیش کار نے جب میری مسل پیش کی تو حضرت نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور حکم لکھے بغیر مسل رکھ دی۔ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے۔ حضرت نہیں آپ ہی بتائیے۔ میرا اپنا یہ حال ہے کہ تعبیر بتانا تو دور کی بات ہے خواب سنتے ہی وحشت ہوتی ہے میں نے معذرت کر دی کہ میں تعبیر نہیں جانتا۔ اس پر اس نے کہا: میرے ذہن میں ایک تعبیر یہ آئی ہے کہ آج اس کورٹ سے میری سزا ہوگی۔ مگر اپیل میں بے داغ باعزت بری ہو جاؤں گا۔

اس نے بعد مغرب آ کر بتایا کہ ہوا یہی ہے کہ حاکم نے سزا کر دی ہے۔ میں ضمانت پر ہوں۔ مگر مجھے یقین ہے کہ اپیل میں باعزت بے داغ بری ہوں گا۔ یہ کنڈیکٹر برابر آتا جاتا تھا۔ دو سال کے بعد اپیل کا فیصلہ ہوا وہ باعزت بے داغ بری بھی ہوا۔ ملازمت بھی بحال رہی اور تعطل کے ایام کے مشاہرے کا بھی اس کا حق ملا۔

اسی طرح اندور میں گونڈل کے حضرات کی ایک دکان تھی جو تقسیم ہند سے پہلے خوب

چلتی تھی۔ تقسیم ہند کے بعد جب تعصب کا دور دورہ ہوا تو دکان بالکل بند ہوگئی۔ حتیٰ کہ مال خراب ہونے لگا۔ سامان پر پھپھوند جم گئی۔ گھبرا کر مالک دوکان نے بیچنے کا تہیہ کر لیا۔ اور گاہکوں سے بات چیت بھی شروع کر دی تھی۔ اسی اثناء میں حضرت مفتی اعظم اندور تشریف لے گئے۔ وہ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت نے خیریت دریافت کی تو انہوں نے سارا ماجرا عرض کر دیا۔ ان کی سرگزشت سن کر کچھ خاموش رہے۔ پھر فرمایا: دوکان آپ ہرگز نہ بیچیں میں کل آپ کی دوکان میں چلوں گا۔ حسب ارشاد ان کی دوکان پر تشریف لے گئے۔ وہاں نماز پڑھی کچھ وظیفہ پڑھا۔ پانی پر دم کر کے پوری دوکان میں چھڑکوایا۔ اور ایک بہت ہی خوبصورت کئی تعویذوں کا مجموعہ تعویذ دکان میں لگانے کے لئے دیا۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں بعد ان کی دکان پہلے کی طرح چلنے لگی۔ یہ سب تفصیلات مالک دوکان نے خود مجھ سے بلا واسطہ بیان کی ہیں۔ تعویذوں کے فوائد کے واقعات جمع کئے جائیں تو صرف ان سے دفتر تیار ہو جائے گا۔

میں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا ہے۔ ان سب غور کرتا رہا۔ بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ حضور مفتی اعظم ہند من جانب اللہ اس کے مامور ہیں۔ اس میں متعدد فوائد ہیں۔ اوّل اب عوام میں خود غرضی بڑھ گئی ہے۔ علم و فضل، زہد و ورع کی طرف رغبت معدوم ہے۔ ہاں جس سے کام نکلتا ہے اس کے لوگ گرویدہ ہو جاتے ہیں اور عوام کے دین و ایمان کی صیانت اسی میں ہے کہ وہ کسی دینی پیشوا سے متعلق رہیں۔ اس لئے تعویذوں کا سلسلہ ضروری تھا۔ ثانیاً خدمت خلق بہت اہم عبادت ہے۔ حدیث میں فرمایا:

خیر الناس من ینفع الناس: سب سے اچھا وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔ ایک اور حدیث یاد پڑتی ہے کہ فرمایا: اللہ عزوجل کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو لوگوں کی حوائج کا اسے مرجع بنا دیتا ہے۔ جن جن کی مرادیں پوری ہوں گی وہ سب زندگی بھر دعائے خیر کرتے رہیں گے۔ اور مسلمانوں کی دعا خیر بہت عظیم نعمت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انتم شہداء اللہ فی الارض ۔تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو مشہور ہے۔ زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو۔ ثالثاً: حضرت مفتی اعظم ہند کے تمام تعویذات اسماء الٰہیہ آیات قرآنیہ کلمات دعائیہ پر مشتمل ہوتے اس طرح تعویذ لکھنے میں ذکر الٰہی بھی ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے القلم احدی السانین ۔تعویذ نویسی، حقیقت میں ذکر الٰہی ہوا کرتا تھا۔

ایک مغالطے کا ازالہ: حضرت مفتی اعظم ہند تہجد، اشراق، چاشت اوابین وغیرہ نفل نمازوں کے عادی نہ تھے۔ نہ گھر ادا فرماتے نہ مریدوں کے گھر۔ کبھی تسبیح نہیں رکھتے اور تسبیح پر وظائف نہ پڑھتے ۔ صرف فرائض واجبات، سنن پر اکتفا فرماتے اور ہر نماز کے بعد مختصر وظیفہ انگلیوں پر پڑھتے ۔ جبکہ آج کل بزرگی کا معیار نوافل کی زیادہ سے زیادہ ادائیگی اور ہر وقت ہاتھ میں تسبیح لے کر ہلاتے رہنا بلکہ گلے میں بھی دو ایک پہنے رہنا ہے۔

اسی سلسلے میں ایک واقعہ یہ ہے کہ مغربی دیناج پور اسلام پور کے علاقے میں ایک شخص نے حضرت کو مدعو کیا اور بہت اہتمام کیا۔ جب حضرت آرام کے لئے لیٹے تو وہ شخص رات بھر جاگتا رہا۔ حضرت نے وہاں بھی تہجد نہیں پڑھا۔ اذان فجر کے بعد جب میں نے حسب دستور حاضر ہو کر جگایا تو اٹھے اور اپنی عادت کے مطابق اسفار کے بعد باجماعت نماز فجر پڑھی۔ ناشتے کے بعد ہم لوگ وہاں سے رخصت ہو گئے ۔ سننے میں آیا کہ اس نے یہ کہنا شروع کیا: کہ بہت مشہور تھا کہ بہت بڑے بزرگ ہیں۔ میں نے تو ان میں بزرگی کی کوئی بات نہ دیکھی ۔ انہوں نے تہجد تک نہیں پڑھا۔ وہ عتاب کا شکار ہوا۔ اس کے گھر میں آگ لگ گئی سارا گھر اور سامان مال، متاع جل گیا۔ ہزاروں کے نوٹ گھر میں تھے جل کر راکھ ہو گئے ۔صرف بدن کے کپڑے بچے۔ اس تباہی سے وہ نیم پاگل ہو گیا۔ اطراف کے علماء نے اسے تنبیہ کی کہ تو نے ایک عارف کامل کی شان میں گستاخی کی ہے اسی کی سزا

ہے۔اب اسے ہوش آ گیا۔مگر کیا کرتا۔دل ہی دل میں توبہ کی عاجزی وزاری کی۔

اتفاق کہ سال بھر کے بعد جب مفتی اعظم ہند اس اطراف میں تشریف لے گئے تو اس نے حاضر ہو کر معافی مانگی اور حضرت کو پھر اپنے گھر لے گیا اور مرید ہوا اب وہ ایک خوشحال فرد ہے اس قسم کے اور بھی واقعات ہوئے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک اہم نکتہ ناظرین ذہن نشین کر لیں۔نوافل، تہجد، اشراق وغیرہ پڑھنے والے اور ہر وقت تسبیح ہاتھ میں لیکر وظیفہ کرنے والے کو اکثر خود بھی یہ خبط سوار ہو جاتا ہے کہ ہم اللہ کے ولی ہیں۔اور دیکھنے والے بھی بہت جلد یقین کر لیتے ہیں کہ یہ تہجد گذار، اشراق کا پابند ہر وقت اللہ اللہ کرنے والا پہنچا ہوا ولی ہے۔

لیکن جو لوگ حضرت مفتی اعظم ہند کی طرح فرائض وواجبات، سنن، مستحبات کے ہر معاملے میں پابند اور نواہی سے بالکلیہ محترز رہتے ہیں اور غیر محسوس طریقے پر یاد الٰہی میں مصروف رہتے ہیں وہ خود بھی عجب کے شکار ہو کر اس فریب میں گرفتار نہیں ہوتے کہ ہم اللہ کے ولی ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکا نہیں ہوتا۔

اور وصول الی اللہ میں سب سے بڑا حجاب عجب ریا تکبّر نفس ہے۔عوام کا فریب سم قاتل ہے۔اسی لئے ہمارے مشائخ قادریہ نے اس دوسرے طریقے کو اپنایا کیونکہ اسی میں سلامتی اور منزل تک رسائی یقینی ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تہجد واشراق ذکر واذکار کو اہمیت نہیں دیتا۔یا ان کے فضائل کا منکر ہوں۔میں وصول الی اللہ کے دو طریقوں میں سے افضل، احسن، اسلم طریقے کی بات کر رہا ہوں۔

اس کو یوں حل کیجئے کہ میں تمام یاران نکتہ داں سے سوال کرتا ہوں کہ حضرت مفتی اعظم ہند نے جو طریقہ اپنایا کہ فرائض وواجبات پر ہر معاملے میں پابندی محرمات بلکہ مکروہات سے بالکلیہ اجتناب اور اپنا پورا وقت مخلوق کی حاجت روائی اور ذکر الٰہی اور فتویٰ

نویسی اور مفتیوں کی اصلاح وتربیت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں زندگی بسر فرمائی۔ یہ افضل ہے۔ یا فرائض وواجبات سنن میں تساہلی، محرمات ومکروہات کے ارتکاب میں لاابالی پن مگر تہجد اشراق ذکر اوراذ کار میں مصروفیت اور خود کو ولی سمجھنا اور دوسرے کو ولی سمجھانا افضل ہے۔اس کا فیصلہ ناظرین پر ہے۔

روحانیت:۔ اس سلسلے میں عوام وخواص میں بہت سے واقعات مشہور ومعروف ہیں۔جن کے اعادے کی ضرورت نہیں۔میں صرف دو واقعے تحریر کررہا ہوں۔جواب تک سپرد قلم نہیں ہوئے ہیں۔

(۱) ایک سال بریلی شریف کے ایک حاجی صاحب حج سے واپس آئے تو لوگوں سے دریافت کیا کہ حضرت مفتی اعظم ہند کب حج کے لئے گئے تھے اور واپس ہوئے یا نہیں۔لوگوں نے انہیں بتایا کہ حضرت مفتی اعظم امسال حج کے لئے نہیں گئے تھے۔ انہوں نے عیدگاہ میں عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھائی ہے میں نے خود پڑھی۔سب حاضرین نے متفق اللفظ ہوکر یہی بتایا۔انہوں نے حیرت سے کہا: آپ لوگ کیسی باتیں کررہے ہیں۔ میں نے ان کوطواف کرتے دیکھا ہے۔مسجد حرام میں، منیٰ میں، عرفات میں اوران سے ملاقات کی ہے۔مدینہ منورہ مسجد نبوی میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔مواجہ اقدس میں سلام عرض کرتے ہوئے دیکھا ہے۔یہ سن کر سارے حاضرین دم بخود رہ گئے۔لیکن سب نے پھر یہی کہا کہ تمہیں دھوکا ہوا ہوگا۔حضرت تو امسال دولت کدہ ہی پر رہے۔حج کے لئے نہیں گئے تھے۔مگر انہوں نے پھر بتاکید کہا دھوکا کیسا میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان سے وہاں ملاقات کی ہے ان کی دست بوسی کی بات چیت کی اول بلا کسی شبہ مسجد نبوی اور مواجہ اقدس میں دیکھا ہے۔اس کا عام چرچا ہوا سب نے ان حاجی صاحب کو یہی بتایا کہ تم جو کہتے ہو سچ ہے مگر حضرت امسال حج کے لئے نہیں گئے تھے حاجی صاحب نے خود یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا اور بھی بہت سے لوگوں سے بیان کیا۔

یہ حاجی صاحب جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت نے انہیں بہت پیار سے دیکھا جاں نواز انداز میں مسکرائے اور حسب عادت ان کے قدم اور آنکھوں کو بوسے دیئے۔ حاجی صاحب دم بخود بیٹھے ٹکٹکی باندھے حضرت کو دیکھتے رہے۔ کچھ دیر بعد حضرت ان سے مخاطب ہوئے اور حرمین طیبین کے حالات پوچھتے رہے۔ اور ایک بار بڑے محبت آمیز لہجے میں فرمایا: حاجی صاحب ہر بات بیان کرنے کی نہیں ہوتی اس کا خیال رکھئے گا۔ اسی سے متاثر ہو کر یہ حاجی صاحب مرید ہو گئے۔

(۲) پہلے عرس رضوی کی ساری تقریبات درگاہ رضوی کی چھت پر ادا ہوتی تھیں جس سے اترنے کے لئے صرف ایک زینہ تھا۔ قل کے وقت بے پناہ اژدہام ہوتا تھا۔ قل ختم ہونے کے کم از کم ایک گھنٹے بعد حضرت مفتی اعظم اوپر سے اتر پاتے تھے۔ مگر ایک سال کے قل کے پندرہ منٹ بعد ہم بہت سے لوگوں نے دیکھا کہ حضرت نیچے تشریف لے آئے اور کاشانۂ مبارک میں تشریف لے گئے۔ میں مسجد رضوی کے دروازے پر کھڑا تھا کہ ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت اوپر سے تشریف لے آئے ہیں میں نے انہیں بتایا جی ہاں دولت خانے میں تشریف لے گئے ہیں۔ وہ حضرت کی بیٹھک میں تشریف لے گئے مگر بیٹھک میں حضرت تشریف فرما نہ تھے۔ انہوں نے کچھ دیر انتظار کیا مگر حضرت اندر سے تشریف نہیں لائے پھر میرے پاس آئے کہ حضرت کہاں ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ اندر کسی ضرورت سے تشریف رکھتے ہوں گے۔ ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یہ دیکھا گیا کہ حضرت درگاہ شریف کی چھت سے نیچے تشریف رکھتے ہوں گے۔ ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یہ دیکھا گیا کہ حضرت درگاہ شریف کی چھت سے نیچے تشریف لائے۔ انہوں نے مجھے گھور کر دیکھا۔ انہوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہوگا۔ تو حضرت کے ساتھ بیٹھک میں چلے گئے۔ اور میں سوچتا رہ گیا کہ معاملہ کیا ہے؟ بہت دیر تک میں سکتے میں کھڑا رہا۔ پھر وہ لوگ جنہوں نے پہلی بار اترتے دیکھا تھا، میرے پاس آئے اور کہنے لگے: ہم لوگوں کا

دماغ پھٹ جائے گا۔ یہ معاملہ کیا ہے۔ میں نے ان کو سمجھانے کے لئے کہا کہ یہ سرکار غوث اعظم کا کرم ہے کہ اپنی کرامت اپنے نائب کو عطا فرمائی۔

جونا گڑھ کاٹھیاواڑ کے حاجی محمد ابراہیم مارفانی مرحوم نے بتایا کہ مجھے کسی سے مرید ہونے کا شوق زمانے سے تھا۔ پیر کی تلاش میں رہتا۔ جس پیر کی کاٹھیاواڑ میں آمد کی خبر سنتا ان کی خدمت میں حاضر ہوتا مگر کسی سے دل نہ بھرتا۔ ایک دفعہ سوتے وقت یہ شوق والہانہ انداز میں بیدار ہوا۔ اور مجھ پر رقت طاری ہوگئی۔ روتے روتے میں نے عرض کیا کہ الٰہی مجھے کوئی پیر کامل عطا فرما۔ اسی حالت میں سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ صورت انسان دوسرے بزرگ کو دکھا کر فرماتے ہیں کہ تیرے پیر یہ ہیں۔ اچھی طرح دیکھ لے۔ حاجی ابراہیم نے بتایا کہ اس تنبیہہ پر میں نے بہت غور سے ان بزرگ کو دیکھا اور ان کے حلیۂ جمال کا ہر نقش دل پر کالحجر کرلیا۔ پھر آنکھ کھل گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ اب میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ یہ بزرگ کون ہیں کہاں کے باشندے ہیں کیا نام ہے۔ کچھ پتہ نہیں۔ ڈھونڈوں تو کیسے ڈھونڈوں۔ کہاں ڈھونڈوں۔ اب میرا شوق دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا۔ اور پورے کاٹھیاواڑ سے مضبوط رابطہ قائم کرلیا۔ کہ جو بھی پیر آئے مجھے خبر کرانا پیر آتے رہے جاتے رہے مگر میرا پیر کوئی نظر نہ آیا۔ اجمیر مقدس حاضر ہوا وہاں بھی پوچھ پوچھ کر ہر حاضر ہونے والے پیر کو دیکھا مگر میرا قبلہ مقصود کوئی نہ تھا۔

بالآخر یہ خبر ملی کہ مفتی اعظم ہند دھوراجی فلاں تاریخ آرہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ شائبہ بھی نہ تھا کہ یہی وہ بزرگ ہوں گے۔ مفتی اور پیر یہ اس وقت میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ لیکن چونکہ مجدد اعظم اعلیٰحضرت قدس سرہ کا معتقد تھا اس لئے اس ناطے چلو ان کے وارث ان کے فرزند کی زیارت کرلوں۔ خواب میں جسے میرے پیر بتایا گیا تھا وہ مفتی اعظم ہند کی شکل میں میرے سامنے جلوہ گر تھا۔ کچھ حیرت و استعجاب فرحت انبساط کی ملی جلی کیفیت میں دم بخود کھڑا امراۃ جمال غوث اعظم کو تکتا رہا۔ جب قوی قابو

میں آئے تو قریب پہنچ کر قدموں میں گر پڑا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اپنے دست مبارک سے میرے سر کو پکڑ کر قدموں سے ہٹاتے رہے، فرماتے رہے یہ کیا کر رہے ہو۔

جب آنسو کے ساتھ طوفان شوق تھما تو پہلی درخواست یہی پیش کی کہ مجھے مرید فرما لیں۔ جو بلا تاخیر قبول ہوئی۔ اس سفر میں علاقہ کاٹھیاواڑ میں حضرت مفتی اعظم کے پہلے مرید حاجی ابراہیم مارفانی مرحوم تھے۔

قابل تنقید روایات:۔ غلو و افراط میں بہہ کر مفتی اعظم ہند کے حالات میں بعض غلط بلکہ قابل اعتراض روایات بھی لوگوں نے لکھ دی ہیں جو کسی وقت مخالفین کی نظر میں آسکتی ہیں اور ہمیں رسوائی ہو سکتی ہے۔ اس لئے ان کی نشاندہی کرنی ضروری ہے۔

اول:۔ تاریخ ولادت بعض سوانح نگاروں نے ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۰ھ لکھا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ خود حضرت مفتی اعظم ہند نے اپنی تاریخ ولادت ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ بتائی ہے۔ خود مفتی اعظم ہند سے یہ سننے والے آج بھی اتنے موجود ہیں کہ ان سب کو غلط بیان نہیں کہا جا سکتا۔ ایک شہرت یہ ہے کہ مفتی اعظم کا تاریخی نام محمد ہے اس طرح کہ سال ولادت ۱۸۹۲ء ہے اور بہ حذف صدی ۹۲ کا عدد آتا ہے مگر قواعد اس کی تائید نہیں کرتے۔ سن ہجری وعیسوی میں تطابق کے جتنے قاعدے ہیں کسی قاعدے سے تطابق نہیں ہوتا۔ ہر قاعدے سے سال عیسوی ۱۸۹۳ء آتا ہے۔ نہ معلوم کیسے اسے شہرت ہوگئی۔ بہر حال ۱۸۹۲ء درست نہیں اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ:

''الملفوظ'' میں اعلیٰحضرت کا یہ ارشاد تو مذکور ہے کہ میرے بڑے بیٹے حامد رضا کا تاریخ نام محمد ہے ان کا سال ولادت ۱۲۹۲ھ ہے۔ مقام اس کا مقتضی تھا کہ اگر واقعۃً حضرت مفتی اعظم ہند کا نام نامی محمد بھی تاریخی ہوتا تو اس کا تذکرہ بھی ضرور فرماتے۔ خصوصاً جبکہ وہی جامع ملفوظات ہیں۔

ثانی:۔ اسی طرح کسی نے یہ اڑا دیا کہ حضرت کی ولادت کے موقع پر حضرت مولانا رحم

الٰہی صاحب منگلوری مرحوم نے یہ شعر تاریخ ولادت پر مشتمل اعلیٰ حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔

''طبیب دین احمد مجدّ د ابن مجدد اعظم''

اس روایت کو ہمارے ذمہ دار وغیر ذمہ دار سبھی افراد نے بلا تحقیق بیان کرنا شروع کردیا کسی نے یہ بھی تکلیف نہیں کی کہ اس کے اعداد ہی جوڑ لیتے ناظرین کو حیرت ہوگی کہ اس کے اعداد ۱۳۰۶ ہیں ۔ یہ روایت کسی مخالف نے گڑھی ہے ۔ اس میں ایک طرف حضرت مفتی اعظم کے استاد جناب مولانا رحم الٰہی صاحب پر زد پڑتی ہے تو دوسری طرف خود اعلیٰحضرت قدس سرہ کی شخصیت مجروح ہوتی ہے ۔ اسے کسی نے نہیں سوچا بس اندھا دھند نقل کرنا شروع کردیا۔ ۱۳۱۰ھ تک کسی نے اعلیٰحضرت قدس سرہ کو مجدد نہیں کہا تھا (چہ جائیکہ مجدد اعظم)

ثالث :۔ اسی طرح عام طور پر یہ مشہور کردیا کہ حضرت مفتی اعظم ہند نے پہلا حج اعلیٰحضرت قدس سرہ کے ساتھ ۱۳۲۴ھ میں کیا ہے یہ بھی صحیح نہیں اعلیٰحضرت قدس سرہ کے ہمراہ اس حج میں خلف اکبر حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے ۔ حضرت مفتی اعظم نے پہلا حج ۱۹۴۵ء میں دوسرا ۱۹۴۸ء میں اور تیسرا ۱۹۷۱ء میں فوٹو کی قید کے بعد بلا فوٹو کیا ہے ۔

رابع : صحیح یہ ہے کہ اعلیٰحضرت قدس سرہ نے مرکزی دارالقضاء کا قاضی صرف حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ کو بنایا۔ حضرت مفتی اعظم ہند اور برہان ملت کو ان کا معین اور مفتی بنایا تھا۔ جیسا استقامت کے مفتی اعظم نمبر میں خود حضرت برہان ملت کا تفصیلی بیان مذکور ہے ۔ مگر کچھ لوگوں نے حضرت مفتی اعظم کو قاضی لکھ دیا۔ اور تقریروں میں بیان کرنا شروع کردیا۔

خامس :۔ حضرت مفتی اعظم کی بعض تصانیف کے دو نام ہیں ۔ مثلاً الموت الاحمر کا دوسرا نام

ہشتاد بید و بند بر مکاری دیوبند" بھی ہے۔ کثرت تصانیف دکھانے کے شوق میں اسے دو کتابیں شمار کر دیں اب ہم کس کا منہ پکڑیں جو یہ کہدے کہ حضرت مفتی اعظم کے سوانح نگار اتنے جاہل ہیں کہ انہیں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں یا دو کتابیں۔

سادس:۔ کسی نے فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی ترتیب بھی حضرت مفتی اعظم ہند کی طرف منسوب کر دی۔ جب کہ یہ تمام حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کا ہے۔ حضرت صدر الشریعہ نے خود مجھ سے بیان فرمایا: "جب میں اجمیر شریف جانے لگا تو کچھ کاغذ مطبع اہل سنت میں موجود تھا میں نے جلدی جلدی فتاویٰ رضویہ جلد دوم کو مرتب کیا اور چھپوا دیا۔ عجلت میں نہ فہرست بنا سکا اور نہ فوائد لکھ سکا۔ ٹائٹل رہ گیا۔ جسے حضرت جیلانی میاں نے چھپوا کر اس کے ساتھ لگا دیا"۔

ان لوگوں پر حیرت ہے فتاویٰ رضویہ جلد دوم کی ترتیب سے کہیں اہم و اعظم فتاویٰ رضویہ کتاب النکاح کی ترتیب اور اس کی فہرست اور اس کے فوائد ہیں۔ پھر کتابت و طباعت اتنی شاندار، دیدہ زیب خوشنما اور عمدہ کہ آج کی فوٹو آفسیٹ کی طباعت بھی ہیچ ہے۔ کاغذ اعلیٰ چکنا ولایتی میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ اعلیٰحضرت قدس سرہ کی کوئی تصنیف اتنی عمدہ اس وقت تک نہیں چھپی تھی۔ تصحیح ایسی کہ اب تک مجھے اس میں کوئی غلطی نہیں ملی۔ اسے کوئی ذکر بھی نہیں کرتا یہ کتنی قابل افسوس بات ہے۔

فتنۂ ارتداد:۔ ۱۹۲۰ء بلکہ ایک دو سال پہلے سے ہندستان سخت سیاسی کش مکش میں مبتلا تھا۔ کانگریس ہندو اور مسلمانوں کی متحد قوت سے انگریزوں پر ضربیں لگا رہی تھی۔ خلافت کمیٹی کے کانگریس میں انضمام کے بعد کانگریس ناقابل تسخیر قوت بن چکی تھی۔ مسلمان اپنے انجام سے بے خبر کانگریس کے دیوانہ وار شریک تھے۔ اور مسلم لیڈران تو لیڈران علماء نے آنکھ بند کر کے کانگریسی رہنماؤں کی تقلید جامد کر لی تھی۔ حتیٰ کہ ایک عالم نے کانگریسی رہنما کے بارے میں یہ تک فرما دیا:

عمرے کہ بآیات و احادیث گذشت
رفتی و نثار بت پرستی کردی

کسی مسلمان کو اپنے انجام کی خبر نہ تھی۔ کسی نے یہ سوچنے سمجھنے کی زحمت تک نہ کی کہ کانگریس کا مقصد کیا ہے۔ حتّٰی کہ دیوبند کے صدر مدرس مولوی محمود حسن نے بھی کانگریس کے استھان پر اپنے تقدس کی بھینٹ چڑھا دی۔

مجدد اعظم اعلیٰحضرت قدس سرہ سے رہا نہ گیا اور سچے نائب رسول اور وقت کے مجدّد ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کو کانگریس سے بچانے کی انتھک کوششیں کیں جن کی دلیل اس وقت کے رسائل اور اشتہارات اور اجلاس شاہد ہیں۔ واشگاف الفاظ میں مسلمانوں کو بتایا کہ کانگریس کا مقصد تمہیں ہندوؤں کا غلام بنانا ہے اس وقت کے رسائل اور اشتہارات پڑھیے آپ کو واضح غیر مبہم الفاظ میں ان سب خطروں کی نشاندہی ملے گی جو آج مسلمانوں کے مقدر بن چکے ہیں جو مسلسل چالیس سال سے پولیس ایکشن کے ذریعے مسلمانو کے قتل عام اموال کی لوٹ کھسوٹ اور شہری حقوق سے مسلسل محرومی کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

میرٹھ، ملیانہ، بھاگلپور، کرنیل گنج، نجیب آباد، بنارس وغیرہ میں جو پولیس ایکشن ہوا ان سب کی آگاہی پہلے ہی دے چکے تھے۔ مسلم لیگ نے تو مطالبۂ پاکستان بہت بعد میں کیا۔ اعلیٰحضرت قدس سرہ نے برسوں پہلے اس کا اشارہ کر دیا اور اس کے مضر اثرات بیان فرما دیئے اس سلسلے میں حضرت مفتی اعظم ہند والد ماجد کے دوش بدوش رہے۔ اس سلسلے میں مفتی اعظم ہند کی تصنیفات طرق الہدیٰ والارشاد وغیرہ کا مطالعہ کریں تو آپ لوگوں کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

نام نہاد مسلمان اتنے اندھے بہرے ہو چکے تھے کہ ایک انتہائی بدباطن کانگریس لیڈر کو جامع مسجد کے منبر پر بٹھایا اور اس سے بھاشن دلوایا۔ انگریز کانگریس کے اس زور شور

سے گھبرا اٹھا تھا۔ ایک بہانے سے اسی لیڈر کو گرفتار کیا۔ اور جیل میں لی جا کر شیشے میں اتارا اور پھر رہا کر دیا۔ اس نے جیل سے نکل کر مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک شدھی سنگھٹن کی تحریک چلائی۔ ہندو پونجی پتیوں نے اپنی تجوریوں کے منھ کھول دیئے۔ وہ بڑے ساز و سامان کے ساتھ مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لئے نکلا۔ عمدہ سے عمدہ باجے اچھے سے اچھے گانے والی خوبصورت پری پیکر لڑکیوں کے جھنڈ کے ساتھ گھومنے پھرنے لگا۔

اس وقت کی مسلمانوں کی ساری تنظیمیں خاموش تھیں۔ تمام خانقاہوں پر جمود طاری تھا۔ سارے مسلمانوں کے مقتدا بننے والے چپ سادھے تھے۔ مگر مجدد اعظم کے وارث علم و فضل حضرت مفتی اعظم سے رہا نہ گیا۔ تن بتقدیر یکہ و تنہا چند اپنے رفقاء کو لیکر اس طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے نکل پڑے۔ چونکہ اس فتنے کا زور نواح آگرہ میں بہت تھا اس لئے آگرہ کو مرکز بنا کر دیہاتوں کا پیادہ دورہ شروع کر دیا۔ جب اطلاع ملتی کہ وہ لیڈر فلاں جگہ گیا ہے، وہیں پہنچ جاتے۔ جگہ جگہ اس کا پیچھا کرتے۔ اور ساتھ ہی ساتھ بطور حفظ ما تقدم ان دیہاتوں میں بھی تشریف لے جاتے ابھی اس کا گزر نہیں ہوا تھا۔ ایک دو دن نہیں برسہا برس اس میں مصروف رہے۔ گرمی ہو یا جاڑا ہو برسات ہو کسی کی پرواہ نہیں کی۔ ناز و نعمت میں پلا ہوا ایک رئیس شہزادہ جو کبھی چند قدم پیدل نہ چلا ہو۔ میلوں پیدل چل رہا ہے۔ جاڑوں کی برفیلی ہوائیں گرمیوں کے لو کے جھکڑ سب کچھ سہتا ہے۔ بے پڑھے لکھے سیدھے سادھے مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے لئے جہد مسلسل میں مصروف ہے۔ پھولوں کی سیج پر سونے والا شہزادہ زمین کے فرش پر سو رہا ہے۔ نہ کھانے کی پرواہ نہ آرام کا خیال دھن ہے تو یہ کہ جس طرح ہو مسلمانوں کے ایمان کو بچایا جائے۔ کیا راہ خدا میں اس قسم کے جہاد مسلسل کی اس دور میں اور کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی اعظم کا اس ہولناک فتنۂ ارتداد کے مقابلے کا کارنامہ تاریخ اسلام کا وہ زریں باب ہے جو ہمیشہ درخشاں رہے گا۔ افسوس یہ ہے کہ اس کی تفاصیل

آج مل نہیں سکتیں۔ ورنہ دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی۔

صرف ایک واقعہ سن لیں، اطلاع ملی کہ آگرہ سے بیس میل کے فاصلہ پر فلاں گاؤں میں اس فتنہ پرور کا پاؤں جم گیا ہے اور وہاں کے مسلمان کچھ لالچ اور کچھ خوف کی وجہ سے مرتد ہونے کے لئے آمادہ ہورہے ہیں۔ اطلاع ملتے ہی حضرت شیر بیشۂ اہلسنت مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ اور ایک رفیق کو لے کر آگرہ سے چلے جہاں تک ریل تھی ریل سے گئے اسٹیشن سے پانچ میل دور وہ گاؤں تھا اور کوئی سواری نہیں تھی۔ یہ لوگ تیزی سے پیدل وہاں پہنچے۔ جا کر دیکھا کہ ایک مجمع اکٹھا ہے۔ آگ جل رہی ہے۔ گانا دھوم سے ہورہا ہے۔ متعدد حلوائی کڑھائیوں میں پوریاں چھان رہے ہیں اور کئی نائی استرہ قینچی لئے بیٹھے ہیں۔ ایک تخت پر وہ فتنہ پرداز بیٹھا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مجمع ان سب مسلمانوں کا ہے جو مرتد ہونے پر راضی ہیں اور انہیں ہندو بنانے کے لئے یہ جشن ہورہا ہے۔

یہ لوگ کسی خطرے کی پرواہ کئے بغیر مجمع کو چیرتے پھاڑتے اس فتنہ پرور کے پاس پہنچے۔ اس سے کہا کہ آؤ مناظرہ کرلو۔ اس نے صاف انکار کردیا۔ اور کہا کہ یہ لوگ ہندو ہونے پر راضی ہیں اب مناظرے کی ضرورت نہیں۔ اس پر حضرت شیر بیشۂ اہلسنت نے مجمع کے سامنے اسلام کی حقانیت اور بت پرستی کی تردید میں تقریر کی۔ مگر مجمع پر کوئی اثر نہ ہوا۔

حضرت مفتی اعظم ہند کی غیرت ملّی جوش پر آگئی۔ شیر بیشۂ اہلسنت سے فرمایا: کہ مجمع والوں سے کہئے کہ یہ پنڈت مناظرے پر آمادہ نہیں۔ تم لوگ ہماری بات نہیں مانتے تو تم سب لوگ اس پنڈت سے کہو کہ میرے ساتھ اپنی اس جلائی ہوئی آگ میں کود و۔ جو آگ سے زندہ بچ کر نکل آئے تم لوگ اس کا دین قبول کرلو۔ حضرت شیر بیشۂ اہلسنّت نے پوری گھن گرج کے ساتھ حضرت مفتی اعظم کے اس ارشاد کو ان دیہاتیوں تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد ایک جوش و سرمستی کے ساتھ حضرت مفتی اعظم ہند بڑھ کر اس لیڈر کے تخت پر چڑھ گئے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: چل ہم دونوں اس آگ میں کودیں، ہیبت حق سے وہ تھر تھر

کانپنے لگا اور مبہوت دم بخود رہ گیا۔

حضرت مفتی اعظم نے جوش میں آ کر اسے گھسیٹنا شروع کیا مگر وہ بہت موٹا تھا۔ ٹس سے مس نہ ہوا۔ کچھ دیر تک یہی ہوتا رہا۔ گانے والے گانا بھول گئے۔ حلوائیوں نے پوریاں چھاننی چھوڑ دیں۔ سارا مجمع ساکت و جامد دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس مجمع میں جو کھیا وغیرہ قسم کے تھے، تخت کے قریب آئے اور کہا: مولوی جی اسے چھوڑ دو اب ہماری سمجھ میں آ گیا ہے کہ تمہارا مذہب حق ہے اور اس کا دھرم باطل۔ ورنہ یہ آگ میں جانے سے نہ ڈرتا۔ اس کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند کے ہاتھوں پر سب نے توبہ کی، کلمہ پڑھا اور سچے پکے مسلمان ہو گئے۔ حضرت شیر بیشۂ اہلسنت نے وہیں اپنے انداز میں خطبہ پڑھا، نعت پڑھی اور تقریر فرمائی۔ اب مجھے کہنے دیجئے۔

اولٰئك ساداتی فجئنی بمثلهم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع
بس رہے تھے یہیں سلجوقی بھی تورانی بھی
اہل چین چین میں، ایران میں ایرانی بھی
پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے

قبول فی الخلق:۔ قبول فی الخلق اللہ عزوجل کا ایک عظیم عطیہ ہے جو وہ اپنے محبوبان بارگاہ کو عطا فرماتا ہے۔ ارشاد ہے۔

إن الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت سیجعل لهم الرحمٰن ودّا (مریم، آیت:۹۶) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے رحمٰن ان کے لئے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا فرما دے گا۔

اس کے علاوہ ارشاد ہے

لهم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ

''ان کے لئے دنیا کی زندگی اور آخرت میں بشریٰ ہے''۔

حضرت امام رازی نے فرمایا کہ بشریٰ سے مراد قبول فی الخلق ہے۔لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قبول فی الخلق اولیاء کرام ہی کے ساتھ خاص نہیں بہت سے عوام بلکہ فساق، بلکہ کفار مشرکین تک کو حاصل ہوتا ہے۔اسلئے ضروری ہے کہ محبوبان بارگاہ کو جو قبول عالم عطا ہوتا ہے اس میں اور فساد و فجار کے قبول عام میں کوئی مابہ الامتیاز خط فاصل ہو۔

اہل معرفت نے فرمایا کہ قبول فی الخلق کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ عوام سے شروع ہو اور عوام ہی تک محدود رہے۔ یا عوام کے بعد کچھ خواص میں بھی پیدا ہو جائے۔ یہ مقبولیت عنداللہ مقبول ہونے کی قطعی دلیل نہیں۔ یہی وہ مقبولیت ہے جو عوام کالانعام فساق فجار کفار کو بھی حاصل ہوتی ہے۔

دوسری وہ خواص سے شروع ہو اور پھر ان کے ذریعہ عوام تک پہنچے۔ یہ یقیناً رحمہ اللہ عزوجل کی بارگاہ قدس میں مقبول ہونے کی دلیل ہے۔اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ارشاد ہے: اللہ عزوجل جب کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اس سے حضرت جبریل کو آگاہ فرماتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ تم بھی اس بندے سے محبت کرو۔پھر تمام آسمان والوں کے دل میں اس بندے کی محبت ڈال دیتا ہے۔ پھر حکم دیتا ہے زمین والوں میں ندا کر دو یہ میرا محبوب بندہ ہے سب اس سے محبت کریں۔اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ پھر زمین والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ باشندگان ملاء اعلیٰ اور حضرت جبرئیل خواص ہی ہیں علاوہ ازیں حضرت جبرئیل ملک مقرب ہیں اس لئے ان کی ندا جس سے مراد القائی القلب ہے اور جبرئیل امین کا یہ القا خواص ہی کے قلوب میں ہوگا۔

ایک ۱۳۸۱ھ سے پہلے کا دوسرا۔اس کے بعد کا۔ یہ خادم شوال ۱۳۵۶ھ میں خدمت

اقدس میں خود حضرت کے ارشاد پر آستانۂ عالیہ پر دارالعلوم مظہر اسلام کی تدریسی خدمت کے لئے حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت کی مقبولیت صرف خواص تک محدود تھی۔ عوام میں وہ ہر دلعزیزی نہ تھی جو اس کے چند سالوں کے بعد پیدا ہوئی۔ اور دن بدن بڑھتی چلی گئی۔ رہ گئے خواص تو بلا استثناء تمام خواص حضرت مفتی اعظم ہند کے مقتدائے انام ہونے کے دل سے معترف تھے۔ خواص کا ایک فرد حضرت مفتی اعظم ہند کو وقت کا سب سے بڑا عالم، سب سے بڑا مفتی، سب سے بڑا فقیہ سب سے بڑا وارث نبی، سب سے بڑا عارف، سب سے بڑا حق آگاہ، سب سے بڑا ولی مانتا تھا۔

مگر اس کے باوجود عوام کا رابطہ بہت کم تھا اس لئے سفر برائے نام تھے۔ اور سفر میں بھی عوام کا رجوع برائے نام تھا۔ آپ لوگوں کو حیرت ہوگی کہ اس سال صرف ایک سفر فرمایا۔ بھروچ گجرات میں جماعت رضائے مصطفیٰ کی ایک بہت اہم تاریخی کانفرنس تھی جس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے جبل پور عرس سلامی میں شرکت کے لئے گئے اس وقت تک کے مریدین کی گنتی کی جائے تو افسوسناک حد تک کم ہوگی۔

لیکن ۱۳۸۱ھ کے بعد خواص کے ساتھ ساتھ عوام کا رجوع ایسا بڑھا کہ عقل دنگ رہ گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت مفتی اعظم ہند ایک شمع ہیں جس پر نثار ہونے کے لئے پوری دنیائے سنیت پروانہ وار ٹوٹی پڑتی ہے۔ جس کا نظارہ پوری دنیا نے بارہا کیا ہے۔ کہ حضرت مفتی اعظم ہند محبوبیت عظمیٰ کے اس عظیم منصب پر مسند نشین ہیں جن کی محبت عقیدت ہر سنی کے دل کی دھڑکن بن چکی ہے۔

مفتی اعظم اپنے فضل وکمال کے آئینے میں، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

☆☆☆

مفتی اعظم کا تقویٰ اور متشرع زندگی

(بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب شیخ الحدیث مدرسہ شمس العلوم گھوسی)

پھولوں کے ہجوم میں آپ کا چہرہ خود ایک شگفتہ پھول نظر آتا تھا۔

انسانوں میں پائی جانے والی خوبیوں کی دو بنیادی قسمیں ہیں۔(۱) ذاتی (۲) اضافی۔ آدمی کی اضافی خوبیوں سے ہماری مراد وہ بڑائیاں ہیں جو کسی فرد کو کسی دوسری بڑی چیز سے رشتہ اور علاقہ کی بنیاد پر حاصل ہوں۔ مثلاً زید بہت بڑا آدمی ہے۔ اس لئے کہ ایک بہت بڑے آدمی کا لڑکا ہے۔ عمر ایک بہت اونچا انسان ہے اس لئے کہ وہ ایک عالی خاندان کا فرد ہے۔ بکر ایک گریٹ جنٹلمین ہے اس لئے کہ وہ ایک فیمس جگہ کا رہنے والا ہے۔

الغرض وہ ساری خوبیاں جو خود انسان میں نہ ہوں بلکہ کسی بڑی سوسائٹی کا فرد یا بڑے مقام کا باشندہ ہونے یا بڑے آدمی کے رشتہ ناتہ کے ذریعے آدمی کو بڑا بناتی ہوں، وہ ہمارے نزدیک اضافی خوبی ہے۔

ہر چند کہ یہ خوبی انسان کی اصلی خوبی نہیں شمار کی جاتی۔ چنانچہ شعراء نے اس کی مذمت کی ہے حضرت سعدی فرماتے ہیں۔

ہنر بنما اگر داری نہ جوہر
گل از خارست و ابراہیم از آذر

''تم میں کوئی خوبی اور کمال ہو تو دکھاؤ، تم اپنے حسب ونسب کی بڑائی نہ شمار کراؤ۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ پھول کانٹوں کے ہجوم میں مسکراتا ہے اور ابراہیم علیہ السلام آذر بت پرست کے گھر میں ہوئے۔''

اور حدیث پاک میں اسی پر تنقید کی گئی۔

من ابطأ عمله لم یسرع نسبه۔

''جس آدمی کو اس کا عمل سست کر دے ، اسکو اسکا خاندان آگے نہیں بڑھا سکتا'' بلکہ خود قرآن عظیم میں بھی بڑائی اور بزرگی کا معیار نسب کو نہیں قرار دیا گیا۔ بلکہ اصلی اور ذاتی خوبیوں کو ہی کرامت کا معیار قرار دیا گیا۔''

ارشاد ربانی ہے۔

انّا جعلنا کم شعوبًا و قبائِل لتعرَفوا ان أکرمکم عند الله أتقاکم۔

''ہم نے تم کو مختلف خاندانوں میں باہمی امتیاز کیلئے اور تعارف کی خاطر بانٹا۔ اللہ کے نزدیک سب سے بزرگ وہی جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرے''۔

مگر اضافی خوبی کی یہ ساری تنقید اسی صورت میں ہے، کہ آدمی صرف اضافی خوبیوں پر ہی اترائے ذاتی خوبیاں اس کے پاس کچھ نہ ہوں۔ ورنہ ذاتی خوبیوں کے ساتھ ملکر یہ اضافی خوبی بھی حسن وزیبائش کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک دفعہ صحابہ نے آپ سے عرض کی۔

من أکرم الناس یا رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بزرگ کون ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أکرم الناس یوسف نبی الله بن نبی الله بن نبی الله.

''حضرت یوسف علیہ السلام سب سے بزرگ ہیں کہ خود نبی انکے باپ نبی انکے دادا پر دادا تو ابراہیم خلیل اللہ''۔

ایک دفعہ خود اپنا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

ان الله اصطفیٰ کنانة من ولد اسماعیل واصطفیٰ قریشاً من کنانة ومن

قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم.

''اللہ تعالیٰ نے اولاد اسمٰعیل میں سے قبیلہ بنو کنانہ کو منتخب فرمایا اور بنو کنانہ میں سے قریش کے خاندان کا انتخاب کیا۔ اور قریش میں بنو ہاشم کو اعزاز بخشا، اور ان میں مجھ کو نبی مصطفیٰ اور حبیب رب السماء بنایا''۔

یہ دونوں حدیثیں ببانگ دہل اعلان کر رہی ہیں کہ نسبی فضیلت اور خاندانی وجاہت بھی، باعث مدح وستائش اور سبب فضل وشرف ہے۔

اور ایک حدیث میں تو آپ نے خود اپنی ذات سے نسبی اور سببی علاقہ رکھنے والوں کی ایک غیر معمولی خوبی کا ذکر کیا چنانچہ ارشاد ہے۔

کل نسب و سبب یقطع یوم القیامۃ الانسبی وصھری.

''تمام رشتے اور ناتے قیامت کے دن منقطع ہو جائینگے میرے رشتے اور ناتے کے علاوہ''۔

اور اسی علاقے پر مباہات کرتے ہوئے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا۔

وبنت محمد خدنی وعرسی

مسوط لحمھا بدمی ولحمی

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی میری ہم راز اور میری دلہن ہے۔ میرا اور انکا خون اور گوشت ایک دوسرے سے مخلوط ہو گیا ہے''۔

الغرض انسان کی اضافی خوبی بھی قابل لحاظ خوبیوں میں سے ہے' جبکہ وہ ذاتی محاسن سے عاری نہ ہو۔ پھر ذاتی محاسن کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہبی (۲) کسبی۔

وہبی خوبیوں کے دائرے میں وہ محاسن آتے ہیں جن کے حصول میں خود انسان کی اپنی کدوکاوش اور جدوجہد کو اتنا دخل نہ ہو۔ جیسے رنگ و روغن کی خوشنمائی قدوقامت کی

دلربائی، اعضا کی موزونیت اور شخصیت کی دلکشی، اور کسبی خوبیوں کی تو ایک لمبی فہرست ہے جنہیں ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، ہر شخص انہیں جانتا پہچانتا ہے۔

اور یہ دونوں خوبیاں فی الحقیقت ایسی ہیں جو انسان کے فضل و شرف کا معیار ہیں اور جن کی بدولت ایک کم حیثیت آدمی بھی اوج ثریا تک بلند پروازی کر سکتا ہے۔ بلکہ شہرت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچتا ہے اس میں بھی آخر الذکر کو اول الذکر پر غیر معمولی فضیلت حاصل ہے۔

بریلی کے غیر مسلموں کی زبان میں بڑے مولانا صاحب اور پورے ہندوستان کے سنیوں کی زبان میں مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی انہیں غیر معمولی انسانوں میں سے ہیں۔ جنہیں قدرت نے اصلی اور اضافی، وہبی اور کسبی، سبھی قسم کی غیر معمولی خوبیوں سے بڑی فیاضی کے ساتھ نوازا تھا۔

اضافی خوبیاں

سب سے پہلے میں آپکی اضافی خوبیوں کا ایک شمہ بیان کرتا ہوں۔ آپ کے والد ماجد مجدد مأتہ رابعہ عشر حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خانصاحب قدس سرہ العزیز انسانی شکل و صورت میں آیۃ من آیات اللہ (اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی) تھے۔ انہوں نے اپنی زبان کی لافانی تسخیری قوت، اپنی تحریر کا بے مثال زور اور اس کی غیر معمولی تأثیری روح اور اپنے بے کراں علم کا خزانہ عامرہ استعمال کر کے، بلکہ اپنی ذات کی تمام توانائیاں نچوڑ کر، اسلام کے رخ زیبا پر جمی ہوئی صدیوں کی گرد صاف کی جس کے نتیجے میں اسلام کا حسن فطرت نئی آب و تاب کے ساتھ دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوا۔ اور اسی وجہ سے اہل حق نے آپ کو مجدد گردانا۔ اور اہل زیغ نے بدعتی کہا یہ ان کی نگاہوں کا تصور اور طرازِ ادا کی خرابی تھی ورنہ انہوں نے بھی وہی دیکھا جو ساری دنیا کے حق پرستوں کو نظر آیا۔ اور جسے

حدیث مبارک میں بیان کیا گیا۔

انّ اللہ عزّ و جلّ یبعث لھٰذہ الأمّۃ علیٰ رأس کلّ مأۃ سنۃ من یجدّدلھا دینھا۔

(ابوداؤد، مشکوۃ مع مرآۃ ص ۲۱۴)

انّ اللہ تعالیٰ یبعث علی راس کل مائۃ لسنۃ من یجدد لھا دینھا۔

"بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی میں ایک مجدد مبعوث فرماتا ہے، جو دین کوئی آب و تاب دیتا ہے"۔

آپ کے دادا حضرت مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وقت کے امام، اور اہل دل صوفیوں کے سرخیل تھے، صاحب تصانیف کثیرہ، اور حق پرست خوش عقیدہ مسلمانوں کے سالار کارواں تھے مولوی رحمان علی صاحب اپنی کتاب تذکرۂ علمائے ہند میں فرماتے ہیں۔ یہاں جس دلکشی کا ذکر کررہا ہوں اس میں اور بزرگی میں کوئی مناسبت نہیں۔ میں یہاں کسی جوان العمر شخصیت کی دلکشی کا ذکر بھی نہیں کررہا ہوں۔ میں تو ایک ایسی شخصیت کا ذکر کررہا ہوں جس میں یہ دل آویزی، یہ جمال اور یہ دل کشی اس کی روحانیت اور بزرگی ہی نے پیدا کی ہے۔

اِنَّ الّذین اٰمنوا و عملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمن ودًا۔

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اللہ پاک مخلوق کے دل میں انکی محبت پیدا فرماتا ہے"۔

پھر بھی میں ایک ایسا واقعہ ذکر کررہا ہوں جس میں مذکورہ بالا شبہ کی بھی گنجائش نہیں۔

ایک دفعہ کلکتہ سے واپسی میں ہوڑہ اسٹیشن پر حضرت کا ساتھ ہوگیا۔ کچھ لوگ پہنچانے کے لئے بھی آئے تھے۔ گاڑی میں ابھی دیر تھی اور بنچیں ساری بھر گئی تھیں۔ اس لئے زمین پر ہی حضرت کے لئے فرش بچھا دیا گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ سیکڑوں مسلموں اور غیر مسلموں نے

آپ کو گھیر لیا نہ کبھی کی دید نہ شنید نہ تعارف مگر ہر انجان جاننے کی کوشش کر رہا ہے کون بزرگ ہیں؟ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ کہاں آئے تھے اور کہاں جائیں گے۔

میں کہوں گا عرس کی تقریب میں تو اس قبول عام کی وجہ عقیدت مندوں اور مریدوں کی معرفت تھی ہوڑہ اسٹیشن پر انجانوں میں اس قبول عام کا سبب آپ کی پرکشش شخصیت کے علاوہ اور کونسی چیز تھی سراپا پر نظر پڑ گئی اور جم کر رہ گئی، قدم رک گئے اور دل بے اختیار کھلنے لگے۔

کسی نے خوب کہا ہے۔

صداقت ہو تو دل سینے سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوالیتی ہے مانی نہیں جاتی

خود میری وارفتگی اور گردیدگی کا سبب حضرت کا کوئی غیر معمولی علمی کارنامہ یا ان کی عظیم بزرگی اور خدا رسیدگی نہیں ہے۔ مجھے پہلے سے اتنا معلوم تھا کہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ مگر جب دیکھا تو یہ انکی شخصیت کی دلکشی ہی تھی جس نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ زندگی میں انہیں سیکڑوں بار دیکھا اور مختلف حالتوں میں دیکھا مگر جب دیکھا جمال و وقار حسن دل کشی کا موقع دیکھا۔ اور جس حال میں دیکھا ان کی ہر ادا دل کو بھاتی رہی۔

''میں نے انکو بیٹھ کر تعویذ لکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور بیشتر اوقات وہ تعویذ ہی لکھتے رہتے تھے۔ سر پر قیمتی بھاگلپوری عمامہ، جسم پر قیمتی چکن کا نہایت صاف کرتہ، اس پر پولسٹر یا قیمتی کپڑے کی رنگین صدری، گلے میں گلاب کے پھولوں کا خوشنما ہار، پیر میں علی گڑھی پائجامہ، جو چھالٹی کا بھی ہوتا اور ٹیری کاٹ کا بھی، جتنا جسم کپڑے سے باہر ہوتا نہ چونے کی طرح سفید نہ گیہوں کی طرح سرخ بلکہ سفید گیہوں کی طرح دودھیا۔ اور چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک (حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یہ چمک شب زندہ داروں

اور تہجد گزاروں کی علامت ہے) بایاں زانو زمین پر رکھا ہوا۔ اور دایاں کھڑا ہوا۔ اسی پر رکھ کر تعویذ لکھتے رہتے تھے۔ کاغذ پر تعویذ کے خانوں کی لکیر لوگ بائیں سے کھینچتے ہیں۔ آپ داہنے سے ہی بلا تکلف نہایت صاف سیدھی لکیریں بناتے تھے کاغذ پھاڑنے کے لئے اس کو موڑنے اور نشان ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ تعویذ مکمل ہو گیا تو دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت کے اشارے سے اور بائیں ہاتھ سے کاغذ دبا کر، جہاں سے ضرورت ہو بقیہ کاغذ آہستہ آہستہ الگ کر لیا، اور کاغذ کبھی بے قاعدہ یا غلط نہیں پھٹتا تھا۔

اب میں کیا عرض کروں؟ عمامہ شاندار نظر آتے یا بدوضع، عام طور پر لوگ عمامہ اہتمام سے ہی باندھتے ہیں مگر حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے کبھی بھی عمامہ اہتمام سے باندھتے نہیں دیکھا، باندھنے کے بجائے اس کو لپیٹنا کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ مگر زندگی میں کم لوگوں کو دیکھا جن کے سر پر عمامہ اتنا خوبصورت معلوم ہوتا ہو۔ معلوم ہوتا تھا کہ عمامہ کی وضع انہیں کے فرق اقدس کے لئے ہوئی ہے۔

یوں ہی علمائے کرام میں ایک سے ایک مرصع لباس پہننے والے ملے۔ ان کی بڑائی کی وجہ سے میں ان کے لباس پر خاموش رہا ہوں یہ اور بات ہے لیکن دل میں ہمیشہ ناگواری ہی رہی۔ اور سادہ پسندی کی وجہ سے اکثر و بیشتر علمائے کرام کا میں شاکی ہی رہا مگر میں اقرار کرتا ہوں کہ حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے لباس فاخرہ کو میں نے ہمیشہ مستثنیٰ قرار دیا۔ اور دل نے ہر بار یہی فیصلہ دیا کہ جس کے جسم پر لباس ایسا پھبتا ہو اس کو بلاشبہ ہر عمر میں ایسا ہی لباس پہننے کا حق حاصل ہے۔ واللہ العظیم میں نے اتنا جامہ زیب انسان وہ بھی اتنا بوڑھا دیکھا ہی نہیں۔

مالا گلاب کی ہو یا گیندے کی مجھے کبھی نہیں بھائی، اگرچہ خود بھی پہنا اور لوگوں کو بھی پہنے ہوئے دیکھا۔ مگر حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ ان کے گلے میں سرخ گلاب کی مالا ایسا زیب دیتی تھی کہ بار بار جی چاہا کہ ایک مالا خرید کر میں بھی گلے میں ڈالدوں پھولوں کے

ہجوم میں آپ کا چہرہ خود ایک پھول نظر آتا تھا۔

میں نے ان کو چلتے ہوئے بھی دیکھا ہے

مذکورہ بالا لباس پر دبیز پوسٹر چکن کی ایک نیچے دامن پوری آستین، بند گلے کی عبا کا اضافہ ہو جاتا داہنے ہاتھ میں عصا اور بائیں کو موڑ کر اس میں ایک رومال دابے ہوئے رہتے۔ دور سے معلوم ہوتا ایک خوبصورت گلدستہ ہولے ہولے حرکت کر رہا ہے اس آہستگی اور نرمی سے زمین پر قدم رکھتے تھے کہ معلوم ہوتا پھول برس رہے ہیں۔ میں نے بار بار سوچا سبحان اللہ زمین پر نرم قدم رکھ کر اور سر جھکا کر چلنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ جب اس سنت رسول کی نقل اتنی دلکش ہے تو صاحب سنت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل رفتار کس درجہ حسین و دلربا رہی ہو گی۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

میں نے آپ کو دسترخوان پر کھاتے بھی دیکھا ہے

جبل پور میں حضرت مولانا برہان الحق زید مجدہم کے یہاں آپ مہمان تھے۔ دسترخوان نہایت مکلّف اور وسیع تھا۔ اس علاقہ میں کڑھی بڑے اہتمام سے پکتی ہے جو اتفاق سے حضور مفتی اعظم ہند کو بھی مرغوب تھی دسترخوان پر وہ بھی سامنے رکھی ہے، آپ ہاتھ سے اس کی پلیٹ ذرا اور کھسکا رہے ہیں، اور فرماتے ہیں مجھے زکام ہوا ہے یہ نقصان کرے گی، اور لوگ منت وسماجت کر رہے ہیں، نہیں حضور یہ تو زکام کو مفید ہے اس سے زکام بہہ کر صاف ہو جاتا ہے۔ الغرض کافی عرض ومعروض کے بعد آپ نے اس سے تھوڑا شوق فرمایا۔ سرخ مرچوں اور لہسن کی چٹنی بھی آپ کو پسند تھی۔

روٹی کا چھلکا شوربے میں ڈبو کر اس طرح منہ میں رکھتے کہ ہاتھ کا کم سے کم حصہ آلودہ ہو۔ تین انگلیوں سے کھانے کا انداز مسنون ہے۔ یہ حدیثوں میں پڑھا تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھکر اس کی عملی مشق بھی فراہم ہوئی، اور یہ معلوم ہوا کہ یہ ڈھنگ حسن ونفاست سے بھرپور اور آنکھوں کو بھی بھلا لگنے والا ہے۔

مختصر لقمہ منہ میں رکھ کر منہ بند کر کے دیر تک چلاتے رہتے، ساتھ ہی سر کو بھی تھوڑی جنبش ہوتی رہتی۔ مجھے ان کے اس طرح منہ چلانے کا انداز بھی بے حد بھلا لگتا۔ اور ان کے ساتھ دسترخوان پر میں کام ودہن کی لذت کے ساتھ حسن نظارہ کا کیف بھی حاصل کرتا تھا۔

ایک دفعہ مئو اسٹیشن پر اپنے ساتھ کھانے پر بٹھالیا۔ میں اپنی عادت کے موافق لمبے لمبے ہاتھ مارنے لگا۔ اور حضرت اپنی عادت کے موافق تناول فرمانے لگے۔ تھوڑی دیر میں مجھے احساس ہوا کہ میں حضرت کے ساتھ کھانے کے لائق نہیں۔ اور حسن وادب کے ساتھ کھانے کا سلیقہ بھی ایک فن ہے۔

ایک دفعہ آپ ٹرین میں سفر فرما رہے تھے۔ ڈبہ میں کسی غیر مسلم نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا آپ نے فرمایا میاں کھانا دائیں ہاتھ سے کھاتے ہیں اس نے جواب میں کہا بابا میں مسلمان نہیں۔ مطلب یہ کہ مسلمان ہوتا تو دائیں ہاتھ سے کھاتا۔ کہ دائیں ہاتھ سے کھانا سنت ہے۔ آپ نے فرمایا، ارے میاں مسلمان نہیں ہو تو انسان تو ہو۔ سبحان اللہ کیا عمدہ ہدایت ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا انسانیت کے بھی خلاف ہے۔

ایک دفعہ دعوت میں کھانے کے بعد کسی نے لائف بوائے صابن سے ہاتھ دھلانا شروع کیا۔ فرمانے لگے سبحان اللہ کھانا کتنا عمدہ کھلایا، اور ہاتھ اتنے بدبودار صابن سے دھلایا۔ کھانے کے بعد کوئی خوشبودار صابن ہونا چاہئے۔

آپ کے کھانے کی نشست بھی عموماً ایک زانو موڑ کر اور دوسرا کھڑا کر کے ہوتی میں

نے آپ کو چار زانو بیٹھے کبھی نہیں دیکھا۔ سفر میں چاہے کتنے روز گزر جائیں مشتبہ اور دو کان کے کھانے سے پرہیز کرتے۔ حقہ مسلسل نوش کرے مگر ہر کش نہایت خوشگوار اور باسلیقہ ہوتا۔

الغرض آپ کا کھانا بھی حسن ونفاست اور خوشنمائی کا ایک خوشگوار عمل ہوتا۔ اور جب آپ دستر خوان سے اٹھتے تو معلوم ہوتا کہ آپ نے کھانا نہیں کھایا ہے دستر خوان کو نوازا ہے۔

میں نے آپ کو بستر پر آرام کرتے بھی دیکھا ہے

پیلی بھیت میں عرس حشمتی کے موقع پر بعد قل مولانا مرحوم کے آنگن میں ہی حضرت کیلئے بستر لگا۔ میں نے دیکھا فی الوقت کوئی خادم نہیں ہے۔ تو تھوڑی دیر میں نے ہی پاؤں دبایا۔ آپ کے افعال کی متانت وآہستگی دیکھ کر یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ کا جسم بے حد لائم اور نرم ہوگا۔ مصافحہ کے وقت ہاتھ کی نرمی سے بھی یہی اندازہ ہوتا تھا۔ لیکن مجھے حیرت ہوئی کہ آپ کی پنڈلیاں اور رانیں کافی سخت محسوس ہوئیں۔ دائیں کروٹ رخسارے کے نیچے ہاتھ رکھ کر، اور پاؤں ذرا سمیٹ کر آرام کر رہے تھے۔ سونے کے اس انداز کے بعد مجھے دوسرے تمام طریقوں پر تنقیدی نظر ڈالنی پڑی، اور اس کے مقابلے میں سب کو ہی رد کرنا پڑا۔ پٹ سونے کی تو حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے۔ چت ہاتھ پاؤں پھیلا کر سونے میں مردے کا گمان ہوتا ہے حق یہ ہے کہ زندوں اور زندہ دلوں کا سونا وہی ہے جو سنت رسول ہے۔ اور حضور مفتی اعظم ہند جس پر کاربند تھے۔

آپ کی نماز کا منظر بھی دیکھنے کا ہوتا تھا

گھر سے آپ کے برآمد ہوتے ہی کئی آدمی آپ کو آگے پیچھے سے گھیر لیتے، اور مسجد کے

دروازہ تک پہنچتے پہنچتے جو مشکل سے پچاس قدم کی دوری پر ہوگا، کسی کو دست بوسی کا شرف بخشتے۔ کسی کو مصافحہ سے نوازتے اور کسی کے سلام کا جواب دیتے اتنے میں مسجد کے دروازے میں داخل ہو جاتے۔ نہایت متانت و آہستگی سے **اللھم افتح ابواب رحمتک** پڑھتے اور عمامہ اتار کر وضو کے لئے بیٹھ جاتے جو شخص عام انسانوں کے سامنے کبھی بھی سر کھول کر نہ آیا ہو۔ جس کو لوگوں نے علی العموم، تاج کرامت اور کلاہ عزت کے ساتھ دیکھا ہو۔ اور جو مسجد میں ابھی ابھی اس شکوہ کے ساتھ داخل ہو۔ وہ اپنے رب کے حضوریوں ننگے سر ہو کر خادمانہ حاضر ہو، یہ دیکھ کر دوسروں میں بھی جذبہ عبودیت مچلنے لگتا تھا۔ خادم ایک بڑے لوٹے میں نصف کے قریب پانی پاس ہی رکھ دیتا، اور آپ اسی متوضاء پر تشریف فرما ہوتے جہاں وضو کیلئے پائپ لگے ہوتے ہیں۔ پہلی بار جب میں نے یہ حالت دیکھی تو مجھے یہ طول عمل معلوم ہوا۔ لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ نل سے وضو کرنے میں پانی زیادہ ضائع ہوتا ہے اس لئے حضرت نل سے وضو پسند نہیں کرتے کہ وضو میں پانی ضائع کرنا اسراف ہے میں نے پوچھا پانی کیوں آدھا لوٹا رکھا گیا تو معلوم ہوا کہ لوٹا بھر دیا جائے تو حضرت کے ہاتھ سے اٹھ نہ سکے گا۔ خیال ہوا کوئی دوسرا وضو کرا دیتا، دوسرے لمحہ خیال آیا وضو خود ہی کرنا مستحب ہے۔

سارے اعضاء سنت کے موافق مکمل طور پر دھلتے۔ چہرہ دھلتے وقت البتہ دسیوں بار آنکھوں پر پانی کے چھینٹے دیتے چونکہ کسی کے دل میں خیال آ سکتا تھا کہ کہاں تو پانی کے استعمال میں وہ احتیاط اور کہاں یہ کشادہ دستی، تو اقع شبہ کے لئے خود ہی فرما دیتے بار بار آنکھیں چپک جاتی ہیں۔ ''یعنی آنکھ سے بطور مرض جو پانی نکلے ناقص وضو ہے۔'' پورے وضو میں ادعیہ ماثورہ کی تلاوت پست آواز میں جاری رہتی۔

ارکان نماز کی ادائیگی میں تو معہود طریقہ ہی برتتے لیکن خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ پوری نماز میں آپ کے وجود پر عبودیت کی شان اور بندگی کا جمال طاری رہتا تھا۔ دیکھنے

والا دور سے ہی فیصلہ کر لیتا تھا کہ ایک مومن قانت نے اپنے مولا کی رضا جوئی کے لئے اپنے پورے وجود کو عجز و درماندگی اور عرض والتماس کے سانچے میں ڈھال لیا ہے،

وقوموا للّٰہ قانتین۔

آخری اوقات میں جب ضعف ونقاہت میں بے حد اضافہ ہوگیا تھا اور بیٹھے رہنے میں بھی تکلیف ہوتی تھی۔ یہ دیکھا گیا کہ مسجد میں جب تک بیٹھے ہیں مسلسل کراہ رہے ہیں۔ اٹھتے ہیں تو سہارا دیا جاتا ہے بیٹھتے ہیں تو سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چلتے ہیں تو لوگ دونوں طرف سے سنبھالے رہتے ہیں۔ لیکن جیسے ہی تکبیر شروع ہوئی ایسی چستی کے ساتھ کھڑے ہو جاتے جیسے کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔ پوری نماز قیام ورکوع کے ساتھ نہایت تندہی اور مستعدی کے ساتھ ادا کرتے۔ اور اف تک کی صدا لب تک نہ آتی جیسے قیام وقعود اور رکوع وسجود کی مشقتیں خشیت الہیٰ اور خوف ربانی میں تحلیل ہوگئی ہوں۔ کہ ارشاد الٰہی ہے۔

وانها لکبیرة اِلا علی الخٰشعین۔

بے شک نماز سخت بوجھل اور گراں ہے۔ مگر اللہ کے خوف سے ڈرنے والوں کے لئے۔

یا یوں کہئے کہ ساری کلفتیں راحت وآرام میں بدل گئیں کہ ارشاد نبوی ہے۔

قرة عینی فی الصلوٰة۔

میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین نماز ہے۔

ہماری مذکورہ بالا تحریر کا مقصد یہ تھا کہ علم وفضل وتقویٰ وطہارت اور دیگر اخلاق فاضلہ سے قطع نظر خود آپ کی ذات بابرکات بھی اتنی پرکشش تھی کہ بے اختیار دل مائل ہونے لگتے، آنکھیں فرط عقیدت سے جھکنے لگتیں۔ اور روح کی دنیا مسخر ہونے لگتی۔

اللہ تعالیٰ نے انکی ذات مبارک پر تسخیر قلوب واطاعت اذہان اور محبوبیت عیون والبصار کی خلعت فاخرہ ڈال رکھی تھی۔ اس سلسلے کی ایک خاص بات جس کو میں نے نوٹ کیا۔ اور

جو آپ میں اور شموگہ کے ایک بزرگ حضرت درویش بابا میں، میں نے مشترک دیکھی یہ تھی کہ اخیر عمر میں جب جسم گھل کر بالکل ہاڑ رہ گیا تھا۔ اس وقت بھی چہرہ پر گوشت اور نہایت بارونق تھا۔ چہرہ دیکھ کر کوئی یہ اندازہ ہی نہیں لگا سکتا تھا کہ اندر سے یہ اس درجہ دبلے ہوں گے۔ حضرت درویش کو تو میں بار بار دیکھ چکا تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرح دیکھنے کا زندگی میں صرف ایک بار موقع ملا۔ جب ایک دفعہ بغل بنوانے کے لئے لوگوں نے جسم سے کپڑا اٹھایا، تو مجھے شدید احساس ہوا کہ چہرے اور جسم کے اس تفاوت کی خصوصیت حضرت میں بھی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ تسخیر خلائق اور شخصیت کی دلکشی کا جوہر بھی روحانیت کی برکت اور قربت خدا ورسول کا ہی ثمرہ ہے۔

کسبی محاسن

حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے کسبی کمالات کے لئے تو ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ ایک بہت بڑے عالم تھے۔ سواد اعظم اہلسنت و جماعت کے سب سے بڑے فقیہہ تھے۔ متعدد دینی کتابوں کے بالغ نظر مصنف تھے، اہل دل صوفی، اور باکمال بزرگ تھے، بلکہ میرے نزدیک معمولات ذکر وفکر میں ان کی ایک مجتہدانہ شان تھی، وعظ و تقریر نہیں فرماتے تھے، لیکن لوگوں کی رشد وہدایت کے لئے ان کے چند جملے لمبی لمبی تقریروں پر بھاری تھے داد و دہش اور بذل عطاء میں شاہانہ انداز تھا۔ مدتوں مدرسہ مظہر اسلام ان کے ذاتی صرفہ سے چلتا رہا۔ انہوں نے ہزاروں مقدمات کا منصفانہ فیصلہ فرمایا، مختصر یہ کہ آپ کی کسبی خصوصیات سے متعلق اسی طرح کے بیسوں عنوان ہیں، اور ہر عنوان قلم سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ مگر اس مختصر مضمون میں ان سب کی گنجائش کہاں۔ میں اس وقت صرف اتباع شرع ومتابعت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

سلسلے میں چند مثالیں پیش کررہا ہوں۔

(۱) جمعہ کے دن مصلیوں کی گردن پھلانگ کر آگے جانے والوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وعید ہے۔

من تخطیٰ رقاب الناس یوم الجمعۃ اتخذ جسرًا الیٰ جھنم۔

''جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگیں اس نے جہنم کی طرف پل بنایا''۔

اس فرمان والاشان کے بموجب شریعت اسلامیہ کا یہ حکم ہے کہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں مصلیوں کی گردن پھلانگ کر آگے جانا شرعاً ممنوع اور معصیت ہے۔ ہاں اگلی صف والوں نے جگہ چھوڑ رکھی ہو تو اسے پر کرنے کے لئے آگے جایا جاسکتا ہے کہ صف پر کئے پیچھے بیٹھ کر ان لوگوں نے اپنی حرمت خود ضائع کی۔

اس شرعی مسئلہ کو پیش نظر رکھ کر مندرجہ ذیل واقعہ ملاحظہ فرمائیں

۳۰، ۳۵ سال پہلے کی بات ہے کہ اشرفیہ کے سابق ناظم الحاج محمد عمر صاحب مرحوم کے خلف الصدق حضرت مولانا نثار احمد صاحب غالباً پہلی بار مبارک پور میں حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کو لائے، اور آپ کی یہ تشریف آوری بالکل نجی اور بغیر کسی سابقہ اطلاع کے صرف شخصی دعوت پر ہوئی، اس لئے عوام اہلسنت تو کیا، اشرفیہ کے لوگوں کو بھی اس کی پیشگی خبر نہ ہوسکی دن جمعہ کا تھا، جمعہ کے وقت مولانا نثار احمد صاحب حضرت کو لے کر اس وقت پہونچے کہ مسجد بھر چکی تھی، موسم گرمی کے تھے اس لئے مصلیوں کی آخری صفیں دھوپ سے بچنے کے لئے بالکل ملی جلی مسجد کی پوربی دیوار کے سایہ میں پھیلی ہوئی تھیں۔

حضرت کرتہ پائجامہ اور غالباً زرد رنگ کی صدری اور دوپلی ٹوپی اوڑھے ہوئے تشریف لائے گرمی سے بچنے کے لئے تولیہ سر پر ڈال رکھا تھا۔

آج سے لگ بھگ تیس پینتیس سال قبل اہالیان مبارکپور کے دل میں، علماء ومشائخ کی جو قدر ومنزلت تھی، ادھر حضرت کا پرنور چہرہ اور دلکش شخصیت پھر ساتھ میں مولانا نثار احمد لوگوں

نے دیکھتے ہی اندازہ لگالیا کہ کوئی بڑے عالم دین ہیں، اچھے بزرگ ہیں، اور ادھر ادھر کھسک کر آگے جانے کے لئے آپ کو راستہ دینے لگے کیونکہ مسجد میں بھی علماء کے ساتھ ان کے احترام عقیدت کا یہی معمول تھا۔ لیکن حضور مفتی اعظم ہند دھوپ میں ہی تولیہ بچھا کر سب سے پیچھے بیٹھ گئے اصرار کے باوجود آگے نہیں بڑھے۔ یہ سارا واقعہ ادھر بھی ہو رہا تھا جدھر میں تھا۔ نماز کے بعد میں نے معلوم کرنا چاہا یہ کون بزرگ تھے تو معلوم ہوا کہ مفتی اعظم ہند!

غالباً یہ میری پہلی زیارت تھی، دل نے فیصلہ کیا سبحان اللہ مسئلہ ہم لوگ بھی پڑھتے ہیں لیکن صرف پڑھنے کے لئے، اور یہ اللہ والے پڑھتے ہیں تو عمل کرنے کے لئے۔

آپ کے اس عمل میں اتباع شریعت کے ساتھ ساتھ، احیائے سنت بھی پائی جارہی ہے کہ لوگ آج کل اس سے غافل ہیں، اور مسجد میں لوگوں کی گردنیں پھلانگنے میں کوئی خوف نہیں محسوس کرتے۔

(۲) گذشتہ صفحات میں ہم نے ایک حدیث نقل کی کہ مسجد امور دنیا کے لئے نہیں ہے۔ اسی حدیث کی روشنی میں حضرات علمائے شرع نے مسجد میں کھانے پینے اور سونے، تجارت وغیرہ امور دنیا سے منع فرمایا صرف معتکف کو اجازت ہے، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ مسجد آلودہ نہ ہو اور اسی لئے یہ مستحب ہے کہ آدمی مسجد میں جب بھی داخل ہو اعتکاف کی نیت کرے، اور کچھ ذکر الٰہی میں مصروف رہے اگر بضرورت کچھ کھانا پڑے تو معتکف ہونے کی وجہ سے اس کی اباحت ہوگی۔

مسئلہ شرعی ذہن نشین کر لینے کے بعد حضرت کی احتیاط شرعی ملاحظہ ہو۔

ایک دفعہ بریلی حاضری ہوئی۔ اور رات میں قیام کا اتفاق پڑا۔ شہر کے کسی حصے میں میلاد شریف کی تقریر تھی حضرت کے ساتھ میں بھی شریک ہوا۔ جلسہ میلاد ایک مسجد میں تھا اور نہایت مختصر سامعین تھے۔

مجمع کم ہو یا زیادہ میرا بارہا کا یہ تجربہ ہے کہ جس جلسے میں حضور مفتی اعظم ہند یا حضور

حافظ ملت ہوں وہ جلسہ بے حد پر کیف ہو جاتا تھا، تقریر خوب جمتی تھی اور مقرر اور سامع دونوں ہی کافی محظوظ ہوتے تھے۔

چنانچہ اس جلسہ میں بھی روایت خوانی کے بعد میں نے تقریر شروع کی مختصر تعداد کے باوجود جلسہ بے حد پر کیف اور کامیاب رہا اور آپ حسبِ معمول جلسہ میں آنکھیں بند کئے تشریف فرما رہے۔ کوئی خاص مقام آتا تو آنکھیں کھول کر مقرر کو دیکھ لیتے۔ اور جب بہت تاثر ہوتا تو آنکھیں بھیگ جاتیں۔ اور ڈبڈبائی نظروں سے دیر تک مقرر کو تکتے رہتے۔

ختم وعظ کے بعد صاحب مجلس نے حاضرین کی چائے سے تواضع کی حضرت نے چائے کی پیالی ہاتھ میں لے کر ارشاد فرمایا ہم نے مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کر لی تھی۔ جس نے نہ کی ہو اب کرے کہ مسجد میں غیر معتکف کو کھانا پینا منع ہے۔

بادی النظر میں یہ معمولی ادب ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو جو شخص شریعت کے کسی ادنیٰ درجہ کے ادب پر بھی اس شدت کے ساتھ مواظبت فرمائے۔ دیگر احکام شرعیہ کی بجا آوری میں اس کا کیا حال ہوگا۔ ساتھ ہی ساتھ اس واقع سے رفع شبہ اور ہدایت خلق کے اہتمام کا بھی پتہ چلتا ہے۔

(۳) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے جس سے مسلمانوں کی حقیقی شان اور ان کے داعی حق ہونے کے منصب کا اظہار ہوتا ہے۔

من رای منکم منکرًا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه وان لم یستطع فبقلبه وذلک اضعف الایمان.

”تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے اگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کی برائی بیان کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے“۔

اور اسی امر کو قرآن عظیم نے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔

كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر

"تم لوگ بہترین امت جو انسانوں کے لئے بنائے گئے ہو تاکہ لوگوں کو نیکی کا حکم دو، اور برائیوں سے روکو۔"

مگر اسلام میں جتنی اس کی تاکید ہے۔ عام لوگ اسی نسبت سے مداہنت اور زمانہ سازی میں بکثرت مبتلا ہیں۔ خاص خاص مردان حق اور خاصان خدا البتہ ہر زمانہ میں اس فرض منصبی پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ حدیث مبارک میں ایسے ہی لوگوں کی مدح فرمائی گئی ہے۔

لايزال طائفة من امتي ظاهرين على الحق لايخافون فيه لومة لائم.

"میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق پر قائم رہیگا اور اس باب میں اسے کسی کے لعنت وملامت کی پرواہ نہ ہوگی۔

آئین جواں مردی حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس وصف میں اپنے اہل زمانہ میں ممتاز مشارالیہ تھے چنانچہ ناممکن تھا کہ کوئی غلط بات حضرت کے سامنے ہوجائے اور حضرت اس کی اصلاح نہ فرمائیں۔

آپ کی مجلس میں تعویذ کے لئے مردوں اور عورتوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ لیکن کیا مجال کہ کسی عورت کا ہاتھ بھی بے پردہ ہوجائے جہاں کسی سے بداحتیاطی ہوئی، اور آپ کی ڈانٹ پڑی، لاالہ الا اللہ استغفر اللہ، استغفر اللہ، ارے اپنا ہاتھ ڈھانک بے غیرت مجھ بڈھے کو اپنا ننگا ہاتھ دکھانے آئی ہے اور پوری مجلس پر سناٹا چھا گیا، اور سب نے اپنے کپڑے درست کر لئے۔

ایک دفعہ دوا پڑوڈٹ اور بے پردہ مسلمان عورتیں ساڑی میں ملبوس کہیں دور سے تعویذ لینے کے لئے آئیں آپ نے تعویذ لکھتے لکھتے نظر جو اٹھائی تو نگاہ ان پر پڑگئی۔ فوراً رخ

پھیر لیا، اور سر نیچا کئے ہوئے، لگ بھگ پندرہ منٹ تک ان کی سرزنش کرتے رہے۔ انداز کچھ نرم اور بے حد تحسر آمیز تھا۔ گویا انہیں دلی تکلیف پہونچی ہو جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ کچھ اس طرح تھا۔ نہ اللہ و رسول کے حکم کا خوف نہ اپنے طرز معاشرت کی پرواہ نہ انجام کا خیال۔ اتنی دور سے تنہا عورتیں چلی آئیں ساتھ میں کوئی محرم نہیں۔ اس پر ظلم یہ کہ بے پردہ، مزید ستم یہ کہ لباس بھی مسلمانوں کا نہیں۔ ٹرینوں میں حادثات ہوتے رہتے ہیں۔ ان پر کوئی زیادتی ہو تو مسلمان کیسے ان کی حمایت کریں، کسی حادثہ میں مر جائیں تو یہ کیسے پتہ چلے کہ مسلمان ہیں۔ خیال فرمایئے کہ نہ مٹی نہ جنازہ یونہی پھونک دی جائیں گی یہ سب وبال ہے اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کا۔ وہ عورتیں بے حد شرمسار ہوئیں لیکن ان کے پاس پردے کا تو کوئی اہتمام تھا ہی نہیں کرتیں کیا؟

حضرات مقررین سے کبھی جوش بیان میں، کبھی نقطہ زبان سے اور کبھی لاعلمی اور جہالت سے (کہ آج کل تقریر کے لئے رسوخ علم ضروری نہیں رہ گیا ہے) دوران تقریر ایسے جملے صادر ہو جاتے ہیں۔ جو شرعاً عقلاً، اخلاقاً، یا زبان و بیان کے لحاظ سے قابل اعتراض ہوتے ہیں۔

اگر مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ اسٹیج پر ہیں تو کیا مجال ہے کہ کوئی مقرر ایسی بد احتیاطی کر کے گزر جائے، اور آپ امر بالمعروف نہ فرمائیں۔ کئی بڑے خطباء سے تو برسرِ ممبر انہوں نے توبہ تک کرائی خود اپنی زندگی میں مجھے دو مرتبہ ایسی سرزنش سے پالا پڑا ہے۔ توبہ تک کی نوبت البتہ نہیں آئی۔

ضلع گیا کے جلسہ میں ایک بار آپ کے ساتھ شرکت کا اتفاق ہوا، رات میں تقریر کے دوران میں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں لفظ نور استعمال فرمایا۔'' تقریر ختم ہوئی اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے، انکے فیض صحبت سے محفل بڑی پر کیف پُر نور رہی۔ دوسرے دن ساتھ ہی گھوسی کے لئے واپسی ہوئی، راستہ میں بڑے خوشگوار ماحول

میں باتیں ہوتی رہیں۔اسی دوران آپ نے فرمایا، رات آپ نے تقریر میں اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کا لفظ استعمال فرمایا۔اگر کہیں قرآن وحدیث میں یہ لفظ ذات باری کے لئے آیا ہو۔تب تو اس کا بولنا صحیح ہوگا۔ورنہ نہیں۔اس امر کی تحقیق کر لیجئے گا۔'' آج پندرہ بیس سال ہوگئے اور میں اس سلسلہ میں غور کرتا رہتا ہوں مجھے تو کوئی ایسا محل استعمال نہ ملا۔

دوسری بار مغربی یوپی کے ہی کسی علاقہ میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا۔''بدنصیب مسلمان آج کل رات میں بارہ بجے تک سنیما دیکھتے ہیں اور دن میں دس بجے تک سوتے ہیں''۔اک بیک بازو سے میری طرف پوری طرح مخاطب ہوکر کہا نہایت بلند آواز میں، بیحد بیزاری کے ساتھ گویا مجھ پر پھٹ پڑے۔''مولانا! میں اس کو مان نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بدنصیب ہو۔آپ اس کو بدنصیب نہ کہئے کچھ اور کہہ لیجئے۔'' حق یہ ہے کہ جس امت کے نگہبان رسول عربی ہوں وہ بدقسمت کیسے ہوسکتی ہے۔

چہ غم دیوار امت راکہ دارد چوں تو پشتیاں

چہ باک ازموج بحر آں راکہ دارد چوں تو کشتیاں

امت کی دیوار کو کیا غم جو تیرے جیسا سہارا رکھتی ہے۔اور طوفان نوح سے اس کو کیا خوف جو تیرے جیسا کھیون ہار رکھتی ہے۔

اور لسان وبیان کی اصلاح کا انداز تو بے حد دلچسپ اور پر لطف ہوتا تھا۔ایک دفعہ لوگوں نے آپ کے سامنے کہنا شروع کیا۔طوفان (ایکسپریس) ایک بجے آرہا ہے۔ایک بجے طوفان آرہا ہے۔کئی بار اس جملے کو سن چکے تو فرمایا! سبحان اللہ بولنے کا کیا انداز ہے۔طوفان آرہا ہے، طوفان آرہا ہے میاں کہنا ہی ہے تو یوں کہو ایک بجے بریلی اسٹیشن سے طوفان گزر جائے گا۔'' سبحان اللہ بات وہی ہے لیکن پہلے جملے کا ظاہر بے حد بھیانک ہے اور دوسرے کا ظاہر وباطن یکساں خوشگوار تھوڑے سے تصرف نے قبح کو حسن بنا ڈالا۔

فتاویٰ رضویہ جلد سوم شائع ہوئی تو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ایک نسخہ

لے کر حاضر خدمت ہوا خیال ہوا کہ اس کا پیش لفظ سنا دیا جائے پیش لفظ میں ایک جگہ حضور اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کے غیر معمولی قوت حافظہ کے بارے میں تحریر تھا۔" حافظہ اس بلا کا تھا"۔ پوری زندگی ہم نے اس جملے کو بار بار مقام مدح میں سنا اور پڑھا۔ اور یہاں بھی موقع استعمال مقام مدح ہی تھا۔ سنکر حضرت نے فرمایا۔ واہ واہ! آپ کی حضرت کے حافظے کی تعریف فرمائی ہے، یا آپ کی تنقیص کی ہے۔ آپ کا حافظہ بلا کا تھا، یہ بلا کون سی چیز ہے۔ تب مجھے احساس ہوا حضرت والا زبان و بیان کا بھی کس درجہ لطیف ذوق رکھتے تھے اور اسکی باریکیوں پر کیسی مہارت تامہ حاصل تھی۔

الغرض آپ کی بارگاہ میں شرعی لغزش ہو یا اخلاقی ولسانی سب پر پوری دار و گیر ہوتی اور اعلان حق اور امر بالمعروف کا پورا پورا حق ادا کیا جاتا۔ اس ضمن میں یہاں جس خاص واقعہ ذکر کر رہا ہوں، وہ بھی ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ کی زندگی کے بے حد ہنگامی ایام تھے۔ خاندان اشرفیہ کی ایک شاخ (اہل کچھوچھہ) جواب تک اس ادارے کے سرپرست اور حاکمان مطلق تھے خفا ہو کر علیحدہ ہو چکے تھے۔ اور اپنی برأت کا اعلان بھی شائع کر چکے تھے۔ اور پورے ہندوستان میں ادارے کے خلاف جگہ جگہ بدگمانیوں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ادھر حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک سچے مسلمان کے حوصلہ ایمانی کے ساتھ یکہ و تنہا میدان عمل میں اتر پڑے تھے۔ اور نئی تعمیرات کے سنگ بنیاد کے موقع پر ایک آل انڈیا تعلیمی کانفرنس کا اعلان فرما چکے تھے۔

کانفرنس ہوئی اور بے مثال ہوئی۔ اس میں ازراہِ دین پروری حضور مفتی اعظم ہند، اور حضرت مولانا آل مصطفےٰ علیہما الرحمہ بھی شریک ہوئے۔ کچھ عقیدت مندوں نے اہل کچھوچھہ کے بائیکاٹ سے متاثر ہو کر اس خاندان کی دوسری شاک (اہل بسکھاری) کے سجادہ نشیں المعروف بہ بابو میاں کو شرکت کی دعوت دی تو وہ بھی شریک ہوئے۔

یہاں جملہ معترضہ کے طور پر خانوادۂ اشرفی کے ان دونوں خاندانوں کا تھوڑا پس منظر بھی بیان کرنا ضروری ہے، تا کہ جس واقعہ کو ہم بیان کرنے جارہے ہیں اس پر قرار واقعی روشنی پڑ سکے، تو اس خاندان کی ان دونوں شاخوں میں بہت دنوں سے حضور مخدوم وارث اور درگاہ حضرت مخدوم رضی اللہ عنہ پر قابض و دخیل ہونے کے سلسلے میں آویزش چلی آرہی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہی سبب ہو یا کوئی اور پورے ہندوستان میں کچھوچھہ کی شاخ علمائے حق اہلسنت و جماعت کے ساتھ ہے۔ بلکہ یہ حضرات خود اساطین اہل سنت و جماعت میں شمار ہوتے ہیں جبکہ سنا جاتا ہے کہ کسی مناظرہ میں جو علمائے دیوبند اور علمائے اہلسنت میں ہوا تھا۔ بابو میاں کے اجداد نے علمائے دیوبند کی سرپرستی کی تھی۔

علمائے دیوبند کے خلاف علمائے عرب و عجم کے فتویٰ کفر سے ساری دنیا واقف ہے، اور اعلیٰحضرت اور ان کے خاندان کو اس سلسلہ میں حق کی حمایت اور سچ کی جنبہ داری میں جو تقدم حاصل ہے وہ کسی کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔

اب صورت حال یہ ہے کہ بابو میاں جن کے آباء واجداد دیوبندیوں کے حامی تھے۔ اس جلسہ سنگ بنیاد میں شرکت کے موقع پر حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے، دارالعلوم اشرفیہ کی نچلی منزل کے مغربی کمرہ میں آئے۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو سلام کیا، مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اور خود ہی تعارف کرایا ہوگا۔ یا کسی نے بتایا ہوگا۔ یا پہلے سے ہی حضرت کو معلوم تھا۔ بہرحال حضرت نے نہ سلام کا جواب دیا نہ مصافحہ کیا۔ بلکہ فرمایا، صاحب آپ کے خاندان کے لوگ علمائے دیوبند کے حامی رہے ہیں۔ اور اُن پر علمائے عرب و عجم کے کفر کے فتوے ہیں۔ اگر آپ بھی اس روش میں ان کے ہی ہمراہ ہیں تو میں آپ سے کیسے سلام و کلام کرسکتا ہوں۔ جبکہ حدیث شریف میں ایسے لوگوں سے قطع تعلق کا حکم آیا ہے۔

بابو میاں نے کہا حضور میں کبرائے دیوبند کی تکفیر میں ساری دنیا کے اہل اسلام کا ساتھی

ہوں، چنانچہ اسی وقت انہوں نے اس مضمون کی اپنی دستخطی تحریر مفتی اعظم ہند کے حضور میں پیش کی۔

اس وقت لوگوں نے ایک عجیب وغریب منظر دیکھا حضور مفتی اعظم ہند نے بابو میاں سے فرمایا صاحبزادے آپ ذرا کھڑے ہوجائیں۔ نہ تو بابو میاں یہ سمجھے کہ کیوں یہ حکم ہورہا ہے۔ نہ مجلس میں بیٹھنے والے ہی، مگر جب حکم پاکر بابو میاں کھڑے ہوئے تو حضور مفتی اعظم ہند نے بآن شان وجلال، بہ آن عظمت وتقدس و بہ آن ریش سفید ورفعت پیری، ایک سبزہ آغاز نوجوان (بابومیاں) کا پیر دونوں ہاتھ سے پکڑ لیا۔ ڈبڈبائی آنکھیں انکے چہرہ کی طرف اٹھا کر فرمایا۔ صاحبزادے ہم تو آپ کے غلام وخانہ زادے ہیں۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے آپ کے ہی جد کریم کا دیا ہوا ہے۔ ہم نے شروع میں جو کیا آپ کے ہی جد کریم کے حکم کی بجا آوری اور انہیں کے دین کا پرچم بلند کرنے کیلئے! ایسا معلوم ہورہا تھا کہ ایک چاکر اپنے مالک کے پاؤں پکڑ کر اس سے معافی مانگ رہا ہے۔ اس وقت پورے مجمع پر رقت طاری تھی اور کھلی آنکھوں سے دنیا دیکھ رہی تھی کہ بلاشبہ حق وہدایت، اطاعت شرع، اتباع سنت انہیں بزرگوں کے دم قدم سے ہے۔

درود ہو میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے فرمایا من رأی منکراً فلیغیرہ بیدہ جو برائی دیکھے اپنے ہاتھ سے اسے درست کرے۔ اور سلام ہو حضور مفتی اعظم ہند پر کہ آپ نے سرکار کے اس حکم پر پوری زندگی عمل کرکے شاہراہ حق قائم فرمادی۔

ماہنامہ استقامت، کانپور ۱۹۸۳ء۔

☆☆☆

مفتی اعظم علم وفن کے دریائے ذخار

(حضرت علامہ شاہ اختر رضا صاحب ازہری آستانہ رضویہ بریلی شریف)

جدی الکریم مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان میرے مربی بھی تھے استاد بھی اور شیخ طریقت بھی اور ایسے شیخ جو حقیقی معنوں میں آقائے نعمت اور دریائے رحمت تھے ان کا فیض اپنے مریدین ہی کے لئے نہیں ہر کسی کے لئے عام تھا اس سورج کی روشنی میں جو آیا اسے روشنی ملی، توانائی ملی اور ذروں کو بھی وہ تابانی ملی کہ وہ بھی چمکنے لگے مفتی اعظم کی عظمت ان کی علمی جلالت ان کی ولایت و کرامت اور دوسرے محاسن کا میں کہاں تک ذکر کروں میں کچھ بھی کہوں گا تو کہنے والے کہیں گے کہ اپنے بزرگوں کی تعریف تو سبھی کرتے ہیں میں تو اتنا جانتا ہوں کہ بڑا وہ ہے جس کی بڑائی نہ صرف عقیدت مند اور اپنے تسلیم کریں بلکہ غیر بھی تسلیم کریں جدی الکریم مفتی اعظم اس معیار پر پورے اترتے ہیں وہ ظاہری حیات میں تھے تب بھی خاموش رہے اور لوگ ان کے بارے میں بولتے رہے لکھتے رہے اور چہرہ کو ہی دیکھ کر جانے کتنے بھٹکے اور بگڑے ہوئے لوگ منزل پا گئے اور بن سنور گئے اور آج بھی جب وہ بظاہر اس دنیا میں ہماری نگاہوں کے سامنے نہیں ہیں تب بھی دنیا ان کی باتیں کرتی ہے ان کی محفل سجاتی ہے ان کی یاد کی محفل ان کا عرس مناتی ہے اور انشاء اللہ یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا بہر حال میں زیادہ نہ کہکر مختصراً مفتی اعظم کے کچھ حالات و واقعات پیش کر رہا ہوں جس سے سرکار مفتی اعظم کی عظمت اور ان کی بڑائی کا پتہ چلتا ہے مفتی اعظم اللہ کے ولی تھے ولی برحق اور ولی ہونے کے لئے کرامتوں کا ظہور اور خوارق عادات ضروری نہیں حالانکہ مفتی اعظم سے بیشمار کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں ولی وہ ہیں جو تقویٰ شعار ہو اِن الاولیاؤہ الا المتقون (اللہ کے ولی نہیں مگر متقی) مفتی اعظم کے متقی

ہونے میں کسے شک ہے وہ متقی ہی نہیں متقی اعظم تھے۔

آخری عمر میں حضرت کا کشف بہت بڑھ گیا تھا اور میں نے سفر میں بھی اکثر حضرت کے کشف کا مشاہدہ کیا ہے اپنے ہی ساتھ گزرا ہوا ایک کشف کا واقعہ بیان کر رہا ہوں دارالعلوم امجدیہ ناگپور کے سنگ بنیاد کے موقع پر چندہ ہو رہا تھا میں نے اپنا روپیہ بکس میں رکھ دیا تھا اب سوچا اس وقت روپے ہوتے تو میں بھی اس میں کچھ حصہ لیتا ابھی یہ خیال دل میں آیا ہی تھا کہ حضرت نے اپنی جیب سے دو سو روپیہ نکال کر دیا اور فرمایا یہ اختر میاں کی طرف سے ہے میں فوراً سمجھ گیا کہ حضرت کو بذریعہ کشف میرا خیال معلوم ہو گیا اسی ناگپور کے سفر میں، حضرت میں اور حضرت کا خادم ٹرین سے جا رہے تھے ڈبہ میں بڑی بھیڑ تھی حضرت آرام فرما رہے تھے ظہر کا وقت تنگ ہو رہا تھا میں بڑا پریشان تھا کہ حضرت اس بھیڑ بھاڑ میں کیسے وضو فرمائیں گے اور کیسے نماز ہو گی ابھی کشمکش میں ہی تھا کہ حضرت خود بخود بیدار ہو گئے اور بھیڑ نے خود راستہ دیدیا حضرت نے وضو کیا اور پھر فرمایا تم لوگ جگہ کر دو ہم نماز پڑھیں گے سبھی غیر مسلم تھے اسمیں سے ایک نے کہا جگہ تو ہے نہیں کیسے نماز پڑھیں گا ے حضرت کو جلال آ گیا اور کہا کہ ایک پر ایک چڑھ جاؤ وہ ایک دوسرے سے سمٹ سمٹ کر کھڑے ہو گئے اور نماز کے لئے جگہ مل گئی اور حضرت کے طفیل ہم سب کو بھی نماز مل گئی۔

اس واقعہ سے نہ صرف حضرت کی کرامت کا ظہور ہوتا ہے بلکہ ان کی شریعت پر سختی سے پابندی، ان کے تقویٰ اور بے خوفی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

حضرت کی دعاؤں کی مقبولیت

حضرت کی دعاؤں کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ تمام مادی وسائل ہوتے ہوئے بھی لوگ جب تک اپنے کسی مسئلہ یا معاملہ میں حضرت سے دعا نہ کرالیں انہیں اپنے مسئلہ کے حل یا کام کے ہونے کا یقین نہیں ہوتا تھا لاکھ بے سروسامانی کے عالم میں اگر حضرت نے دعا

فرمادی تو انہیں اپنے کام کے بن جانے کا پورا پورا یقین ہو جاتا تھا اور وہ کام بھی ہو جاتا تھا اس طرح کے جانے کتنے واقعات ہیں جن کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔

جونا گڑھ کے پاس ایک مقام ہے بلکھا وہاں حضرت کے ساتھ مجھے بھی جانا تھا حضرت کو لوگ گھیرے ہوئے تھے اور تاخیر ہو رہی تھی اب بلکھا والوں نے مجھ سے کہا کہ تب تک آپ چل کر تقریر کریں حضرت بعد میں آ جائیں گے میں نے کہا حضرت سے اجازت لے لیجئے حضرت نے اجازت بھی دیدی اور دعا بھی فرمادی کہ تمہاری تقریر کامیاب ہو اللہ کے فضل اور حضرت کی دعا سے تقریر کامیاب ہوئی اور لوگوں کو فائدہ ہوا۔

بعد داخل سلسلہ برکتوں کا ظہور

میں بچپن سے ہی حضرت سے داخل سلسلہ ہوں جامعہ ازہر سے واپسی کے بعد میں نے اپنی دلچسپی کی بنا پر فتوے کا کام شروع کیا شروع شروع میں مفتی افضل حسین صاحب علیہ الرحمہ اور دوسرے مفتیان کرام کی نگرانی میں یہ کام کرتا رہا اور کبھی کبھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر فتویٰ دکھا دیا کرتا تھا۔

میرے کرم فرما اور علمی دوست مفتی قاضی عبد الرحیم صاحب بستوی بھی میری ہمت افزائی کرتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد اس کام میں میری دلچسپی زیادہ بڑھ گئی اور پھر میں مستقل حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے لگا حضرت کی توجہ سے مختصر مدت میں اس کام میں مجھے وہ فیض حاصل ہوا کہ جو کسی کے پاس مدتوں بیٹھنے سے بھی نہ ہوتا۔

قاری اسرائیل صاحب اثر فیضی جھریاوی نے بیان کیا کہ بچپن میں ان کی آنکھ میں روشنی نہیں کے برابر تھی لیکن حضرت سے مرید ہونے کے بعد انہیں ایسا محسوس ہونا شروع ہوا کہ دن بدن آنکھ میں روشنی بڑھتی جا رہی ہے اور آج وہ دن میں بہ آسانی بغیر کسی کے سہارے چلتے پھرتے ہیں اور لکھنے پڑھنے بھی لگے ہیں وہ خود کہتے ہیں کہ یہ حضرت کی

کرامت اور آپ سے بیعت ہونے کے بعد مجھ پر ان کی برکتوں کا ایسا ظہور ہوا کہ نہ صرف آنکھ کی روشنی ملی بلکہ دل کی روشنی بھی ملی اور میں خود بھی اندھیرے سے روشنی میں آ گیا اور مجھے مقبولیت حاصل ہو گئی۔

تعویذ کی برکت

حضرت کے نقوش و تعویذات کی برکتیں بے شمار ہیں ایک بار میرے بچے کو سخت بخار آیا گھر والے گھبرا اٹھے میں نے حضرت سے تعویذ لیا بخار بہت جلد اتر گیا۔

عشق رسول میں فنائیت

سیدی مفتی اعظم حضرت مصطفے رضا قدس سرہ العزیز رضائے مصطفے تھے اور جو عظمت انہیں حاصل ہوئی محبت رسول علیہ الصلوۃ والتسلیم ہی کی بنا پر اور بلاشبہ عشق مصطفے علیہ التحیۃ والثناء ہی جان ایمان ہے حضرت کی سرکار علیہ السلام کے عشق میں فنائیت کا شاہد ان کی زندگی کا ہر لمحہ ہے ان کی محبت رسول میں فنائیت کا صحیح اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آخری عمر میں باوجود شدید علالت کے نعت کی محفل میں گھنٹوں باادب بیٹھے رہتے تھے اور نعت پاک کے ہر ہر مصرعے پر رونا اور والہانہ کیفیت کا طاری ہونا اس بات کا غماز ہے کہ وہ مصطفے کی محبت میں ضم ہو چکے تھے۔

فقر و توکل

فقر و توکل ولایت کی پرکھ ہوتی ہے تقسیم ہندو پاک کے موقع پر مفتی اعظم پر جو حالات گزرے ہیں اس کا بیان کیا جائے بس یہ سمجھ لیجئے کہ ان کی جگہ پر اگر پلٹن بھی ہوتی تو وہ اپنا مقام چھوڑ دیتی مگر حضرت ہر طرح کے حالات سے نپٹتے رہے اور ان پر خوف و ہراس نہ

طاری ہوا۔ لوگوں نے ترک وطن تک کا مشورہ دیا مگر استقامت کا یہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا جبری نس بندی کے دور میں اس کے خلاف آواز بلند کر کے حضرت نے جس بیبا کی اور حق گوئی کا ثبوت دیا اس زمانہ میں اس کی مثال مشکل ہے اللہ پر توکل کی یہ بھی ایک مثال ہے کہ فتنہ ارتداد کے سد باب میں حضرت نے جان کی بازی لگا دی میلوں پیدل چلتے بھوکے پیاسے رہ کر تبلیغ کرتے اور مشرکین کے جال میں پھنس گئے مسلمانوں کو گمراہ ہونے سے بچایا اور جو مسلمان دھوکے میں آ کر مرتد ہو گئے تھے انہیں ارتداد سے نکال کر توبہ کرائی اور اسلام کے دامن سے پھر سے وابستہ کر دیا۔

التزام شریعت

شریعت کا جو التزام مفتی اعظم نے فرمایا اسے دیکھ کر صحابہ کرام اور ان کی زندگی کو دیکھنے کا شوق پایا جاتا ہے بارہا ایسا ہوا کہ نماز کے لئے ٹرین چھوڑ دی حتی کہ آخیر وقت میں وصال سے چند گھنٹے قبل بھی نماز کا خیال رکھا اور سردی کے موسم میں باقاعدہ وضو کر کے کھڑے ہو کر نماز مغرب ادا کی۔

معمولات

سفر میں ہو یا حضر میں حضرت مفتی اعظم پانچوں وقت کی نماز کے بعد وظیفہ میں مشغول رہتے تھے بقیہ وقت تعویذ لکھنے، لوگوں کی حاجت بر آری اور فتویٰ نویسی میں گزرتا تھا۔ گئے رات تک اپنے تلامذہ و خدام کو فتویٰ نویسی سکھاتے رہتے رات کبھی زیادہ تر عبادت اور ریاضت میں گزرتی اکثر دوپہر کا کھانا تک نہ کھاتے مہمانوں کا بڑا خیال رکھتے اور صحت کے عالم میں خود مہمانوں کو اپنے سامنے کھانا کھلاتے اور ان کی خاطر داری کرتے۔

تبحّر

مفتی اعظم علم کے دریائے ذخار تھے۔ جزئیات حافظے سے بتادیتے تھے۔ فتاوے قلم برداشتہ لکھدیا کرتے تھے ان کا عمل ان کے علم کا آئینہ دار تھا ان کے عمل کو دیکھنے کے بعد اگر کتاب لکھی جاتی تو اس میں وہی ملتا جو حضرت کا عمل ہوتا تھا ہر معاملہ میں حضرت ہی کی رائے اول ہوتی تھی اور جن علمی اشکال میں لوگ الجھ کر رہ جاتے تھے وہ حضرت چٹکیوں میں حل فرمادیا کرتے تھے۔

خصوصیات جو ہم عصروں سے ممتاز کرتی ہیں

سیدی مفتی اعظم احتیاط اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں ان کا وہ مقام تھا جو دوسرے حضرات میں نہیں پایا جاتا تھا قدم قدم پر لوگوں کو برائی سے باز رکھنا نیکی کی تلقین کرنا اور بلا جھجک غیر شرعی حرکت پر ٹوک دینا یہ وہ خوبیاں ہیں جو سیدی مفتی اعظم میں ان کے ہم عصروں سے زیادہ پائی جاتی تھیں۔

ماہنامہ استقامت کانپور ۱۹۸۳ء

☆☆☆

مفتی اعظم کے ایک فتوے کا تقابلی مطالعہ

(مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

کسی شخصیت کے علمی فضل وکمال سے آشنائی کے لئے دو ہی طریقے زیادہ کارگر اور معتبر ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ خود اس کی علمی گفتگو سنی جائے اور مختلف موضوعات پر اس سے کلام کر کے اس کی وسعت نظر، استحضار، اور علمی گہرائی کا اندازہ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اگر اس کی رشحات قلم ہوں اور متعدد موضوعات پر اس کے مضامین وکتب دستیاب ہوں تو انہیں پڑھ کر اس کے علمی منصب ومقام کا تعین کیا جائے۔ ماضی کی شخصیات کے بارے میں یہی دوسرا طریقہ زیادہ استعمال ہوتا ہے اور باوثوق سمجھا جاتا ہے اور دوسروں کی زبانی فضل و کمال کا جو اجمالی تعارف کرنے والے افراد کا علم وکمال اور ثقاہت وتقویٰ اس کے نزدیک زیادہ قوی نہ ہو تو اس کے لئے اعتماد اور مشکل ہو جاتا ہے۔

ہم نے مفتی اعظم کی علمی مجلسیں تو بالکل نہ پائیں یا بہت ہی کم پائیں۔ اس لئے ہمارے لئے ان کی تصانیف اور ان کے رشحات قلم ہی مشعل راہ کا کام کر سکتے ہیں۔ اور بحمدہ تعالی جب ہم ان کا مطالعہ کرتے ہیں تو نہ صرف فقہ وفتویٰ بلکہ تفسیر وحدیث، عقائد وکلام، عربیت وبلاغت، حسن انشاء وکمال تفہیم، حالات زمانہ سے آشنائی اور حکمت وتدبیر جیسے بہت سے محاسن مفتی اعظم کی ذات میں یکجا نظر آتے ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یا اس دعوے کی تصدیق کے لئے میں کچھ شواہد پیش کر رہا ہوں۔ تا کہ عام قارئین بھی مفتی اعظم کی جلالت شان سے کسی قدر روشناس ہو سکیں۔

فتوے کا کام کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ مفتی اعظم کے زمانے میں اور اس عصر سے پہلے اور بعد میں بھی یہ کام برابر ہوتا رہا ہے اور آج بھی جاری ہے مگر جب فتاویٰ کا تقابلی مطالعہ کیا

جائے اور ہر مفتی کے خاص کمال کو گہری نظر سے دیکھنے کی کوشش کریں تو ہر ایک کا جوہر نمایاں ہوتا ہے۔اور جوان میں ممتاز ہے اس کی امتیازی حیثیت عیاں ہوتی ہے۔

حسن اتفاق سے مجھے ایک سوال ایسا ملا جس کا جواب مفتی اعظم کے ساتھ ان کے معاصر متعدد ارباب فتویٰ نے رقم کیا ہے۔ان جوابات میں جو فرق میں نے محسوس کیا وہ بیان کرنے میں اگر کامیاب ہو گیا تو کسی حد تک مفتی اعظم کے افتا کا کمال واضح ہو سکے گا۔

قصہ یہ ہے کہ تحریک خلافت کے دوران مسٹر ظفر بی اے کی ایک نظم بعنوان ''نالۂ خلافت'' کئی بار شائع ہوئی۔ پھر جون ۱۹۲۵ء کے اخبار زمیندار میں وہی نظم ''فیصلۂ کفرو اسلام'' کے عنوان سے دوبارہ چھپی۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے خلیفہ وشاگرد مولانا سید احمد ابوالبرکات قادری رضوی قدس سرہ (۱۳۱۳ھ ۱۳۹۸ھ) نے اس نظم کے تین اشعار سے متعلق مفتیان کرام سے استفتاء کیا۔اور ان کے جوابات شائع کئے۔ (بعض حضرات سے سوالات میں اس سے قبل کے بھی دو شعر ارسال کئے گئے تھے۔)

اشعار یہ ہیں۔

یہ سچ ہے کہ اس پہ خدا کا چلا نہیں قابو ۔۔۔ مگر ہم اس بت کافر کو رام کرلیں گے
بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں ۔۔۔ وہیں پہنچ کے ہم اس سے کلام کرلیں گے
جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی ۔۔۔ خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے

ذوق ایمانی رکھنے والا ہر شخص ان اشعار کو سنکر ہی متنفر و بیزار ہو جائے گا۔اور پکار اٹھے گا کہ یہ کسی ایمانی فکر و ذہن کی پیداوار نہیں ہے۔اور شاعر حریم الاسلام سے قدم باہر نکال چکا ہے۔مگر جب ایک مفتی سے اس کے متعلق سوال ہوگا تو وہ محض اپنے ذوق کے حوالہ سے جواب نہیں دے سکتا، بلکہ عقل واستدلال کی کسوٹی پر پرکھ کر اور شرعی اصول پر ہر شعر کی جانچ کر و شگاف انداز میں دلائل و وجوہ کے ساتھ واضح کر کے اسے جواب دینا پڑے گا۔

اب آئیے دیکھیں کہ مفتیان کرام نے کیا جوابات تحریر فرمائے۔

(۱) مفتی مدرسہ ارشاد العلوم رام پور، مولانا ارشاد حسین مجددی نے ان تین اشعار اور ان سے قبل کے دو اشعار دیکھ کر جو حکم تحریر فرمایا ہے وہ ان کے الفاظ میں یہ ہے "صورت مسئولہ میں تیسرے شعر کا پہلا مصرع، اور چوتھا شعر، اور پانچویں شعر کا آخری مصرع لزوم کفر میں صریح ہے۔ اس وجہ سے تیسرے شعر کے پہلے مصرع میں قائل خدائے تعالیٰ کے عاجز ہونے کی تصریح کرتا ہے۔ وهل هذا الا كفر صريح۔ اور چوتھے شعر کو بالفرض اگر تعریض پر محمول کیا جائے تب بھی ایسی تعریضیں کہ جن سے حق سبحانہ وتعالیٰ کی شان و شوکت کی تنقیص مترشح ہو اور اس کی تنزیہ وتقدیس کے خلاف ہوں قطعاً کفر ہیں۔ خدا خدا نہ ہوا بلکہ ان یاوہ گو۔ الشعراء يتبعهم الغاوون کے تعریضات اور تمسخر کا آلہ ہو گیا کہ کبھی کسی اکفر سے خدا کو تعبیر کر دیا اور کبھی مشرک سے، كبرت كلمة تخرج من أفواههم ۔ کجا حق سبحانہ وتعالیٰ وحدہ لاشریک لہ، معبود برحق اور کجا رام و لچھمن کہ جو دو شخص اہل ہنود کے معبود باطل، جن کو وہ نعوذ باللہ خدا مانتے اور جانتے ہیں۔

مؤخر الذکر تین شعروں کے بعض الفاظ صریح کفر ہیں۔ اور شرعاً حکم کفر اس پہ ہوتا ہے جس پر صراحتہً قائل کا لفظ دلالت کرے اگرچہ قائل نے قصد کفر نہ کیا ہو"۔

مذکورہ اشعار کے حکم میں کل اتنی ہی بات ہے جو اس فتوے میں لکھی گئی اور قائل پر حکم کی صراحت قید تحریر میں نہ آئی۔ ہاں ابتدائی تمہید اور بعد کی عبارتیں ایک ساتھ ملانے کے بعد یہی متعین ہوتا ہے۔ کہ صاحب فتویٰ کے نزدیک اشعار کے قائل کی تکفیر ہی ہو گی۔ وجہ کفر میں صرف ایک بات واضح طور پر بیان کی گئی کہ پہلے مصرع میں قائل نے خدا کے عاجز ہونے کی تصریح کی ہے۔ اس کے باوجود یہ فرمایا ہے کہ "لزوم کفر" میں صریح ہے۔ اور بطور ابہام یہ لکھا ہے کہ تین شعروں کے بعض الفاظ صریح کفر ہیں۔ جبکہ ان الفاظ کی صراحت اور وجہ کفر کی وضاحت کے لئے قاری کی جستجو اور دریافت کو سخت تشنگی محسوس ہوتی ہے۔

(۲) دوسرا فتویٰ پاکستان کے مشہور عالم مولانا عبدالکریم درس مفتی کراچی کا ملاحظہ ہو، ان

کے پاس مذکورہ تین اشعار اوران سے قبل کے دو شعر ارسال ہوئے تھے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

''نیچے کے تینوں شعر متوازی بکفر ومحتوی ارتداد ہیں۔ ان تینوں شعروں میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس کا حقیقی معنی مہجور یا متعذر یعنی ایسا متروک الاستعمال ہو جس میں تاویل کی گنجائش ہو۔ تیسرے شعر کے جملہ ''یہ سچ ہے'' سے شائبہ شک بھی دور ہو گیا۔ اور نعوذ باللہ من سوء ذاک الاعتقاد، خالق کا اپنی مخلوق پر قابو نہ چلنے کی تحقیق اور تاکید ہوگئی اور آیہ کریمہ وھو علی کلّ شئ قدیر سے صاف صاف انکار ہو چکا۔ وھذا کفر صریح اور دوسرے مصرع میں ذات خداوندی پر اپنی ندّیت ثابت کی ہے۔ خاک بدہن قائلش۔

چوتھے شعر کے پہلے مصرع سے اس موجود حقیقی کا کعبہ سے خلو، اور لندن کو اس لامکان ذات کا مکان اور مقام قرار دینا کفر نہیں تو اور کیا ہے۔؟

اور دوسرا مصرع پہلے مصرع کا مؤید یعنی وہیں پہنچ کر ہم اس سے کلام کرلیں گے۔'' ''اور کلام کرلیں گے''۔ سے کلیم اللہ بننا سب سفسطہ اور الحاد ہے۔

پانچویں شعر میں آیۃ کریمہ لا یستوی الاعمیٰ والبصیر کا انکار ہے۔ مولوی اور مالوی یعنی مومن اور کافر، عارف اور اجنبی یعنی غیر عارف، دونوں مسٹر ظفر کے سامنے برابر ہیں۔ مالوی اور مولوی تو مولوی ایک فاسق مسلم کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ ان شعروں کا قائل کافر اور مرتد ہے۔ إلّا أن یرجع ویتوب

اس فتوے میں وجوہ کفر کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ کہنا کہ مخلوق پر خالق کا قابو نہ چلا (۲) اپنے کو ذات الٰہی کا مساوی ومقابل ٹھہرانا

(۳) ذات لامکان کے لئے مکان قرار دینا (۴) کلیم اللہ بننے کا دعویٰ اور خیال

(۵) مومن وغیر مومن کو یکساں قرار دینا اور دونوں میں فرق نہ جاننا۔

ساتھ ہی قائل کا حکم آخر میں واضح کر دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ فتویٰ پہلے فتوے سے

زیادہ وقیع اور تشفی بخش ہے۔ بیان میں اجمال اور عربی الفاظ کے کثرت سے استعمال کی شکایت کی جا سکتی ہے۔ وہ غالباً اس وجہ سے ہے کہ مستفتی خود ہی زبردست عالم ہیں۔ بہر حال بحیثیت مجموعی پہلے فتوے سے یہ بدرجہا واضح و جامع ہے۔

(۳) تیسرا فتویٰ مولانا محمد ابراہیم قادری مدرس اول دار العلوم شمس العلوم بدایوں کا ملاحظہ ہو وہ لکھتے ہیں۔

فقہائے کرام علیہم الرحمہ نے فرمایا کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کو معاذ اللہ ایسے وصفوں سے متصف کرے کہ اس کے لائق نہ ہوں۔ یا خدائے تعالیٰ کو جاہل، عاجز ٹھہرائے یا اس کے نام کے ساتھ تمسخر کرے۔ اور اختیاراً ایسے قول کہے (وہ تعریضاً اور نقلاً نہ ہوں) اگرچہ کہنے والا اسے کفر نہ جانے اور اس کا اعتقاد نہ رکھے وہ شرعاً ایسے قول کی بنا پر کافر ہو جاتا ہے۔

اس بیان کو مؤید عبارتیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

''جو شخص نثراً نظماً یہ کہے کہ خدا کا اس بت کافر پر قابو نہ چلا مگر اس کو مطیع کر لوں گا، یا خدا خدا کی جگہ رام رام باتباع فلاں کافر کر لوں گا تو یہ کلمات صریحا کفر کے ہیں۔ جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ اگرچہ کہنے والا اعتقاد نہ رکھے۔

اس فتوے کی تمہید میں چند وجوہ کفر ذکر کرنے کے بعد ان کے قائل کا حکم بیان کیا اور اس کی تائید میں کتب فقہ کی عبارتیں پیش کر دیں۔ آخر میں شعر سے متعلق کفر کی دو وجہیں تحریر کیں۔ ایک خدا کو عاجز اور اپنے کو قادر بتانا۔ دوسری خدا کی جگہ باتباع کافر رام رام کرنا، ان سب کو کفریہ کلمات بتایا۔ اور قائل خاص کا حال غالباً تمہید فتوے کی روشنی میں فہم ناظرین پر چھوڑا۔

بہر حال اس میں دو وجہیں بہت صراحت کے ساتھ بیان کیں۔ اور قائل کا حکم بھی کسی قدر ظاہر کر دیا۔ اگرچہ بالفاظ خویش صراحت نہ کی۔ اس لحاظ سے یہ فتویٰ پہلے فتوے سے بہتر اور دوسرے فتوے سے کم تر ہے۔

(۴) چوتھا فتویٰ امام احمد رضا قدس سرہ کے سچے اور جاں نثار حامی ہمارے مخدوم گرامی حضرت مولانا سید اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی سجادہ نشین سرکار مار ہرہ شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ ورحمنا بہ کا ہے۔ ان کی ابتداء واشگاف اور واضح وغیر مبہم ہے اور جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس میں کسی شہرت گیر اخبار کے ایڈیٹر کے ادنیٰ سے ادنیٰ پاس ولحاظ سے بہت دور ہو کر دین وایمان، حقیقت وحقانیت کی پاسداری کا جذبہ بہت عیاں ہے۔ جو اس خاندان والا شان کی ہر دور میں نمایاں روایت رہی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ آج بھی جاری ہیں۔ رقمطراز ہیں۔

''شعر نمبر ۳۔ یقیناً، قطعاً کفر خالص ہے۔ اس میں نہایت صاف واضح الفاظ میں خدا کو عاجز کہا اور عاجز بھی کیسا کہ جس ''بت کافر'' پر بقول اس شاعر کافر کے خود یہ قادر ہے۔ خدا کا اس پر کچھ نہیں چلا۔ اور یہ خدا کی طرف عجز کی نسبت، اور وہ بھی ایسی، یقیناً قطعاً اجماعاً کفر خالص ہے۔

اس کے بعد تائیدی عبارتیں نقل کی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:

''یہ شعر اپنے اس معنی کفری میں نہایت واضح وصاف، متعین، ناقابل تاویل وتوجیہ ہے۔ جس میں کسی ایسی تاویل کی جو اسے کفر سے نکال سکے اصلاً گنجائش نہیں۔ نہ ایسے کفر صریح میں ادّعائے تاویل مقبول وصحیح''۔

پھر شفاء ونسیم الریاض کی عبارتیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس شاعر کے خسار وبوار کے لئے اس کا یہی ایک ملعون شعر کیا کام تھا کہ اس نے آگے اور کفر بکا۔ اور شعر ۴ کے پہلے مصرع میں مشرک کو اپنا رہبر ورہنما، ہادی وپیشوا بنانے کی اپنی مشرک پرستی کو ایک تعلیق موہوم کی بے معنی آڑ کے ساتھ ظاہر کرنے کے بعد دوسرے مصرع میں صاف صاف کہہ دیا کہ۔ خدا خدا نہ سہی رام رام کر لیں گے۔

اس مشرک پرستی پر تو ردّ کامل علمائے اہل سنت کے رسائل میں ہے۔ یہاں کہنا یہ ہے کہ

اس دوسرے مصرع میں کلمۂ اسلام خدا خدا کو ایک کلمۂ کفر رام رام سے مساوی ماننا اور اس کلمۂ اسلام کو چھوڑ کر اس کلمۂ ملعونہ، یعنی رام رام کو اختیار کرنا ہے۔ اور یہ دونوں یقیناً کفر ہیں۔

کفر و اسلام کے مساوی جاننے کا کفر ہونا تو بدیہی ہے۔ اور رام کے معنی ہیں "رما ہوا، سمایا ہوا"۔ مشرک خدا کو اسی لئے رام کہتے ہیں کہ وہ ان کے زعم فاسد میں ہر شئے، ہر خلا میں رما ہوا، سمایا ہوا ہے۔ اور خدا کو کسی چیز میں رما ہوا جاننا یقیناً کفر ہے۔ (پھر عبارت اعلام ابن حجر و حوالۂ شفا)

اور کفر اس وقت کرے یا آئندہ، اس کے کرنے کا ارادہ کرے بہر حال اسی وقت کافر ہو جائے گا۔ (بعدہ عبارت ہندیہ عن الخلاصہ)۔

اس فتوے میں شاعر کا حکم بھی واضح ہے اور وجوہ کفر بھی تحقیقی طور پر صاف صاف بیان کی گئی ہیں۔ الفاظ بھی سلیس، اکثر عام فہم زوردار اور واضح و غیر مبہم استعمال کئے گئے ہیں۔ غور فرمائیں درج ذیل وجوہ کفر کو کس عمدہ طریقہ پر ثابت فرمایا ہے۔

(۱) خدا کی طرف عجز کی نسبت، بلکہ صراحتاً عاجز کہنا، وہ بھی اس حد تک کہ جس پر خود یہ شاعر قادر ہے وہ اس سے عاجز ہے۔

(۲) مشرک کو اپنا ہادی و پیشوا بنانا، جس کی تفصیل رسائل علمائے اہل سنت کے حوالہ کی۔

(۳) کلمۂ اسلام کو کلمۂ کفر کے مساوی ماننا۔

(۴) کلمۂ اسلام کو چھوڑ کر کلمۂ کفر اختیار کرنا۔

(۵) خدا کو کسی چیز میں رما ہوا سمجھنا۔

یہ پانچ وجہیں اس فتوے سے عیاں ہیں اور جیسا کہ راقم نے اخذ کیا۔ مولانا عبدالکریم درس علیہ الرحمہ کے فتوے سے بھی پانچ وجہیں دریافت ہوتی ہیں پہلی وجہ تو وہی ہے جو ہر فتوے میں بیان کی گئی ہے۔ باقی چار وجہیں الگ ہیں۔

(۲) اپنے کو ذات الٰہی کا مساوی و مقابل ٹھہرانا۔

(۳) ذات لا مکان کے لئے مکان قرار دینا۔

(۴) کلیم اللہ بننے کا دعویٰ

(۵) مومن و غیر مومن کو یکساں قرار دینا۔

اگرچہ یہ وجہیں مولانا سید اولاد رسول محمد میاں برکاتی علیہ الرحمہ کے طرز تحقیق اور انداز بیاں کے ساتھ بہت واضح طور پر نہیں لکھی گئیں۔ مگر ان کے کلام سے یہ وجہیں آسانی سے اخذ کی جا سکتی ہیں۔ تاہم تعداد وجوہ برابر ہے۔ اور فتوائے مارہرہ کی زبان و بیان کا کمال، اظہار حق میں صراحت و جسارت کا جلال، شعر کے فہم و تفہیم کے ساتھ بعض الفاظ کی تحقیق اور وجو کفریت پر کتب علماء کی تائید کا حسن و جمال اپنی جگہ عیاں ہے۔

(۵) اب آیئے امام احمد رضا قدس سرہ کے فرزند جلیل مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا قدس سرہ کے فتوے پر نظر ڈالیں جنہوں نے فتوے کے گھر میں آنکھیں کھولیں۔ فقہ و کلام کی باریکیوں کے حل میں طالب علمی کا زمانہ بسر کیا۔ اور یہ عہد ابھی سر بھی نہ ہوا تھا کہ افتاء کا آغاز کر دیا۔ اور والد گرامی کی اجازت افتاء اور عطا کردہ مہر سے سرفراز ہوئے۔ دراصل اسی فتوے کے لئے سابقہ چار فتوے بھی مکمل پاس و ادب کے ساتھ نقل کئے گئے۔ تقابلی مطالعہ کا کام ہی کچھ ایسا پیچیدہ ہے کہ بہت سے قابل قدر اور اپنی جگہ عظیم و جلیل رشحات قلم پر نگاہ نقد گزارتے ہوئے ہر ایک کے درجہ و مقام کو متعین کرنا فرائض میں داخل ہو جاتا ہے۔ مگر انشاء اللہ المولیٰ الرؤف الکریم ہم کسی حال میں اکابر کے ادب و احترام کا دامن ایک لمحہ کے لئے بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیں گے۔ وھو الموفق وخیر معین۔

اس فتوے پر بیس جلیل القدر علماء کی تصدیقات بھی ہیں۔ جن میں درج ذیل ہستیاں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

(۱) صدر الشریعہ ابو العلاء مولانا محمد امجد علی اعظمی (۲) صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین

مرادآبادی (۳) شیر بیشہ اہلسنت مولانا حشمت علی خاں قادری لکھنوی (۴) مولانا سید غلام قطب الدین سہسوانی سہیل ہند۔(۵) مولانا مفتی محمد غلام جان قادری ہزاروی، (۶) مولانا معوان حسین احمد مجددی (۷) مولانا محمد اسماعیل محمود آبادی (۸) مولانا حسین رضا قادری بریلوی (۹) مولانا محمد مختار صدیقی۔میرٹھی (۱۰) مولانا تقدس علی رضوی بریلوی۔ علیہم الرحمہ۔

مستفتی کی حیثیت سے نائب ناظم حزب الاحناف لاہور جناب محمد الدین کلاتھ مرچنٹ کا نام ہے۔اور صرف تین اشعار مذکورۃ الصدر سے متعلق سوال کیا گیا ہے کہ کفریات کا تعلق ان ہی تین سے ہے۔صورت سوال یہ ہے:

''آیا یہ اشعار شرعاً درست ہیں یا خلاف شرع ہیں۔درصورت ثانی شاعر کا کیا حکم ہے؟ ہمارے دیار کے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ان اشعار کا مفہوم کفر والحاد ہے اور قائل پر تجدید اسلام اور تجدید نکاح لازم اور جس طرح ان اشعار کی اشاعت عام ہوئی اسی طرح توبہ نامہ کی اشاعت بھی واجب ہے۔

بعض شعراء کا خیال ہے کہ ان اشعار کا مفہوم کفر نہیں، پس جناب کی خدمت میں گزارش ہے کہ اشعار ذیل کے مفاہیم پر غور فرما کر جو حکم شرع شریف ہوا سے دلائل فقہیہ سے مزین بمواہیر فرما کر پتہ ذیل پر حتی الوسع واپس فرمائیں''۔

خاص ان اشعار سے متعلق جواب سات صفحات پر مشتمل ہے۔اور درمیان میں علمائے دین کے خلاف عوامی غوغا آرائیوں اور نئی روشنی، نئی تہذیب کے بے حد بے جا تجدد پسند اور فرقہ نیچریہ کے اضلال واغوا اور کید وافترا کا رد ہے۔

چونکہ فتویٰ بہت تفصیلی ہے اس لئے یہاں اس کی تلخیص اور تقابلی مطالعہ کے طور پر ضروری تحلیل سے کام لیا جارہا ہے۔

ابتداءً چند مثالوں کے ساتھ واضح کرتے ہوئے یہ رقم فرمایا ہے کہ:

''اے عزیز یہ کیا پوچھتا ہے کہ اشعار درست ہیں یا خلاف شرع۔ ارے برادر دینی یہ پوچھ کہ کیسے اخبث واشنع کفریات ہیں، جن میں شائبہ بھی ایمان کا نہیں اور جوان کے کفر ہونے اور ان کے قائل وقابل کے کافر ہونے میں شک کرے اس کا کیا حکم ہے؟ بلکہ درحقیقت تو بات پوچھنے کی یہ بھی نہیں کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ قطعاً کفر ہیں، یقیناً کفر ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

بے شک ان اشعار کا قائل وقابل کافر اور جو اس کے کفر و مستحق عذاب ہونے میں ادنیٰ شک کرے وہ بھی اسی کا ساتھی''۔

ان الفاظ سے قول اور قائل اور ان کے حامی وموافق سبھی کا حکم پہلی نظر میں ہی واضح ہوجاتا ہے۔ تفصیل اور دلائل کا نمبر اس کے بعد آتا ہے۔ وہ یہ طرز افتاء ہے جو امام احمد رضا کے فتاویٰ میں عام طور سے ملتا ہے۔ الولد سر لأبیہ۔

ساتھ ہی ان سطور کے تیور سے عیاں ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ کی بارگاہ منزہ ومقدس میں جسارت و بے لگامی اور گستاخی وبدکلامی کس قدر شنیع وقبیح ہے جس کے بعد انسان کی ذاتی شان وشوکت اور وجاہت وشہرت شریعت مقدسہ کی عدالت عالیہ اور علمائے ربانیین کی بارگاہ حق پسند میں ذرا بھی پاس ولحاظ کے قابل نہیں رہ جاتی جیسے دنیاوی کچہریوں میں قتل ناحق کا یقینی مجرم یا کسی شاہی حکومت میں پاک وصاف بادشاہ پر غلط بہتان وافترا کرنے والا باغی یا خلاف تہذیب گالیاں دینے والا بے باک یا ایسے کسی سلطان کا قاتل پوری حکومت میں کسی کے نزدیک قابل رحم ولائق حمایت نہیں قرار پاتا اور ہر شخص اس کے خون سے زمین کا چہرہ رنگین کردینا سراسر عدل وانصاف تصور کرتا ہے۔ یہی حال ان افراد کا ہوتا ہے جو خدا کی تنزیہ وتقدیس اور اس کی اطاعت ووفاداری کا قلادہ گردن میں ڈال لینے کے بعد اس پاک وبے عیب ذات بلند کی شان اقدس میں بے ہودہ گوئی یا اس کے باجبروت قانون عام کی کھلی ہوئی خلاف ورزی وبغاوت اور اس کی حکومت میں رہ کر اس سے بے

وفائی پر اتر آتے ہیں۔ یقیناً یہ کوئی زیادتی یا ناانصافی نہیں ہے۔

نئی روشنی کے بے جا تجدد پسندوں کو شاتمان خدا اور رسول کی بہ حیثیت شاید آفتاب کی روشنی میں بھی نظر نہیں آتی، یا دماغوں کی صائب روشنی سے عاری ہو چکے ہیں۔ اس لئے مذکورہ بالا قسم کے دنیاوی فیصلوں کو تو حق وانصاف سمجھتے ہیں۔ مگر اس سے زیادہ بڑے جرم پر شرعی فیصلوں کو طعن وتشنیع سے یاد کرنا، اپنے ذہن ودماغ کا کمال اور اپنی زبان وقلم کا ہنر سمجھتے ہیں۔ جبکہ یہ سراسر ناانصافی ہے۔ بد دماغی اور بدزبانی ہے، خدا عقل سلیم سے نوازے اور حق کو حق، ناحق کو ناحق دکھائے۔

اب آیئے یہ دیکھا جائے کہ فتوے کی ابتدائی سطور کی تفصیل اور ان کی دلیل میں کیا لکھا گیا ہے۔

ابتدائی سطور چند باتوں پر مشتمل ہیں (۱) قول کا حکم (۲) قائل کا حکم (۳) اس قول کو ماننے والے اور قبول کرنے والے کا حکم (۴) قائل وقابل کے کفر میں شک لانے والے کا حکم۔ اس لئے تفصیل اور دلیل میں بھی ان سب سے بحث ناگزیر ہے۔ دیگر فتاویٰ سے اس فتوے کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہیکہ یہ صرف قول وقائل ہی نہیں بلکہ ذکر شدہ چاروں امور کا احاطہ کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو تحریر فرماتے ہیں:

”شعر اول کے دونوں مصرعے کفر خالص ہیں۔ (۱) پہلے میں صاف تصریح کی کہ اس بت پر خدا کا قابو نہ چلا۔

(الف) یہ اللہ عزوجل کی کھلی توہین اور اس کی قدرت عظیمہ، کاملہ، کریمہ، ان اللہ علی کل شئ قدیر کا رد وانکار ہے کہ ایک شئے ایسی بھی ہے جس پر خدا کو قدرت نہیں اور اس پر اس کا قابو نہیں اور وہ اس سے عاجز رہا۔

(ب) یہ سرے سے الوہیت کا انکار ہوا کہ جو عاجز ہو خدا ہی نہیں ہوسکتا۔ تو مصرعۂ خبیثہ لعینہ کے قائل نے الوہیت ہی کا حقیقتاً انکار وابطال کیا۔ تو بے شک وہ اور جو اسے قبول

کرے وہ ہر مسلمان کے نزدیک کافر ہوا اور جو ایسے کو کافر نہ جانے یا اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے کہ پہلے نے کفر کو کفر نہ جانا۔ الوہیت ہی کا انکار اگر کفر نہ ہوا تو اور کیا کفر ہوگا۔ ایمان کو ایمان جیسا جاننا ضروری ہے۔ یوں ہی کفر کو کفر جاننا۔ جو کفر کو کفر نہ جانے گا وہ ایمان کو ایمان کیا جانے گا کہ تعرف الأشیاء بأضدادھا (چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں) اندھا روشنی کی قدر کیا بتائے گا۔ اور دوسرے نے شک کیا۔ اور کفر کے کفر ہونے کی تصدیق ضروری ہے تو شک اور ایمان جمع نہیں ہوسکتے کہ تصدیق کا ہی نام ایمان ہے اور وہ بحالت شک ناممکن۔

(۲) اور دوسرے مصرعہ میں برملا اپنے آپ کو خدا سے زائد قدرت والا بتایا۔ تو اس کا مرتبہ گھٹایا اور اپنا رتبہ اس سے بڑھایا۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ کتنا خبیث ترین کفر ملعون ہوا۔ اس دوسرے مصرعہ میں اپنی الوہیت کا اثبات کیا، پہلے مصرعہ میں خدا کی الوہیت سے اسی لئے انکار کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ مطلب یہ ہوا کہ لوگ جسے خدا کہتے ہیں اور اس کی قدرت بہت عظیم مانتے ہیں اور اسے ہر شئے پر قادر جانتے ہیں۔ ہم سچ کہتے ہیں کہ ایک چیز ایسی ہے کہ اس سے وہ عاجز رہا۔ وہ اسے اپنی قدرت سے دبا تا رہا۔ مگر اس کا اس پر قابو نہ چلا تو وہ خدا نہ ہوا کہ خدا عاجز نہیں ہوتا۔

اور ہم اس چیز کو بھی رام کرلیں گے، جس پر لوگوں کے خدا کا قابو نہ چل سکا اور جس سے وہ عاجز رہا۔ کسی طرح اسے رام نہ کرسکا۔ تو ہم ہر شئے پر قادر ہوئے، تو ہم خدا ہوئے نہ کہ وہ عاجز جسے لوگوں نے خدا بنالیا۔ والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

کیا کوئی مسلمان اس کے کفر و ملعون ہونے میں ادنیٰ شک لائے گا۔ بیشک ہر مسلمان کہے گا کہ لاریب یہ کفر ہے اور اس کا قائل وقابل کافر۔

(۲) یوں ہی اس کا وہ دوسرا شعر

بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں

وہیں پہنچ کے ہم اس سے کلام کرلیں گے

کفر خالص ہے۔ (۱) مسلمانوں کا دین حق مقدس اسلام اللہ کو جسم وجسمانیات سے پاک بتاتا ہے۔

(ا) مکان جسم ہی کے لئے مخصوص ہے تو اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے وہ مجسّم نہیں۔

(ب) مکان مخلوق ہے وہ خالق ہے (ج) مکان حادث ہے وہ قدیم ہے۔ (د) مکان جسم کو محیط ہوتا ہے اور اللہ اس سے پاک ہے کہ کوئی شئے اس کا احاطہ کرے وہ اپنے علم و قدرت سے ہر شئے کو محیط ہے۔ واللہ بکل شئ محیط

اور شاعر لندن کو خدا کا مکان بتاتا ہے۔ تو خدا کو مجسم جانتا ہے اور لندن کو اسے محیط مانتا ہے جب تو کہتا ہے کہ خدا آج کل کعبے میں نہیں لندن میں ہے۔ بیشک وہ اہل اسلام کے نزدیک کافر ہے۔ اللہ ورسول کے نزدیک کافر ہے۔

باوجودیکہ مسلمان کعبۂ معظمہ، بلکہ ہر مسجد کو، اس لئے وہ خالصاً اللہ ہی کی ملک میں ہیں۔ بیت اللہ کہتے ہیں۔ مگر جو کعبہ معظمہ کو اللہ کا مکان اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس کا مکین مانے ان کے نزدیک کافر ہے یوں ہی اللہ عزوجل زمان سے بھی پاک ہے کہ زمانہ بھی حادث ومخلوق ہے۔

(۲) اور یوں بھی اس لئے کہ کعبۂ معظمہ سے لندن کو بڑھایا۔ کعبۂ مقدس کی توہین کی۔ مگر جو رب کعبہ کی ایسی شدید توہین وتنقیص کر چکا ہو ایسے سے اس کی کیا شکایت۔ ما علی مثلہ یعد الخطا۔

(۴) یوں ہی اس کا تیسرا شعر کھلا الحادوزندقہ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ

(ا) مولوی ومالوی اس کے نزدیک برابر ہیں۔ (ب) خدا اور رام ایک ہیں۔ (ج) کفر و اسلام میں کچھ فرق نہیں (د) اس کے نزدیک خدا خدا نہ کیا، رام رام کرلیا بات ایک ہی ہے۔ حاصل وہی ہے۔ حالانکہ ہرگز خدا رام نہیں۔ اور ہرگز رام خدا نہیں۔

(ہ) مشرکین کا مذہب نامہذب ہے کہ خدا ہر چیز میں رما ہوا، سرایت وحلول کیئے ہوئے ہے۔ خدا کو اپنے اسی عقیدۂ خبیثہ کی بنا پر رام کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ''رمنے'' اور حلول کرنے سے پاک ہے تو خدا کو رام کہنا کفر ہوا۔ اور خدا خدا کرنا عبادت۔ اور کفر کو عبادت جاننا کفر۔ اور نہ سہی فرض کیجئے کہ وہ رام کے یہ معنی نہ سمجھتا ہو جب بھی ہمارا خدا وہ نہیں، جو ہنود بے بہبود کا مذموم خدا ہے جسے مشرکین نے خدا سمجھ لیا ہے۔

(و) اور مشرکین میں اتنا جذب ہو جانے کو تو دیکھو کہ خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے کہ مسلمان اور ان کے پیشواؤں کو چھوڑنے کے ساتھ ساتھ ان کے معبود برحق کا ترک اور مشرکین میں گھلنے کے لئے ان کے معبود باطل کا اختیار ہے۔ اور یہ ترک اور اختیار دونوں کفر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ کیسا اخبث کلمہ ہے۔

جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی
خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے

کہ مولوی نہ ملے گا تو وہ بدنصیب مولوی کے خدا کو ہی چھوڑ دے گا۔ اور مشرکین کے طاغوت مالوی کو اختیار کرے گا اور مالوی کے خدا کو پوجنے لگے گا۔ اس قائل اور ان شعراء پر جنہوں نے کہا ہے کہ ان اشعار کے مفاہیم کفر نہیں، توبہ وتجدید ایمان فرض، اور ہر فرض سے بڑھ کر فرض ہے۔ نئے سرے سے مسلمان ہوں اور اپنی اپنی بیویوں سے جبکہ وہ راضی ہوں از سرنو نکاح کریں۔ اور اگر کہیں بیعت ہوں تو تجدید بیعت بھی لازم۔ یوں ہی اگر حج کر چکے ہوں تو حج کرنا بھی ضروری ہے کفر سے اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔ تو پہلا حج مثل اور اعمال کے حبط ہو گیا۔ اب دوسرا حج یوں فرض کہ حج کی فرضیت کا وقت عمر ہے۔ لہذا اب پھر حج ضروری وواجب، توبہ کریں اور بہانے نہ بنائیں کہ وہ کافر ہو چکے اپنے ایمان کے بعد واللہ الموفق (ملخصاً)

اس فتوے میں جو وجوہ کفر کا جس ژرف نگاہی اور دقت نظر سے جائزہ لیا گیا ہے وہ ناظرین پر عیاں ہے ساتھ ہی ہر وجہ کی دلیل بھی بیان کر دی گئی ہے۔ اور قائل کا حال بھی منکشف کر دیا گیا ہے۔ وجوہ کفر پر نظر ڈالیں تو درج ذیل امور سامنے آئیں گے۔

(۱) خدا کی قدرت کاملہ کا انکار اور اس کی عاجزی کا اقرار (۲) اس سے دراصل خدا کی الوہیت اور اس کے خدا ہونے سے انکار ہوا۔ (۳) اپنی قدرت کو خدا کی قدرت سے زائد بتانا۔ (۴) یہ دراصل اپنی الوہیت کا اثبات ہوا، اسی لئے پہلے خدا کی الوہیت سے انکار کیا۔ (۵) خدا کے لئے مکان ماننا (۶) مکان جسم کے لئے ہوتا ہے تو خدا کو جسمانی جاننا (۷) یہ ماننا کہ لندن اسے محیط ہے۔ (۸) لندن کو کعبۂ معظمہ سے بڑھانا اور کعبہ کو توہین کرنا (۹) مولوی و مالوی مومن و غیر مومن میں فرق نہ ماننا۔ (۱۰) خدا اور رام کو ایک سمجھنا (۱۱) کفر و اسلام میں فرق نہ جاننا (۱۲) کلمۂ اسلام خدا خدا اور کلمۂ کفر رام رام کو یکساں قرار دینا (۱۳) خدا کے لئے کسی چیز میں سرایت و حلول کے اعتقاد پر مشتمل لفظ اختیار کرنا (۱۴) اہل اسلام اور ان کے معبود برحق کا ترک (۱۵) اہل باطل اور ان کے معبود باطل کو اختیار کرنا۔

ان اشعار میں جو قوی، صاف، صریح اور ناقابل تاویل وجہیں التزاماً اور لزوماً موجود تھیں ان ہی کو فتوے میں واضح طور پر پیش کر کے ان کے احکام بیان کر دیئے گئے ہیں اور جو کچھ بیان کیا گیا یہ اس کی صداقت و قوت سے انکار کی گنجائش نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ خود فتوے کے الفاظ پیش کر دینے اور ان کی خصوصیات کی جانب اجمالی اشارہ اور مختصر وضاحت کر دینے کے بعد دیگر فتاویٰ سے اس فتوے کا امتیاز اور مفتی اعظم کی دقت نظر، جودت قلم، حسن تفہیم، کمال تنقیح، زور بیان، شوکت کلام اور سطوت فتویٰ عیاں کرنے کے لئے مزید تبصرے اور بسیط کی حاجت باقی نہیں رہی۔

اس فتوے کے آخر میں حسب طلب سائل نصوص فقہیہ بھی پیش کر دیئے گئے ہیں۔ اور

ایک حدیث کے ساتھ یہ حکم بھی مرقوم ہے کہ اعلان جرم کی طرح اعلان توبہ بھی ضروری ہے ۔ یہ گمان نہ کریں اوراب اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ کلمۂ کفر ایک بار زبان یاقلم سے نکل گیا اس کے بعد ہزار بار کلمہ پڑھا ہے اب تک کیا وہ کفر باقی رہ گیا؟ اس پر مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کی یہ عبارت بھی پیش کی ہے۔

"إن اتی بکلمة الشهادة علی وجه العادة لم ینفعه مالم یرجع عما قاله لأنه بالاتیان بکلمة الشهادة لایرتفع الکفر"

اگر بطور عادت اس نے کلمۂ طیبہ پڑھ لیا تو یہ اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہوگا۔ جب تک کہ توبہ نہ کرے، کیونکہ بغیر توبہ صرف کلمہ پڑھ لینے سے کفر ختم نہیں ہوتا۔

یہ مبارک فتویٰ انجمن حزب الاحناف لاہور سے پہلی بار ۱۳۴۴ھ میں شائع ہوا دوسری بار رضا دارالاشاعت رچھا ضلع بریلی شریف سے ۱۴۱۰ھ میں شائع ہوا۔ سرورق پر ایک عرفی نام ہے "سیف الجبار علی کفر زمیندار" دوسرا ہجری تاریخ پر مشتمل "القسورة علی ادوار الحمر الکفرة" (۱۳۴۳ھ) تیسرا عیسوی تاریخ پر مشتمل "ظفر علی رمة من کفر" (۱۹۲۵ء)

درمیان رسالہ ان لوگوں کی خبر گیری بھی ہے جو ایسے شخص کو دائرہ اسلام میں شمار کرتے ہیں، جو کلمۂ اسلام کا مدعی ہے خواہ اس کے ساتھ وہ نبوت کا دعویٰ کرے۔ مدعی نبوت کی حمایت کرے۔ اسے نبی یا امام و پیشوا مانے۔ خدا کے لئے کذب ممکن بلکہ واقع مانے۔ علم رسول کو حیوانات و بہائم کے علم سے ناپاک تشبیہ دے۔ کلمہ میں نام رسول کی جگہ اپنے پیر اشرف علی کا نام لے۔ جنت و نار، جن و ملائکہ کے وجود اور نماز و روزہ وغیرہ فرائض کا منکر ہو۔ ختم نبوت کی قطعی اجماعی معنی کو نہ مانے۔ دوسرا نبی آنا جائز یا واقع مانتے۔ اور ایسے ہی بڑے سے بڑے ایک یا چند کفر کا مرتکب ہو مگر ان کے نزدیک کلمہ پڑھ لینے کے بعد جس قدر کفریات کرتا اور بکتا رہے ایمان و اسلام رخصت نہیں ہوتا۔ آدمی سچا پکا مسلمان برقرار

رہتا ہے۔

ہاں جو ایسے سخت شنیع کفریات کے مرتکب کو کافر کہے وہ ان کے نزدیک مجرم ہے اس کی ہر طرح تذلیل و تحقیر ان کے یہاں داخل تہذیب و شرافت ہے۔ اس کے خلاف صفحات کے صفحات رنگین کرنا عظیم خدمت ہے۔ ان کے خیال میں کفر کرنا، کفر لکھنا کچھ عیب نہیں۔

ان خیالات فاسدہ کے رد میں رقم طراز ہیں:

''قرآن و حدیث ہمیں بتاتے ہیں کہ زمانۂ اقدس میں ایسے لوگ تھے جو کلمۂ اسلام پڑھتے تھے اور نہ صرف کلمۂ اسلام ہی پڑھتے تھے بلکہ دربار رسالت میں حاضر ہو کر شہادتیں ادا کرتے تھے کہ ضرور ضرور بے شک و شبہ یقینی حضور اللہ کے رسول ہیں۔ حضور کی خدمت میں حاضر رہتے۔ حضور کے پیچھے نمازیں پڑھتے۔ حضور کے ساتھ جہاد کرتے مگر اس کے باوجود انہیں اللہ و رسول نے جھوٹا، فریبی، کذاب، منافق فرمایا۔ اور ان کے اس کلمہ طیبہ کو پڑھنے اور بڑی بڑی تاکیدات کے ساتھ شہادت رسالت دینے اور نمازیں ادا کرنے اور جہاد میں شریک ہو کر اپنی جانیں دینے اور کفار کی جانیں لینے پر نظر نہ فرمائی۔ سب کو ہباءً منثوراً فرمادیا''۔ (انتہی بتلخیص یسیر)

اس کے بعد آیات و احادیث پیش کر کے اسے واضح فرمایا ہے کہ علماء جو کچھ بیان کرتے ہیں اپنی طرف سے نہیں، قرآن و حدیث سے بیان کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن نے ان باغیان بارگاہ صمدیت اور گستاخان دربار رسالت کو جس تذلیل و تحقیر کے ساتھ اور جیسے القاب حقارت کے ساتھ یاد کیا ہے علماء ان کے لئے وہ سب استعمال بھی نہ کر سکے۔ اگر اسی طرح وہ بھی انہیں یاد کرتے تو نہ معلوم کیسا کچھ جامہ سے نکلتے۔ آپے سے باہر آتے، اس پر قرآنی آیات لکھ کر وہ القاب مذمت عیاں کر دیئے ہیں۔ جو ان منکرین کے لئے وارد ہوئے۔ اس کے بعد فرمایا:

''بحمد اللہ تعالیٰ کلام اپنے منتہیٰ کو پہنچا اور ظاہر و باہر ہوا کہ یہ علماء کو بے تہذیب اور بے

ادب بتانے والے خود سخت وبےتہذیب اور نہایت بےادب ہیں''۔

آخر میں چند آیات وحدیث پیش کرکے یہ بھی واضح کردیا کہ ان باغیوں اور گستاخوں کے ساتھ اہل ایمان کو کیسا سلوک کرنے کی ہدایت وتعلیم دی گئی ہے۔ اور بنظر اختصار چند ہی پر اکتفا کی ہے۔

الغرض عہد وماحول کو سامنے رکھتے ہوئے اس مسئلہ کے تمام متعلقات کو بھی بیان کردیئے ہیں۔ اور متعدد فتنوں اور غوغا آرائیوں کی جڑ کاٹ کررکھ دی ہے۔ اہل عقل وخرد اگر عدل وانصاف کے ساتھ اس رسالہ کا مطالعہ کریں تو ان کے دلوں میں ایمان واسلام کی اہمیت، بارگاہ خدا اور رسول کی عظمت، کفر وارتداد کی شناخت وقباحت اللہ ورسول کے قطعی احکام کی خلاف ورزی وبغاوت کرنے والوں کی خرابی وحقارت اور شان خدا اور رسول میں بےادبی وجسارت کی رذالت اچھی طرح سے جاگزیں ہوسکتی ہے اور جاہلانہ وظالمانہ مکر وفریب اور فتنہ وفساد سے نجات بہت آسان ہوسکتی ہے۔

اس رسالہ کے مطالعہ سے مفتی اعظم کے علم وافتاء کے کچھ اور گوشے بھی ملے جو ان کے کچھ اور فتاوی میں بھی دیکھے۔ انشاء اللہ المولیٰ تعالی ان سب پر تفصیلی گفتگو ایک مستقل مضمون میں ہوگی۔ فی الحال میں سمجھتا ہوں کہ جو موضوع میں نے اختیار کیا اور جو عنوان منتخب کیا اس سے مکمل طور پر نہیں تو بڑی حد تک سبکدوش ہوچکا ہوں۔ وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب۔

☆☆☆

مفتی اعظم کا تقویٰ اور خشیت ربانی

(مولانا یٰسٓ اختر صاحب مصباحی دار القلم دہلی)

اطاعت خداوندی، اتباع سنت رسول، فرائض و واجبات کی پابندی، ارتکاب محرمات سے اجتناب، ترک نفسانیت، آداب شریعت کی محافظت، ظاہر و باطن میں یکسانیت، حقوق العباد کی رعایت، اور حسن اخلاق و کردار کے مجموعہ کا نام ہے تقویٰ و خشیت ربانی۔

رضائے الٰہی کی طلب وجستجو میں انہماک و استغراق اور بارگاہ مولیٰ میں عتاب و عقاب کے تصور سے خوف وسراسیمگی ہی تقویٰ وخشیت ربانی کا وہ جوہری عنصر ہے جو قرآن حکیم کا مطلوب ومقصود ہے۔

تقویٰ اور خشیت انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی وراثت ہے اور علماء کرام وراثت انبیاء کے حامل وامین ہیں۔ ربّ کائنات ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ط (سورۂ فاطر آیت ۲۸ پارہ ۲۲)

اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ تحریر کرتے ہیں " اور اس کی صفات کو جانتے اور اس کی عظمت کو پہچانتے ہیں۔ جتنا علم زیادہ اتنا خوف زیادہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا خوف اس کو ہے جو اللہ تعالیٰ کے جبروت اور اس کی عزت وشان سے باخبر ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

قسم اللہ عزوجل کی کہ میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اور سب سے زیادہ اس کا خوف رکھنے والا ہوں"۔ (خزائن العرفان)

اولادِ آدم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تمہیں دو طرح کے لباس دیئے ہیں۔ ایک تو وہ جس سے تم اپنے پوشیدہ اعضاء کو چھپاتے ہو اور ایک وہ جس سے تمہارے جسم کی آرائش وزیبائش ہوتی ہے لیکن ایک لباس ایسا ہے جو ان دونوں سے بھی اچھا اور بہتر ہے۔ "وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ (سورۂ اعراف آیت ۲۶ پارہ ۸)

اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بھلا۔ (ترجمہ کنزالایمان)

جس طرح دنیوی سفر کے لئے زادِ راہ ضروری ہے اسی طرح آخرت کے لئے بھی زادِ راہ ضروری ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے۔ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ز (سورۂ بقرہ آیت ۱۹۷ پارہ ۲) اور توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تقویٰ کے بعض دنیوی واخروی فوائد کا ذکر قرآن میں اس طرح آیا ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ" ؕ (سورۂ حجرات آیت ۱۳ پارہ ۲۶)

بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ (سورۂ طلاق آیت ۲/۳ پارہ ۲۸) اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا۔ اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔ (ترجمہ کنزالایمان)

وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (سورۂ زخرف آیت ۳۵ پارہ ۲۵)

اور آخرت تمہارے رب کے پاس پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ (سورۂ ذاریات آیت ۱۵ پارہ ۲۶)

بیشک پرہیزگار باغوں اور چشموں میں ہیں۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تقویٰ کیا چیز ہے اس کے مراتب کیا ہیں اور متقی کسے کہتے ہیں؟ اس کی کچھ تفصیل بیان

کرتے ہوئے سورۂ بقرہ کی پہلی آیت کریمہ کی تفسیر میں صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی تحریر کرتے ہیں۔

"هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" اگرچہ قرآن کریم کی ہدایت ہر ناظر کے لئے عام ہے مومن ہو یا کافر جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا هُدًى لِّلنَّاسِ لیکن انتفاع چوں کہ اس کے اہل تقویٰ کو ہوتا ہے اس لئے هُدًى لِّلنَّاسِ ارشاد ہوا۔ جیسے کہتے ہیں بارش سبزہ کے لئے ہے۔ یعنی منتفع اس سے سبزہ ہوتا ہے۔ اگرچہ برستی کلر اور زمین بے گیاہ پر بھی ہے۔

تقویٰ کے کئی معنی آتے ہیں۔ نفس کو خوف کی چیز سے بچانا۔ اور عرف شرع میں ممنوعات کو چھوڑ کر نفس کو گناہ سے بچانا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا متقی وہ ہے جو شرک و کبائر و فواحش سے بچے۔ بعضوں نے کہا متقی وہ ہے جو اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر نہ سمجھے۔ بعض کا قول ہے تقویٰ حرام چیزوں کا ترک اور فرائض کا ادا کرنا ہے۔ بعض کے نزدیک معصیت پر اصرار اور تقویٰ پر غرور کا ترک تقویٰ ہے۔ بعض کے نزدیک تقویٰ یہ ہے کہ تیرا مولیٰ تجھے وہاں نہ پائے جہاں اس نے منع فرمایا۔ ایک قول یہ ہے کہ تقویٰ حضور علیہ الصلاۃ والسلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی کا نام ہے (خزائن) یہ تمام معنی باہم مناسبت رکھتے ہیں اور مآل کے لحاظ سے ان میں کچھ مخالفت نہیں۔

تقویٰ کے مراتب بہت ہیں۔ عوام کا تقویٰ ایمان لا کر بچنا۔ متوسطین کا اوامر ونواہی کی اطاعت۔ خواص کا ہر ایسی چیز کو چھوڑنا جو اللہ تعالیٰ سے غافل کرے۔ (اجمل)

حضرت مترجم (امام احمد رضا) قدس سرہ نے فرمایا تقویٰ کی سات قسم ہے۔

(۱) کفر سے بچنا۔ یہ بفضلہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ (۲) بدمذہبی سے بچنا۔ یہ ہر سنی کو نصیب ہے۔ (۳) ہر کبیرہ سے بچنا۔ (۴) صغائر سے بھی بچنا۔ (۵) شبہات سے احتراز۔ (۶) شہوات سے بچنا۔ (۷) غیر کی طرف التفات سے بچنا۔ یہ اخص الخواص کا منصب ہے۔ اور قرآن کریم ساتوں مرتبوں کا ہادی ہے۔" (خزائن العرفان)

تقویٰ کے بارے میں متعدد اقوال اور روایتیں بیان کرتے ہوئے محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے فرمایا مجھے تقویٰ کے بارے میں بتایئے۔ انہوں نے فرمایا کیا آپ کبھی کانٹوں والے راستے پر چلے ہیں؟ فرمایا ہاں انہوں نے پوچھا وہاں آپ کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ڈرتا ہوں اور دامن بچا کر چلتا ہوں۔ حضرت کعب نے فرمایا تقویٰ اسی طرح ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۳۷۶)

ترجمہ: از مولانا محمد صدیق ہزاروی۔ فرید بک ڈپو اسنال اردو بازار لاہور۔ بار اول ۱۹۸۸ء

حضرت شہر بن حوشب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں متقی وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے جن میں حرج نہیں تاکہ حرج والی چیزوں میں داخل ہونے سے محفوظ رہے۔
(غنیۃ الطالبین ص ۳۷۶)

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں متقی اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۳۷۶)

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔ تقویٰ شبہات سے بچنے کا نام ہے۔
(غنیۃ الطالبین ص ۳۷۷)

تقویٰ اور متقی کے بارے میں یہ تفصیلات جاننے کے بعد ماضی قریب کی عہد ساز شخصیت تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری بریلوی قدس سرہ کی مقدس زندگی کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا سینہ خشیت ربانی سے معمور اور آپ کی حیات کا ہر لمحہ انوار تقویٰ سے پرنور تھا۔ آپ کا ہر عمل اطاعت خداوندی کا مظہر اور آپ کی ہر ہر ادا سنت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی ترجمان تھی۔

کلمۂ حق کے اظہار میں حضور مفتی اعظم کی ذات گرامی اپنی مثال آپ تھی۔ کسی سے

ڈرنا اور دبنا تو آپ نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ دنیا سے بے نیازی و بے رغبتی کے واقعات آپ کی زندگی میں قدم قدم پر ملتے ہیں۔ اور جن لوگوں کو آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہے اور آپ کی صحبت میسر ہے وہ گواہی دیں گے کہ شبہات سے اجتناب کے باب میں بھی آپ اپنے دور کے اہل تقویٰ میں امتیازی شان کے مالک ہیں۔

دو تین سال پہلے کی بات ہے حضرت مولانا مفتی محمد میاں ثمرؔ دہلوی کے دولت کدہ (باڑہ ہندو راؤ دہلی) پر میں حاضر ہوا۔ ان سے ایک مذہبی مسئلہ پر گفتگو ہو رہی تھی۔ انہوں نے دوران گفتگو مجھ سے یہ واقعہ بیان فرمایا۔

''مسجد فتحپوری دہلی میں ایک بار حضرت محدث اعظم سید محمد اشرف جیلانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ مسجد کے ایک حجرہ میں قیام فرمایا۔ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ دیر بعد چائے پیش کی گئی۔ یہ چائے کسی غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھی۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا حضور! بریلی کے مفتی اعظم تو غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے نوش نہیں فرماتے۔ چائے کی پیالی آپ کے سامنے رکھی تھی۔ آپ نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ مفتی اعظم غیر مسلم کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے نہیں پیتے یہ ان کا تقویٰ ہے۔ اور پھر چائے کی پیالی ہونٹ تک لیجاتے ہوئے ارشاد فرمایا اور یہ ان کا فتویٰ ہے۔ اس کے بعد اطمینان کے ساتھ چائے پینے لگے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ مولانا مرغوب حسن قادری اعظمی بیان کرتے ہیں ''ایک سفر میں حضور محدث اعظم اور حضور مفتی اعظم بعد نماز عصر مسجد ہی میں بیٹھ گئے۔ کسی نے وہیں آپ حضرات کی خدمت میں چائے پیش کی۔ حضور محدث اعظم نے مسجد ہی میں بیٹھ کر چائے نوش فرمائی۔ مگر حضور مفتی اعظم چائے کی پیالی لے کر مسجد کے باہر تشریف لے گئے اور چبوترہ پر بیٹھ کر چائے نوش فرمائی۔ دیکھنے والوں نے دونوں عظیم ترین علماء کرام کا عمل دیکھا اور کسی کے پوچھنے پر یا خود اپنی فراست سے حاضرین کے ذہنی تأثر کو بھانپ کر حضور

محدث اعظم نے ارشاد فرمایا۔

میں جب مسجد کے اندر داخل ہوتا ہوں تو اعتکاف کی نیت کر لیتا ہوں اور معتکف کے لئے مسجد کے اندر کھانے پینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ۔ مفتی اعظم کی بھی یہی نیت اعتکاف تھی مگر انہوں نے تقویٰ پر عمل کیا۔

ان دونوں واقعات کے اندر جہاں حضور مفتی اعظم کے تقویٰ کا اعلیٰ نمونہ ہمیں ملتا ہے وہیں مخدوم العلماء حضور محدث اعظم کی زبان مبارک سے آپ کے تقویٰ کی بلند پایہ شہادت بھی ملتی ہے۔

مؤخر الذکر واقعہ کے راوی حضرت مولانا عبدالحمید (بستہ ڈانگی پوسٹ سورجاپور ضلع مغربی دیناجپور) تلمیذ حضرت صدر الشریعہ و حضرت محدث اعظم بھی ہیں ۔ (حسب روایت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب مضطر پورنوی) اور حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اس واقعہ کے راوی ہیں ۔ حسب روایت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی ڈاکٹر محمد اسد (علیگ) پیلی بھیتی بیان کرتے ہیں۔

''مولانا محمد عباس اشرفی خطیب مسجد قریشیان پیلی بھیت کا بیان ہے کہ ۱۹۶۸ء میں حضور مفتی اعظم جامع مسجد کھٹیما ضلع نینی تال تشریف لائے ۔ اور آپ کا قیام ناچیز کے حجرے میں ہوا۔ ہم لوگوں نے بہترین مٹھائی، نمکین اور چائے کا اہتمام کیا۔ حضور مفتی اعظم نے صرف چائے نوش فرمائی جو ہم لوگوں کی بنائی ہوئی تھی ۔ اور مٹھائی و نمکین کے بارے میں فرمایا کہ یہ میرے کھانے کی نہیں ۔ ہم لوگ فوراً سمجھ گئے کہ اس انکار کی وجہ یہ ہے کہ مٹھائی اور نمکین غیر مسلم کے یہاں سے آئی ہوئی تھی''۔

ڈاکٹر محمد اسد ہی کی روایت کے مطابق مولانا محمد عباس اشرفی بیان کرتے ہیں

''۱۹۶۵ء میں ناچیز احمد آباد میں مدرس تھا۔ اس وقت کی بات ہے کہ ایک سفر میں حضور مفتی اعظم احمد آباد کے اپنے ایک عقیدت مند کے یہاں دعوت طعام میں تشریف لے گئے ۔

صاحب خانہ کے دروازہ تک پہنچ کر آپ کے قدم رک گئے صاحب خانہ حیرت میں پڑ گئے کہ آخر بات کیا ہے۔اور آپ کے قریب پہنچ کر گھر کے اندر تشریف لے چلنے کی انہوں نے درخواست کی۔حضور مفتی اعظم نے فرمایا تمہارا مکان صنم خانہ بنا ہوا ہے۔یہ سنتے ہی وہ تیزی کے ساتھ گھر کے اندر گئے اور دیوار وغیرہ پر لگی ہوئی ساری تصاویر ہٹائی تب کہیں جا کر حضور مفتی اعظم ان کے گھر کے اندر داخل ہوئے''۔

حضرت مولانا مجیب اشرف اعظمی ثم ناگپوری بانی دارالعلوم امجدیہ ناگپور جنہوں نے بریلی شریف منظر اسلام سے تکمیل علوم کیا اور جنہیں حضور مفتی اعظم کی خدمت اور سفر و حضر میں رفاقت کا بارہا شرف حاصل رہا وہ اپنے مشاہدات و تأثرات کا ذکر کرتے ہوئے ایک مجلس جس میں وہ خود موجود تھے اس کا ایک واقعہ راقم سطور سے اس طرح بیان کرتے ہیں (بتاریخ ۱۰ر نومبر ۱۹۹۱ء در ناگپور)

۱۹۷۲ء کی بات ہے۔حیدرآباد دکن کی مشہور خانقاہ یحیٰ مسکن قاضی ٹولہ میں حضور مفتی اعظم تشریف فرما تھے۔حیدرآبادی علماء و مشائخ بھی زینت محفل تھے۔خانقاہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا سید محمد قادری مرحوم و مغفور کے کمرے میں یہ سبھی حضرات رونق افروز تھے اور مختلف دینی و علمی موضوعات پر آپس میں تبادلۂ خیال ہو رہا تھا۔(اب آگے جو واقعہ ذکر کیا جا رہا ہے اسے توجہ و انہماک کے ساتھ سماعت فرمائیں جس سے حضور مفتی اعظم کی جرأت حق گوئی بھی ظاہر ہوتی ہے اور ترک نفسانیت و احتساب نفس کا جذبہ بھی آشکار ہو کر سامنے آجاتا ہے جو تقویٰ کی ایک نہایت اعلیٰ قسم ہے) محفل میں بیٹھے بیٹھے اچانک حضور مفتی اعظم کی نگاہ سامنے کی دیوار کی طرف اٹھی اور آپ نے استغفر اللّٰہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔ لا الٰہ الا اللّٰہ پڑھتے ہوئے سر نیچے جھکا لیا۔چند ہی لمحات کے بعد پھر آپ نے نگاہ اوپر اٹھائی اور توبہ توبہ استغفر اللّٰہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ پڑھتے ہوئے دوبارہ سر نیچے جھکا لیا۔

حاضرین دم بخود تھے کہ آخر بار بار ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ سارے علماء و مشائخ بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کی نگاہ سے وہ کون سی چیز اوجھل ہے جس کا حضور مفتی اعظم مشاہدہ فرما رہے ہیں اور توبہ و استغفار فرما رہے ہیں۔ اسی عالم میں حضور مفتی اعظم کی آواز گونجتی ہے کس نے اس کو لگایا ہے۔ اتارو۔ پھینکو۔

اب جو دیکھا گیا تو اوپر ایک طغریٰ آویزاں ہے جس پر یہ شعر لکھا ہوا ہے۔

اچھے تو بخشے جائیں گنہگار منہ تکیں

اے رحمت خدا تجھے ایسا نہ چاہئے

آپ نے ارشاد فرمایا رحمت خدا کے ساتھ ایسے نازیبا کلمات کا استعمال جائز نہیں۔ اس لئے صاحب خانہ (مولانا سید محمد قادری) اس سے توبہ کریں۔

حیدرآبادی تہذیب غالباً اس طرز عمل کی روادار نہ تھی اس لئے وہاں کے علماء و مشائخ اس جرأت حق گوئی کا ناخوشگوار اثر اپنے اوپر محسوس کر رہے تھے۔ چارو ناچار صاحب خانہ نے اس طغریٰ کو نیچے اتارا اور پھر اپنی اس غلطی پر اظہار ندامت و پشیمانی کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں توبہ بھی کیا۔

اس پورے واقعہ کے دوران حیرت انگیز پہلو اس وقت سامنے آیا جب خود حضور مفتی اعظم نے کہا۔ آپ لوگ گواہ رہیں کہ میں بھی توبہ کرتا ہوں۔ حاضرین کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ آخر اس وقت حضور مفتی اعظم سے کون سی غلطی سرزد ہوگئی جس سے وہ اپنے توبہ کا اظہار فرمارہے ہیں۔ اس وسوسہ کا ازالہ فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا تحریر کا ادب چاہئے اور اس شعر میں چونکہ رحمت خدا کا لفظ بھی شامل ہے جس کا ادب ہر لحاظ سے ضروری ہے۔ اور اس کے لئے میری زبان سے اتارو پھینکو کا جملہ نکل گیا ہے جو خلاف ادب ہے۔ اس لئے آپ حضرات کو گواہ بنا کر میں بھی توبہ کرتا ہوں۔ پھر فرمایا۔ لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ۔

مذکورہ بالا واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت مولانا مجیب اشرف اعظمی ثم ناگپوری نے ایک اور واقعہ بیان کیا۔ پہلا واقعہ اپنوں کی اصلاح سے متعلق ہے اور یہ دوسرا واقعہ غیروں کے سامنے کلمۂ حق کے اظہار و اعلان کا شاہکار ہے۔

۱۹۵۵ء کی بات ہے حضور مفتی اعظم کو لکھنؤ سے بریلی شریف جانا تھا ساتھ میں حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مولانا مجیب اشرف بھی تھے۔

لکھنؤ ریلوے اسٹیشن پر پہنچے ہی تھے کہ گاڑی نے رینگنا شروع کر دیا۔ عجلت میں یہ سبھی حضرات ایک ڈبہ جو سامنے تھا اس میں داخل ہو گئے۔ اندر جا کر دیکھا تو سارے مسافر فوجی تھے۔ کیونکہ یہ ڈبہ ہی فوجی تھا۔ یہ فوجی اپنے انداز میں کچھ سوئے کچھ بیٹھے تھے۔ اور کچھ فوجی تاش کھیلنے میں مصروف تھے۔ حضور مفتی اعظم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان فوجیوں سے کہا گیا کہ یہ بزرگ آدمی ہیں آپ لوگ تھوڑی سی جگہ دے دیں تاکہ یہ بیٹھ جائیں۔ اگلے اسٹیشن پر ہم لوگ اتر جائیں گے۔

اس گذارش پر فوجیوں نے کہا کہ اس ڈبہ میں آپ لوگ کیسے آگئے یہاں کسی غیر فوجی کو بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ بہر حال ایک فوجی نے ناگواری کے ساتھ اپنے پاؤں سمیٹتے ہوئے تھوڑی سی جگہ خالی کر دی جہاں حضور مفتی اعظم تشریف فرما ہوئے۔

فوجی آپس میں پہلے ہی سے کچھ مذہبی گفتگو کر رہے تھے۔ درمیان میں سلسلۂ کلام منقطع ہو گیا تھا۔ گاڑی جب باقاعدہ چلنے لگی تو انہوں نے پھر اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ اور حضرت عیسیٰ و حضرت مریم علیہما الصلاۃ والسلام کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کرنے لگے۔

اتنا سننا تھا کہ حضور مفتی اعظم جلال کے عالم میں اپنا عصا لے کر اٹھ کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا خبیث! چپ رہ۔ زبان بند کر۔ حضرت سیدنا عیسیٰ کے بارے میں خبردار اس قسم کے الفاظ نہ بکنا۔

یہ سن کر ایک فوجی نے کہا بڑے میاں! آپ کیوں غصہ ہو رہے ہیں ہم تو کرسچین

(مسیحی) لوگوں کے پرافٹ (پیغمبر) کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔ آپ کے پیغمبر محمد صاحب کے بارے میں تو ہم نے کچھ نہیں کہا۔

اس پر حضور مفتی اعظم نے فرمایا۔ عیسائی خبیث ان کو پیغمبر کب مانتے ہیں وہ تو ان کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ پیغمبر تو ہم مانتے ہیں۔ اور ہر پیغمبر کی تعظیم و توقیر ہمارے مذہب میں فرض ہے۔ جس طرح ہم اپنے پیغمبر (حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بارے میں کسی ادنیٰ گستاخی کو برداشت نہیں کر سکتے اسی طرح حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں کوئی نازیبا لفظ سننا گوارہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے اب اپنی زبان بند رکھ۔

اس جواب اور جرأت حق گوئی کا ان فوجیوں پر اتنا اثر ہوا اور ان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ سب کے سب خاموش اور ششدر ہو گئے اور آپ سے معافی مانگنے لگے۔

پھر ایک فوجی نے پوری برتھ خالی کرتے ہوئے ایک فوجی کمبل اس پر بچھا دیا اور عرض کیا کہ آپ اس پر آرام کریں۔

حضور مفتی اعظم نے وہ کمبل اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔ اور اپنے پاس جو بستر تھا وہ بچھا کر اس پر آرام فرما ہوئے۔ جب بریلی اسٹیشن آیا اور گاڑی سے آپ اترنے لگے تو سبھی فوجی ڈبہ سے نکل کر ہاتھ جوڑ کر آپ کو رخصت کرنے لگے اور آپ کی عظمت و جرأت کا اعتراف کرتے ہوئے آپس میں آپ کی تعریف و تحسین کرتے رہے۔

ان حقائق و واقعات کی روشنی میں حضور مفتی اعظم کے بارے میں بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے دور کے مفتی اعظم ہی نہیں بلکہ متقی اعظم بھی تھے اور امام اہل تقویٰ بھی۔

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو

☆☆☆

ایمرجنسی کا پرخطر دور

اور مفتی اعظم کی جرأت ایمانی

(ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی لکچرار طبیہ کالج دہلی)

ایمرجنسی اور نسبندی کا مہیب دور تھا بیبا کی ہولناکی سے پورا ملک تپ لرزہ میں مبتلا تھا۔ نسبندی کا رضا کارانہ عمل افسران کی طرف سے جبر وتشدد کے قالب میں ڈھل چکا تھا۔ حامیوں کے لئے کوٹے، پرمٹ اور لائیسنس وغیرہ کے عطایا تھے، حرف گیری کرنے والوں کے لئے حقوق سے دستبرداری، ملازمت سے برطرفی اور جیل کی کال کوٹھری کا عذاب تھا۔ علماء سوء نسبندی کے فیوض وبرکات کا وظیفہ گردانتے تھے۔ اطباء کرام اس کے محاسن وفضائل کا خطبہ پڑھتے تھے، ڈاکٹر صاحبان اس عمل کو بے ضرر اور مفید صحت ثابت کرنے کے لئے سائنس کے اصول مسلمہ میں خودغرضی کی جزئیات ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے نیتا گاؤں گاؤں پھیری لگا کر نسبندی کے کیس بٹور کر ان کے سرٹیفکٹ سے پیسے کماتے تھے، اعلیٰ افسران میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا انتہا پسندانہ جذبہ کارفرما تھا، پولیس کی ٹولی ایمرجنسی کی برکت سے جس شریف کو چاہتی جوتوں لاتوں خاطر کر کے تھانے کے حوالات میں ڈھکیل آتی غرضیکہ پورے ملک پر خوف ودہشت کا عفریت راج کر رہا تھا اور غریب جنتا کا عرصۂ حیات ان دونوں جڑواں بہنوں کے ہاتھوں تنگ تھا۔

نسبندی کے مبینہ عوامل اسلامی احکام وتعلیمات کے معارض تھے اس لئے مسلمانوں کی بے چینی اور غم وغصہ فطری بات تھی۔ لیکن افسران کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس کلیہ سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کر دیتے۔ اسی اثناء میں چند ایمان فروش مسلمان بڑی دور کی کوڑی

لائے اور افسران حکومت کی نگاہوں اور میں سرخ رو ہونے کی غرض سے یہ صلاح دی کہ اگر کچھا کا برملت بھتے چڑھ جائیں اور انہیں رام کرلیا جائے۔ تو کل الصید فی جوف الفراء کا مقصد حاصل ہو جائے کیونکہ جب مفتیان دین بذات خودنسبندی کی شرعی افادیت کے لئے رطب اللسان ہوں گے تو اسے قبول کر لینے میں مسلمانوں کو کوئی تامل نہ ہوگا۔ چنانچہ اس نسخۂ کیمیا کی عجلت کے ساتھ آزمائش شروع کر دی گئی۔ سب سے پہلے ایک مکتب فکر کے مشہور و معروف شیخ کہن سالہ کی ذات شریف کو تجربہ کے لئے منتخب کیا گیا پھر کیا تھا آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن میں صدا بند کی ہوئی حضرت جی کی آواز تھی اور خلق خدا کے گوش سماعت۔ معلوم نہیں یہ تائیدی کلمات آں جناب کے دہن مبارک میں روایتی حلوے مانڈے کی طرح اترتے گئے تھے یا نیم پختہ زمین قند کی طرح حلق کی غشاء مخاطی کو کھرچتے چھیلتے البتہ دیکھا یہ گیا کہ ایک طرف افسران اپنی کامیابی پر بغلیں بجا رہے تھے دوسری طرف امت اپنے حکیم پر تین حرف بھیج رہی تھی۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؂

زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

ایک تو ایمرجنسی اوپر سے نسبندی کالے بھجنگ پر چھتڑا بھلا کہاں تک نظروں کو بھاتا نتیجہ یہ ہوا کہ آں بدولت کے تلقین و ترغیب کا جادو کارگر نہ ہوا بلکہ ان کے خلاف نفرت و حقارت اور بے اعتمادی کا انکھوا پھوٹ پڑا جو بعد میں تناور درخت کی شکل میں دیکھا گیا۔

مگر وہ افسر ہی کیا جس کے اندر افسری کی ترک بھڑک نہ ہو۔ ہمت ہارنا اور ہمت ہار کے بیٹھ جانا تو کم نصیبوں کا نصیب ہے۔ چنانچہ افسروں کی چیرہ دستیاں بڑھتی گئیں۔ نئے شادی شدہ جوڑے کی نسبندی، کنوارے کنواریوں کی نسبندی۔ حد یہ کہ گور میں پاؤں لٹکائے ہوئے ۸۰ سالہ بوڑھوں کی نسبندی گویا ہندوستان ایمرجنسی کا ایک کھیت تھا جس میں نسبندی خودرو گھاس کی طرح جمتی اور پھیلتی جا رہی تھی۔

ایمرجنسی و نسبندی کے انہیں عروج و کمال کے ایام میں لکھنؤ کے اولڈ ودھا یک نورس

میں میری ملاقات مولانا ریحان رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی دوران گفتگو وہ یکا یک غیر معمولی سنجیدہ ہو گئے پھر گویا ہوئے کہ مجھے آج ہی بریلی جانا چاہئے۔ نہ جانے حضور مفتی اعظم پر کیا گذر رہی ہوگی۔ میں نے حیرت و استعجاب سے پوچھا کہ ایسی کیا بات ہے؟ کیا مفتی اعظم پر خدانخواستہ...... مولانا نے جواباً فرمایا کہ حکام کا دباؤ پڑ رہا ہے کہ مفتی اعظم ایک بیان جاری فرمادیں تاکہ اس کی روشنی میں مسلمان کھلے دل سے نسبندی کی ضرورت اور افادیت کے معترف ہو جائیں۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ ظاہر ہے مفتی اعظم ایسا نہیں کر سکتے اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں افسران انہیں گرفتار نہ کرلیں۔

حضور مفتی اعظم ہند نہ صرف ہندوستان اور برصغیر کے اہلسنت و جماعت میں بلکہ پورے عالم اسلام میں مرکزی شخصیت تھے آپ کی ذات شریف قطعی غیر متنازعہ تھی یقیناً آپ کا فرمودہ ایک ایک حرف مسلمانان عالم کے لئے حرز جاں تھا۔ لیکن کس قدر حیرت و افسوس کی بات ہے کہ ایک ایسے بندۂ خدا سے دنیاداری کی توقع کرلی گئی تھی جو اپنی دنیا کو دین و مذہب کے نام پر کب کا قربان کر چکا تھا۔ جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدا اور رسول کی رضا میں صرف ہوا ہو اور بواطیل کے خلاف سینہ سپر رہنا جس کا شعار رہا ہو یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کا سر جبر و مصلحت کے آگے جھک جاتا۔ میں نے ریحان ملت سے عرض کیا کہ حضرت آپ گرفتاری کا اندیشہ ظاہر کر رہے ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ افسران کو حضور مفتی اعظم کے غیر معمولی اور ہمہ گیر اثرات کا بخوبی اندازہ ہے اس لئے انہیں گرفتار کرنے کا اقدام کر کے وہ ایک نئی غلطی کا ارتکاب نہیں کریں گے۔ لیکن ریحان ملت نے کہا کہ افسران کی نیت اچھی نہیں ہے وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں مجھے بریلی جانا چاہئے۔ الغرض مولانا ریحان رضا خاں صاحب جو خود بھی اتر پردیش ودھان پریشد میں حکمراں پارٹی کے ممبر تھے بریلی شریف تشریف لے گئے۔ چند روز بعد کی آمدہ خبروں سے پتہ چلا کہ افسران حکومت

نے ہر پہلو سے دباؤ ڈالا لیکن مفتی اعظم ہند کی ایک نہیں تو ہزار نہیں نتیجہً کارساری توقعات پر جو افسران نے سابقہ تجربے کی بنیاد پر قائم کی تھیں پانی پھر گیا ابھی چند روز اور گزرے ہوں گے ایک تحریر حضور مفتی اعظم کے قلم حقیقت رقم سے منظر عام پر آئی جس سے اس عمل کے غیر فطری اور غیر شرعی ہونے کی مدلل وضاحت کی گئی تھی اور یہ ہدایت بطور خاص تھی کہ اس فتویٰ کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں چھپوا کر عامۃ الناس کو حکم شرعی پر مطلع کیا جائے۔

اگر ایمرجنسی کے اس اختلاج زدہ ماحول کا تصور کیا جائے تو یہ تحریر ایک ایسے مرد خدا کا قلمی شاہکار نظر آئے گی جو اپنی زندگی کو صرف خدا کی امانت سمجھتا ہو یقیناً متذکرہ تحریر ہم تک پہنچنے سے پہلے سرکاری میز کی زینت بن چکی ہوگی اور حالات کی سنگینی پر سر جوڑ کر غور و خوض بھی ہوا ہوگا لیکن چارۂ کار بھی کیا تھا ارباب حل وعقد کو اچھی طرح سے معلوم تھا کہ مفتی اعظم کو گرفتار کر لینے کے بعد اگر ہندوستان کے سارے سرکاری دفاتر کو جیل خانے میں تبدیل کر دیا جاتا تو بھی حضور مفتی اعظم کے عقیدت کیشوں کو ٹھونسنے کے لئے جائے تنگ است کا رونا باقی رہ جاتا۔

ایسے نمونۂ سلف، عالم باعمل، صاف ظاہر، پاک باطن مرد حق آگاہ کے لئے ہمارا بہترین خراج عقیدت یہ ہے کہ ہم خدا اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر یہ عہد کریں کہ جس طرح حضرت مرحوم نے باطل قوتوں کے خلاف صف آرا ہو کر انبیاء صادقین کی سنت کریمہ کا پرچم بلند کیا۔ اسلام کے خلاف جب بھی طاغوتی طاقتیں سر ابھاریں گی ہم مفتی اعظم کی زندگی اور تعلیمات کو زرہ بنا کر سرخروئی کے ساتھ زندہ رہنے کا حق حاصل کریں گے۔ اگر قوم مسلم اپنے اسلاف کی زندگی کو نمونۂ حیات بنا کر زندہ رہنا چاہتی ہے تو آج بھی فتح و نصرت اور تائید غیبی کی دستک کو دروازوں پر سنا جا سکتا ہے۔ البتہ جبر و مصلحت کے آگے سر ٹیک دینے والے اور کل تک انگریزوں کی غلامی کا دم بھرنے والے اپنی رسوائی کا تماشہ کھلی آنکھوں دیکھتے رہیں گے۔

یا مفتی اعظم! آپ تو دنیائے فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی میں جا بسے اور ہاتف غیبی کے مژدہ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ٥ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۔ کا لبیک وسعدیک سے استقبال کیا لیکن امت مسلمہ کی کشتی حیات منجدھار میں ہے اب بھی آپ کے تصرفات روحانی کا پتوار ہی اسے ساحل مقصود سے ہمکنار کرسکتا ہے۔ اب بھی ہمیں مصائب وآلام کی چلچلاتی دھوپ میں آپ ہی کے ظل کرم کا سہارا ہے۔ آج بھی ہم بیکسوں کی لاج آپ ہی کے ہاتھ ہے۔

اے رہ نورد عالم بالا چگونہ

ما بے تو در ہمیم تو بے ما چگونہ

بندۂ عاصی: محمد فضل الرحمٰن مصباحی

لکچرر طبیہ کالج (دہلی یونیورسٹی) دہلی۔۵

☆☆☆

مفتی اعظم عوام وخواص کا مرکز عقیدت

(مولانا محمد احمد مصباحی رکن المجمع الاسلامی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفےٰ رضا قادری بریلوی قدس سرہ کو ایک علامۂ اجل اور ایک ولی باکمال کی حیثیت سے آج دنیا جانتی اور پہچانتی ہے۔ میں نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولیں ان کی عظمت و بزرگی کے تذکرے سنتا رہا۔ مگر میں نے ان کی سب سے حیرت انگیز اور امتیازی خصوصیت جو دیکھی وہ یہ ہے کہ ان کے معاصر علماء و اکابر بھی برملا ان کی جلالت شان اور عظمت و برتری کا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ شرف اسی کو حاصل ہوتا ہے جو خدا کی بارگاہ میں قبول خاص سے سرفراز ہو چکا ہو اور جس کا سینہ عداوت و حسد، بغض و عناد، دوسروں کی تحقیر اور اپنی تعلّی سے پاک ہونے کے ساتھ علم و اخلاص کا مخزن ہو۔ جس کی زبان غیبت و بدگوئی سے دور اور شریعت و طریقت کی پابندی سے آراستہ و مزین ہو جس کا قلم نفسانی آویزشوں کے بجائے معارف وحقائق کی سچی عقدہ کشائی سے سرشار ہو جس کا تفقہ و تدبر پائے کا ہو کہ اس کے کردار و گفتار اور زبان و قلم سے بجائے اس کے کہ امت میں کسی بے جا اختلاف و افراق یا نفاق و شقاق کی راہ کھلے۔ اتفاق و اتحاد کے سوتے پھوٹیں بکھرے ہوئے شیرازے مجتمع ہو جائیں اور لوگوں کے دل وحدت ملّی کے درد و غم سے بیقرار و مضطرب نظر آئیں۔

میں بلاخوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ مفتی اعظم اپنی حیات مبارکہ میں ایسے ہی تابناک نقوش کے حامل رہے جن کے نتیجے میں وہ نہ صرف یہ کہ تاجدار اہل سنت کہلائے بلکہ ان کی حیات تک امت میں بڑی حد تک اتفاق و اتحاد کا قابل صد رشک جلوہ کارفرما رہا میں اس اجمال کی تفصیل میں چند شواہد بھی پیش کروں گا۔ سب سے پہلے ان کے بارے میں چند

شہادتیں ملاحظہ کیجئے۔

(۱) محدث اعظم مولانا سیّد کچھوچھوی علیہ الرحمہ بلاشبہ مفتی اعظم کے معاصر مولانا وصی احمد محدث سورتی اور امام احمد رضا قادری علیہما الرحمہ کے شاگرد جلیل تھے۔ مگر مفتی اعظم سے متعلق ان کے خیالات عظمت و برتری کا ایک منظر آج بھی ایک فتوے کے ذیل میں محفوظ ہے۔ جس پر محدث اعظم نے ان الفاظ میں تصدیق کی ہے۔

هذا قول العالم المطاع وما علينا إلا الإتباع"۔

ان جاندار الفاظ میں جو اعتراف عظمت کارفرما ہے وہ اہل علم پر عیاں ہے۔

(۲) حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز مرادآبادی علیہ الرحمہ سابق سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے جامعہ اشرفیہ کی نئی درسگاہ بلڈنگ کے جشن افتتاح کے موقع پر ۱۶ر ۱۷ر نومبر ۱۹۷۲ء کے لئے مفتی اعظم قدس سرہ کو دعوت دی تھی۔ حضرت تشریف لائے۔ افتتاح کا کام حضرت ہی کے ہاتھوں انجام پانے والا تھا۔ جس کے لئے پہلے دن بعد مغرب نئی عمارت میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔ یہ ابتدائی سال تھا۔ اور شوال المکرّم کی ۱۹ر ۲۰ر تاریخوں کی درمیانی شب تھی۔ اس وقت شیخ الحدیث حضرت مولانا قاضی شمس الدین احمد جعفری رضوی علیہ الرحمہ تھے۔ درجۂ فضیلت کے طلبہ کو درس بخاری شریف شروع کرا کے افتتاح کی رسم ادا ہونے تھی۔ اس موقع پر افتتاح سے قبل حافظ ملت نے ایک مختصر تقریر کی تھی جس کا حاصل کچھ اس طرح ہے۔

''حضرت مفتی اعظم مدظلہ سے اس عمارت کا افتتاح اور ان سے بخاری شریف کا ایک سبق پڑھ لینا بہت بڑی سعادت ہے۔ وہ بلاشبہ ولی ہیں۔ آج جوان سے سبق پڑھ رہا ہے کل اسے اس پر فخر ہوگا کہ میں نے مفتی اعظم سے ایک سبق پڑھا ہے جو ان سے بیعت ہوگا اسے اس فخر ہوگا کہ میں مفتی اعظم سے بیعت ہوا ہوں۔ جو ان سے مصافحہ کرے گا اسے اس پر فخر ہوگا کہ میں نے ان سے مصافحہ کیا ہے۔ جو ان کی زیارت کرے گا وہ اس پر فخر

کرے گا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے۔ وہ علم وفن کا سمندر ہیں۔ خود ایک بار فرمانے لگے کہ جب کوئی مسئلہ لکھنے کے لئے قلم ہاتھ میں لیتا ہوں تو نوک قلم پر علمی مضامین کی اس قدر بارش ہونے لگتی ہے کہ سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کی ذات ہمارے لئے بہت بڑی غنیمت ہے۔ ان سے سبق پڑھنا آپ کی بہت بڑی سعادت ہے۔ مولاٰی تعالیٰ ان کا سایہ ہمارے سروں پر دراز فرمائے۔

حضرت قاضی شمس الدین احمد علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''جہاں تک مجھے علم ہے حضرت نے کسی کو بخاری شریف شروع نہ کرائی۔ یہ سعادت ان طلبہ کا مخصوص حصہ ہے۔'' اس کے ساتھ وہ حافظ ملت کے بیان کی تصدیق بھی کرتے جاتے تھے۔

(۳) میں رمضان ۱۳۹۰ھ میں رانچی پہنچا۔ اس وقت مدرسہ غریب نواز رانچی کے بانی مولانا شاہ عبدالحق چشتی امجدی اعظمی وہیں تشریف فرما تھے۔ دو دن ان کے مدرسہ میں میرا قیام رہا۔ اس دوران ان سے بہت سے موضوعات پر گفتگو رہی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ تم کسی سے مرید ہو یا نہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا۔ مرید ہونا ہے تو مفتی اعظم سے مرید ہونا۔ سیادت اپنی جگہ ہے مگر تقویٰ میں ان کا کوئی ہم پلہ نہیں۔

شاہ صاحب علیہ الرحمہ خود بہت بڑے پیر اور سید تھے۔ مگر مفتی اعظم سے ان کی عقیدت اور ان کی طرف سے اپنے ایک ہم وطن کی مخلصانہ رہنمائی اس سطوت وشوکت کا پتہ دیتی ہے جو ان بزرگ پیروں کے دلوں پر بھی حکمرانی کر رہی تھی۔ وہ محفل سماع کے عادی تھے۔ مگر جب کبھی مفتی اعظم اجمیر شریف پہنچ جاتے تو شاہ صاحب بہت محتاط ہو جاتے اور کہتے کہ انہوں نے اگر دیکھ لیا تو پھر خیر نہیں۔

(۴) حضرت مولانا آسی بلیاوی جو ایک سلسلے کے معروف پیر اور درس نظامی کے جید فاضل ہیں۔ ان سے جمشید پور وغیرہ سے اکثر میری ملاقات اور گفتگو رہتی۔ ایک بار فرمانے لگے

کہ اس وقت تین اکابر ہیں۔ مفتی اعظم، حافظ ملت مجاہد ملت (مولانا شاہ حبیب الرحمان قادری اڑیسوی علیہ الرحمہ) ان کے دم سے تقویٰ کا بھرم باقی ہے۔ خدا ان کا سایہ دراز کرے۔ ان کے بعد پھر کوئی ایسا نظر نہیں آتا۔

مجھے موصوف کی یہ بات بار بار یاد آتی ہے اور اس وقت سے آج تک برابر میرے میں گونجتی رہتی ہے۔ (ان کے دم سے تقویٰ کا بھرم باقی ہے) انہوں نے بڑی تنقیدی نگاہ سے جائزہ لیتے ہوئے یہ کہا تھا اور خود میں بھی جب نگاہ غور کرتا ہوں تو ان کا قول بحرف صحیح نظر آتا ہے۔ یہ تو اکثر حضرات کو علم ہے کہ مفتی اعظم قدس سرہ کی حیات تک کسی مسئلہ میں کوئی خلجان ہوتا یا کوئی اختلاف نظر آتا تو مفتی اعظم کا فیصلہ حرف آخر سمجھا جاتا اور تمام علماء ان کی فقہی وکلامی باریک بینی کے قائل نظر آتے۔ صرف لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھانے کے مسئلے میں بعض علماء نے ان سے اختلاف کیا اور اپنے اختلاف پر قائم رہ گئے۔ مگر مفتی اعظم نے جو دلائل پیش کئے ان کا جواب آج تک نہ ہو سکا۔ اور جمہور علماء نے حضرت ہی کی تائید کی۔

اس اختلاف کا خاص پہلو یہ ہے کہ اس خصوص میں مفتی اعظم نے اپنی تحریروں میں صرف مسئلے کا اثبات کیا ۔ اور کسی کی ذات یا علم کو طنز وتعریض کا نشانہ ہرگز نہ بنایا۔ نہ ہی اس اختلاف کو علمی اختلاف کی سرحدوں سے کسی طرح متجاوز ہونے دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اختلاف کرنے والے بھی حضرت کے ادب و احترام سے دور اور ان کی عظمت و عبقریت کے اعتراف سے منحرف نہ ہو سکے۔ اور قلم کی متانت وشرافت بھی آلودہ نہ ہو سکی اس صورت حال سے مفتی اعظم کا اخلاص عمل، ان کی سنجیدگی، ان کی بالغ نظری اور حکمت و تدبر بھی پر عیاں ہے۔ یقیناً اس میں ہمارے لئے بہت عظیم درس عبرت ہے۔

ان کی حیات کا بہت روشن پہلو یہ بھی ہے کہ وہ کسی سے خلاف شرع قول وفعل کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے تھے بلکہ اس پر نکیر ضروری تھی۔ اس کردار کے خصوص میں ان کا التزام، ان کی جسارت، ان کا قلبی اضطراب اور ان کا حسن اخلاص دیکھ کر دل بے اختیار گواہی دیتا

کہ بلاشبہ یہ سچے نائب رسول اور واقعۃً وارث علوم انبیاء ہیں۔ رسول کے سامنے اگر کسی نے کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی اور رسول نے اس پر سکوت اختیار کیا، انکار نہ فرمایا تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ فعل یا قول درست اور صحیح ہے۔ اگرچہ غیر رسول کی یہ شان نہیں۔ مگر سچے نائب رسول کی یہ ذمہ داری ضرور ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو منکر (برائی) سے روکے، اور معروف (نیکی) کا حکم دے۔ لیکن انکار منکر سے عالم کو اگر فتنے کا اندیشہ یا جان وعزت کا خطرہ ہو یا اس منکر کی برائی سے مرتکب اور دوسرے بھی آگاہ ہوں۔ ساتھ ہی منع کرنے سے باز آنے کی توقع نہ ہو تو بعض حالات میں عالم کے لئے سکوت کی رخصت مل جاتی ہے۔

مگر مفتی اعظم بجائے رخصت کے عزیمت پر عامل تھے۔ اور ان کی جلالت وسطوت یہ تھی کہ کوئی کیسا ہی صاحب ثروت یا صاحب اقتدار کیوں نہ ہو مگر حضرت کی زبان شریعت ترجمان کے آگے مجال دم زدن نہ تھی۔

انہوں نے بڑے بڑے قد آور اور نامور خطباء کو بھی برسر عام ٹوک دیا اور بعض صورتوں میں توبہ بھی کرائی ہے۔ مگر عموماً ان کی یہ اصطلاح بڑی آسانی اور خندہ پیشانی سے قبول کرلی جاتی اور تقریر کرنے والے اپنی ممنونیت کا اعتراف واعلان کرتے۔ آج کسی کے لئے یہ کام بڑا مشکل ہے۔

ایک طرف تقریر کی سطحیت اور بازاری پن کا یہ حال ہے کہ تاریخی واقعات وحکایات میں بے سروپا ملاوٹ، اور تہ بہ تہ غلطیاں تو الگ رہیں احادیث کے متن میں اس قدر آمیزش کی جاتی ہے کہ قول رسول کی اصل صورت ہی مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔ فقہ وعقائد اور علم وفن کے لحاظ سے غلط، ناروا اور تکلیف دہ جملوں اور عبارتوں کا استعمال عام ہوتا جارہا ہے اور جہالت کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ نئی نسل ان غلط سلط تقریروں کو رٹ کر عوام سے داد وتحسین اور زر ومال کے انبار لوٹ رہی ہے۔ اور کسی کو ہمت نہیں کہ ان چرب زبانیوں پر

کوئی قدغن لگادے۔ اگر کسی نے جرأت کی تو انجام اور زیادہ خطرناک ہے۔

مقرر صاحب بجائے اس کے ممنوں ہوں اور توبہ واعتراف کر کے دنیا میں اپنی غلطیوں سے باز آئیں اور آخرت میں اپنی نجات کا سامان کریں۔ الٹے اپنے بزرگ محسن ہی کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیں گے اور اعتراف قصور میں اپنی ذلت محسوس کرتے ہوئے اس بزرگ کی تذلیل وتحقیر کے درپے ہو جائیں گے۔ اور اسی میں اپنے وقار، اپنے شرف اور اپنی مقبولیت کا سارا راز مضمر سمجھیں گے۔

یہ وہ المیہ ہے جس سے ہم مفتی اعظم کی حیات کے بعد دوچار ہیں۔ صد افسوس کہ آج کی دنیا علم وعمل انصاف اور اعتراف حقائق سے کس قدر دور ہوتی جارہی ہے اور کوئی ایک شخصیت تو کیا علماء کی کوئی ایک مجلس یا یونین بھی ایسی نہیں جو ہمارے اس خلاء کو اس طرح پر کر دے کہ نہ کوئی اختلاف ہو نہ کوئی فتنہ برپا ہو۔ کوئی ایسی تدبیر بروئے کار لائی جائے جس سے عوام اس قابل ہو جائیں کہ غلط بولنے والے مقررین کو گوارا نہ کرسکیں۔ یا مقررین اتنے ذمہ دار بن جائیں کہ بغیر تیاری اور کافی علم وآگہی کے لب کشائی کی جرأت نہ کرسکیں۔ یا کم از کم اپنے دل میں ایمان وانصاف اور اخلاص وامانت کا اتنا جوہر ضرور رکھتے ہوں کہ اعتراف خطا کو اپنی ذلت کے بجائے اپنی عزت، اپنی عافیت اور اپنی نجات تصور کریں۔ بہر حال آج دردمندان ملت اور دانشوران قوم کا یہ فریضہ ہے کہ اس طرح کے امراض کا علاج تلاش کریں۔ بیماریوں سے مصالحت کو بیماریوں کا علاج ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

مفتی اعظم کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے حلقۂ ادارت میں علماء اس کثرت سے داخل ہوئے کہ بہت سے پیروں کے مریدین کی مجموعی تعداد بھی ان کے برابر نہ ہوگی۔ ان علماء کو بھی دیکھئے تو ان میں ایک قابل ذکر تعداد ایسے علماء کی مل جائے گی جو اپنے علم وفضل اور تدین وتقویٰ کے لحاظ سے نہ معلوم کتنے پیروں پر بھاری ہوں گے۔ ایسے علماء جس کے ہاتھ پر بیعت ہوں گے وہ اپنے علم وفضل اور اخلاص وتقویٰ میں یکتائے

روز گار رہو گا۔

مفتی اعظم کے مریدین میں عوام کی بھی بڑی تعداد ہے۔ ان میں اہل ثروت بھی بکثرت ہوں گے۔ مگر حضرت کی زندگی کا لمحہ لمحہ شاہد ہے کہ انہوں نے اپنے مریدین کو کبھی بھی اپنی منفعت بخش ''جائیداد'' تصور نہ کیا۔ نہ کبھی اس کی کوشش ہوئی کہ کوئی دولت مند حلقۂ ادارت میں داخل ہو جائے۔ ان کا فیضان عام تھا۔ غریب و امیر یکساں ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا۔ خصوصاً اپنے والد گرامی بلکہ اپنے رسول عظمت مآب علیہ التحیات والصلوات کی سنت کریمہ پر عمل کرتے ہوئے غریب کی دلداری کا ہمیشہ پاس و لحاظ رکھتے اور کسی امیر کی رعایت میں کسی غریب کی دل شکنی ہرگز گوارا نہ تھی۔

ظاہر ہے کہ جس کا دل حبِّ دنیا سے پاک ہو۔ جو مریدوں کی دولت کے بجائے اپنے مولیٰ کی رحمت پر بھروسہ رکھتا ہو۔ جو کسی ناروا قول و فعل کو دیکھ کر خاموش نہ رہ سکتا ہو جو عوام تو عوام علماء کو بھی علمی و عملی خطاؤں پر نظر انداز کر دینا مصلحت اندیشی کی تاریخ کا جرم عظیم تصور کرتا ہو۔ جس کے اخلاص و عزیمت کے آگے علماء و اکابر کی گردنیں خم ہوں جس کے فقہ و فتویٰ اور ورع و تقویٰ کی ستائش میں اجلہ زمانہ رطب اللسان ہوں جس کی جلوتوں کے ساتھ اس کی خلوتیں بھی سنت رسول کی آئینہ دار اور یاد خدا اور رسول سے آباد و سرشار ہوں وہی علمائے زمانہ کا امام ملت اسلامیہ کا بے باک رہنما اور گروہ اولیاء کا سرخیل کہا جا سکتا ہے۔ عوام و خواص کی مرجعیت کا تاج اسی کے سر زیب دیتا ہے۔ امت کی نباضی و رہنمائی کا فریضہ اسی کی زبان و قلم کا بے داغ گوہر آبدار ہے۔ بلا شبہ وہ تمام اہل حق اور تمام ارباب علم و فن کا بے بدل تاجدار ہے۔ رحمة الله تعالى ورحمنا به رحمةً واسعةً ۔

☆☆☆

مفتی اعظم افق سیاست پر

(ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم لکچرار شعبۂ تقابل ادیان ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی)

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفےٰ رضا خاں کی وہ ذات گرامی ہے جنہوں نے زندگی کے ان تمام شعبوں میں اپنی یگانگت برقرار رکھی جن میں عام طور سے ہر شخص کی دست رسی نہیں ہو پاتی ہے۔ مسجد کے گوشہ میں بیٹھ کر عبادت وریاضت سے لے کر میدان کے ہنگاموں تک انہوں نے جو نمایاں خدمت انجام دی ہیں رہتی دنیا تک ان خدمات کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ ملک وملت سے متعلق ایسے ایسے مسائل پیش آئے جسے سوچنے کے بعد آج بھی کلیجہ منھ کو آنے لگتا ہے۔ مگر جس جرأت اور مجاہدانہ عزیمت کے ساتھ مفتی اعظم نے اس کا مقابلہ کیا وہ تاریخ ہند کے اوراق پر زرین حروف سے لکھنے کے قابل ہیں اس درویشانہ زندگی بسر کرنے والے شخص کا اس طرح میدان میں آکر اسلام دشمن عناصر کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اور پھر اعلائے کلمۂ حق کر کے فتح وکامرانی سے ہمکنار ہونا بقول سعدیؔ اس کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تقسیم ہند سے قبل شدھی تحریک نے جس طرح شروفساد پھیلائے اور مسلمانوں پر جس جس انداز میں مظالم ڈھائے گئے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ زبردستی مسلمانوں کو شدھ کیا جاتا اور روپیوں کی لالچ دے کر ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت پیدا کی جاتی۔ طمع پرست انسان ان کے دام فریب میں آکر اپنے مذہب کا سودا کر ڈالتے۔ یہ سلسلہ اس قدر بڑھا کہ شہر شہر دیہات دیہات اس کی وبا عام ہوگئی۔ اور نوبت بایں جارسید کہ ہندو

بانگ دہل اعلان کرنے لگے کہ "چار کروڑ مسلمانوں کو شاشتر اور شستر (تلوار) کے ذریعہ شدھ کیا جائے گا"۔(۱) ساتھ ہی وہ ایسے نعرے بھی لگاتے جسے سن کر مسلمانوں کا خون کھول جاتا۔ انہوں نے اپنی تقریروں میں بارہا مسلمانوں کو کھٹمل، آب زمزم کو کیچڑ، گندگی، وضو کو ڈھکوسلا، رکوع کو اچک بلی اور سجدہ کو مرغا بتا کر مسلمانوں کی دل آزاری کی ہے۔(۲) الغرض ایک منظّم سازش کے تحت مسلمانوں کو ہندو بنایا جارہا تھا۔ قتل وخوں ریزی کا بازار گرم تھا۔ یہ قتل عام اس لئے تھا کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ اس مقصد میں ہندو اپنی گندی سیاست کے پیش نظر کامیاب بھی رہے۔ مگر وہ ذات مفتی اعظم کی تھی کہ بلند عزائم وحوصلے کے ساتھ جان کی بازی لگا کر میدان میں نکل کر میلوں بھوکوں پیاسوں پیدل چل کر تبلیغ دین کی۔ مشرکین کے دام تزویر سے مسلمانوں کو گمراہی سے بچایا اور جو مسلمان دھوکہ میں آکر مرتد ہو گئے تھے انہیں ارتداد سے نکال کر توبہ کرائی اور دامن اسلام سے دوبارہ وابستہ کر دیا۔(۳) مفتی اعظم ہند، شیر بیشۂ سنّت مولانا حشمت علی اور دوسرے علماء نے شدھی تحریک کے خلاف جس مجاہدانہ طرز عمل کا ثبوت دیا اس کے شواہد جماعت رضائے مصطفیٰ کی فائلوں میں اب بھی محفوظ ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کارناموں کو منظر عام پر لایا جائے تاکہ اس دور کے علماء، مبلغین، واعظین اور کلمہ ونماز کی تبلیغ کرنے والے اچھی طرح سمجھ لیں کہ تبلیغ کس طرح اور کس ماحول میں کی جاتی ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں ضبط ولادت کا مسئلہ بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں اس مسئلہ پر علماء دو گروہوں میں بٹ چکے تھے۔ ایک گروہ مسئلۂ اجتہادی کہہ کر اس کے جواز کے حق میں تھا۔ جس کی نمائندگی دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری محمد طیب فرما رہے تھے اور دوسرا گروہ جس کی قیادت کی باگ ڈور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تھی۔ نسبندی کے اس رستاخیز ماحول میں انجام کی پروا کئے بغیر احقاق حق اور ابطال باطل کر ہی دیا۔ اور فرما دیا کہ نسبندی حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے۔(۴) لیکن سب سے بڑھ کر مفتی اعظم

ہند رحمۃ اللہ علیہ کا وہ کارنامہ ہے جو انہوں نے تقسیم ہند کے موقع پر انجام دیا۔ اس وقت ہندو پاک میں جس طرح کشت وخون اور قتل وغارت گری کا ماحول تھا۔ لوگ جانوں کے وقتی تحفظ کے لئے وطن اور املاک و جائداد کا سودا کر کے اور سودا بھی نہیں بلکہ یوں ہی لاوارث چھوڑ کر پاکستان چلے گئے ہندوستانی مسلمانوں کی ایک بھاری جمعیت پاکستان میں مقیم ہوگئی۔ جنہیں آج مہاجرین کے نام سے جانا جاتا ہے پاکستان کیوں اور کس طرح وجود میں آیا۔ لوگ اپنے وطن عزیز کو چھوڑ کر وہاں کیوں جانے پر مجبور ہوئے اس کی ایک طویل داستان ہے جس کے لئے راقم کی کتاب ''مولانا حشمت علی اور تحریک پاکستان'' کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ مختصر طور پر اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اس انتشار میں سیاسی پارٹیوں کے علاوہ عام بھولے بھالے سیدھے سادے انسان سیاسی بازی گری کے سبب حصوں میں بٹ گئے۔ علماء کی جمعیت کئی گروپوں میں تقسیم ہوگئی دیوبندی مکتبۂ فکر کے اکثر علماء کانگریس کے حمایتی تھے جبکہ علماء اہلسنت وجماعت مسلم لیگ کا ساتھ دے کر قیام پاکستان کی جدوجہد کرنے لگے۔ کچھ علماء ایسے تھے جو نہ تو مکمل طور سے مسلم لیگ کے حامی تھے اور نہ ہی مخالف بلکہ ''خذ ما صفا ودع ما کدر'' کے مصداق لیگ کے اچھے کارآمد اصولوں کی قدر اور باطل اصولوں کی تردید کرتے تھے اور سیاسی اعتبار سے ان کا نقطۂ نظر دوسری جماعتوں سے بالکل منفرد تھا۔ ایسے لوگوں میں شیر بیشۂ سنت حضرت مولانا حشمت علی لکھنوی، تاج العلماء مولانا محمد میاں مارہروی، ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری، حافظ ملت مولانا عبد العزیز مرادآبادی اور صاحب تذکرہ مفتی اعظم ہند کے علاوہ ان کے بڑے بھائی حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خان علیہم الرحمۃ والرضوان کا نام نامی اسم گرامی لیا جاسکتا ہے۔

سب سے زیادہ قابل غور پہلو یہ ہے کہ علماء اہلسنت کے باوقار اور سنجیدہ طبقہ میں اس طرح کی سیاسی کشمکش کیوں اور کس طرح پیدا ہوئی اس کی مختصر روداد اس طرح دی جاسکتی

ہے۔

۱۹۳۶ء میں جب ان صوبوں میں جہاں ہندو اکثریت تھی کانگریس کی منسٹری قائم ہوئی تو متعدد جگہوں پر سنگین قسم کے ہندو مسلم فسادات ہوئے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کا اکثر طبقہ کانگریس سے بیزار ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو گیا صرف وہ لوگ جو دیو بندیوں کی جمعیتہ العلماء ہند کے زیر اثر تھے وہ کانگریس کے ساتھ رہ گئے۔ ان دنوں مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح تھے۔ کانگریس اور لیگ کے درمیان مفاہمت کی بھی کوششیں ہوئیں مگر کامیابی نہ مل سکی ان دونوں سیاسی پارٹیوں میں بنیادی اختلاف یہ تھا کہ کانگریس مخلوط انتخاب چاہتی تھی جس کے لئے اس نے اپنا دستور بھی مرتب کر لیا تھا مگر مسلم لیگ اس کی مخالفت کرتی تھی اس کا کہنا تھا کہ اقلیتوں کو ان کی تعداد کے لحاظ سے جداگانہ انتخابات کا حق دیا جائے جیسا کہ انگریزوں کے دور میں تھا۔ جب کانگریس نے کسی بھی قیمت پر اس مشورہ کو تسلیم نہیں کیا تو مسلم لیگ نے ایک منظم پلان کے تحت پاکستان کا نظریہ پیش کر دیا اور وہ اس طرح کہ جس صوبے میں مسلم اکثریت ہے وہ صوبہ مسلم لیگ کو دیئے جائیں اور جو صوبے ہندو اکثریت کے ہیں وہ کانگریس کو دیئے جائیں اس پر کسی طرح سمجھوتہ نہ ہو سکا اور اس مسئلہ کو لے کر شدید اختلافات رونما ہوئے۔ عام مسلمان خواہ کہیں اور کسی صوبے کا ہو وہ پاکستان کے حامی بن گئے صرف دیو بندی مکتبہ فکر کی جمعیتہ العلماء جس کے صدر ان دنوں حسین احمد ٹانڈوی تھے کانگریس کے ساتھ رہ گئی نیز صوبہ سرحد کے عبدالغفار خان سرحدی گاندھی اور عطاء اللہ بخاری احرار پارٹی کے صدر وغیرہ کانگریس کے معاونین میں تھے۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ گورنمنٹ کی درج ذیل فہرست میں مسلمانوں کی غالب اکثریت اہلسنت و جماعت کی تھی اگر سارے علماء و مشائخ متحد ہو کر مسلم لیگ کی مخالفت کرتے تو لیگ اسی وقت اپنا دم توڑ دیتی اور اس کا خاطر خواہ فائدہ کانگریس کو پہنچتا۔ اور نتیجتہً

پاکستان اور بنگلہ دیش میں عدم تقسیم کی صورت میں کانگریس کی حکومت ہوتی اور جس طرح ہندوستان کے ان صوبوں میں جہاں کانگریس کی حکومت تھی مسلمانوں کو ذلیل و رسوا کر کے مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے ان صوبوں میں بھی یہی حال ہوتا اس خطرناک صورتحال سے بچنے اور مسلم قوم کو بچانے کے لئے علماء و مشائخ نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا مگر چونکہ مسلم لیگ کے سربراہ مسٹر محمد علی جناح تھے اور انہوں نے یہ صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ پاکستان میں غیر مذہبی جمہوری حکومت قائم کی جائے گی اس لئے اہلسنت و جماعت کے کچھ مقتدر علماء نے خاموشی اختیار کر لی اور مسلم لیگ کی کسی بھی طرح حمایت و اعانت سے اپنے کو محفوظ کر لیا۔

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، سیاح ایشیاء مولانا عبدالعلیم میرٹھی جیسے دانشور علماء نے مسلم لیگ کی حمایت میں کسی قسم کی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ آل انڈیا سنی کانفرنس جس کا قیام مارچ ۱۹۲۵ء میں مرادآباد کی سرزمین پر دو روزہ کانفرنس میں ہوا تھا اس کا اصل نام ''الجمعیۃ العالمیۃ المرکزیۃ'' تھا۔ لیکن شہرت آل انڈیا سنی کانفرنس کے نام سے ملی۔ اس تنظیم کے ناظم اعلیٰ چونکہ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی (متوفی ۱۳۶۷ھ) اور صدر پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری (متوفی ۱۹۵۱ء) تھے اس لئے مسلم لیگ کی حمایت کرنے میں بھی آل انڈیا سنی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے یہی لوگ پیش پیش تھے۔ اس سلسلے میں ان حضرات نے تمام اہلسنت کی تحریک پاکسنا کے سلسلہ میں حمایت اور پرزور اعانت کے لئے مختلف مقامات پر کانفرنسیں منعقد کیں لیکن بنارس کی سرزمین پر اپریل ۱۹۴۶ء میں منعقد ہونے والی کانفرنس ہندوستان کی تاریخ میں اپنی مثال آپ تھی اس کانفرنس کی صدارت محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی جب کہ نظامت کے فرائض شاہ عبدالعلیم میرٹھی اور شاہ عارف اللہ قادری نے انجام دیئے اس کانفرنس میں علماء و صوفیاء نے جس جوش اور جذبے

کے ساتھ شرکت کی وہ تاریخ کا ایک حصہ بن گیا۔ یوں تو اس کانفرنس میں کئی قراردادیں منظور ہوئیں لیکن وہ قرارداد جو تحریک پاکستان کی حمایت میں تھی اس کا خلاصہ یہ ہے۔

''آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہلسنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبوی کی روشنی میں فقہی اصولوں کے مطابق ہو (۵) اس کانفرنس میں دوسرے جلیل القدر علماء کے علاوہ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی شرکت کی جو کچھ اس کانفرنس میں طے ہوا اسے علماء و صوفیاء نے مل کر کر دکھایا ان حضرات کا یہ نعرہ ''نیندیں حرام کر کے اور پیٹ پر پتھر باندھ کر گلی گلی کوچے کوچے جا کر تحریک پاکستان کو کامیاب بنایا جائے'' (۶) سچ ثابت ہوا اور علماء اہلسنت کی شبانہ روز جدوجہد سے قیام پاکستان سے متعلق خواب شرمندۂ تعبیر ہو ہی گیا۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ دیوبندی مکتبۂ فکر کے علماء نے انگلی کاٹ کر شہیدوں میں نام لکھوانے کے مترادف اس کا پروپیگنڈہ اعلیٰ پیمانے پر کیا اور کر رہے ہیں کہ پاکستانی علماء دیوبند کی کوششوں کا نتیجہ ہے جبکہ تاریخ بتاتی ہے کہ مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی شبیر احمد عثمانی کے علاوہ کسی کا بھی مسلم لیگ سے کوئی تعلق کبھی نہیں رہا۔ تحریک پاکستان کو کامیاب بنانا تو درکنار ان علماء نے جمعیۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے اس تحریک کو ناکام بنانے کی جو جدوجہد کی ہے وہ تاریخ کا ایک حصہ بن چکی ہیں جس سے چشم پوشی کبھی نہیں کی جا سکتی۔ مولوی شبیر احمد عثمانی نے تو اس وقت مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا جب تحریک پاکستان اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی اور دانشوروں کو یہ احساس ہو چلا تھا کہ اب تو قیام پاکستان ناگزیر ہے اس لئے مسلم لیگ کی بدترین مخالفت جماعت جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہنے کے باوجود مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کر دیا اس کا ثبوت ان کے اس

خطبہ سے ملتا ہے جو انہوں نے مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ منعقدہ ۳۰ ر دسمبر ۱۹۴۵ء کے موقع پر دیا تھا۔

راقم الحروف خود ایک مدت دراز تک اس شش و پنج میں رہا اور یہی وجہ ہے کہ خاص تاخیر سے میں نے مسلم لیگ کی حمایت میں قلم اٹھایا میں نے اپنی قدرت کی حد تک مسئلہ کی نوعیت پر قرآن وسنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں غور کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں اور استخارے کئے بالآخر ایک چیز میرے اطمینان اور شرح صدر کا سبب بنی اور وہ امام محمد بن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تصریح ہے جو ان کی کتاب السیر الکبیر میں موجود ہے۔ (۷)

لہٰذا ایسی صورت حال میں یہ دعویٰ کہ قیام پاکستان علماء دیو بند کی کوششوں کا نتیجہ ہے بالکل بے بنیاد اور تاریخی حقائق کے خلاف ہے چونکہ عثمانی صاحب کا قیام پاکستان سے متعلق فکر فکر مستعار تھا اس لئے فیصلہ کرنے میں تاخیر ہوئی۔

اب ایک سوال جو رہ رہ کے سر اٹھاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس حقائق و معارف کی روشنی میں مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ نے کیا پالیسی اختیار کی اور مسلم قوم کی اس موقع سے کس انداز میں رہنمائی فرمائی یہ تو تاریخی حقائق سے ثابت ہی ہو گیا کہ بنارس کانفرنس میں مفتی اعظم ہند شریک تھے اس میں شک نہیں کہ مفتی اعظم ہند کا موقف تقریباً تقسیم ہند کے ابتدائی مراحل میں مسلم لیگ سے متعلق ہی تھا جو دوسرے اساطین ملت کا لیکن جب مسٹر محمد علی جناح کی حکمت عملی اور اس کے صحیح موقف کا علم ہو گیا تو پھر یہ مسلم لیگ سے کچھ بیزار سے ہو گئے اور انہوں نے اس موقع سے قرآن واحادیث کی روشنی میں جو فیصلہ کیا وہ بالکل برحق تھا وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ جس جماعت میں ہر فرقہ کے لوگ شامل ہوں اور اس کی باگ ڈور گمراہ فرقہ کے ہاتھ میں ہو اس کی امداد و اعانت کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔ باوجود قدرت گمراہ فرقوں کی ماتحتی قبول کرنا تو دور ہے ان کے ساتھ میل جول، خلط ملط بھی جائز نہیں۔ جلسوں، اخباروں میں مسٹر جناح کو سیاست کا نبی اور قانون

کا پروردگار کہا گیا مگر علماء خاموش رہے کسی میں ٹوکنے اور روکنے کی ہمت نہ ہوسکی اور دوسری طرف خود جناح کا اعلان کہ پاکستان میں غیر مذہبی جمہوری حکومت ہوگی۔ یہی دو اسباب تھے جس کی وجہ سے اہلسنت و جماعت کے کچھ علماء مسلم لیگ کی حمایت سے برطرف ہوگئے لیکن جیسا کہ گذشتہ اوراق میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ سنی علماء کے سامنے مسلم لیگ کی حمایت کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ ہی نہیں تھا۔ اس لئے کچھ لوگ تو جی جان کے ساتھ مسلم لیگ کی حمایت میں سرگرم عمل رہے۔ مفتی اعظم ہند تحریک پاکستان کے مخالف قطعی نہیں تھے البتہ مسلم لیگ سے اس کے کچھ اصول وضوابط کے سبب بیزار ہوگئے تھے چونکہ ردعمل میں اتنا تشدد نہیں تھا اس لئے وہ نہ تو دوسروں کو روکتے اور نہ ہی ان کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے۔ بعض علماء نے تو برطرفی کا اعلان ہی نہیں کیا بلکہ آل انڈیا سنی کانفرنس سے مستعفی بھی ہوگئے۔ مسلم لیگ کی بے راہ روی سے حساس دلوں میں جو تاثر پیدا ہوا اس کی ایک مثال مفتی شریف الحق امجدی کے وہ خون کے آنسو ہیں جو اشک رواں نامی کتاب کے صفحات پر جابجا بکھرے پڑے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

"سن لو اور غور سے سن لو لیگ اور کانگریس ایک ہی مسمّٰی کے دو نام ہیں۔ ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں ایک ہی گیت کے دو بول ہیں۔ ایک ہی چھری کی دو دھاریں۔ کون انکار کرسکتا ہے کہ لیگ کے جنم دینے والے وہی لوگ نہیں جو کسی وقت کانگریس کے روح رواں تھے۔ لیگ کے پرورش کرنے والے اس کے پروان چڑھانے والے وہی لوگ نہیں جو کسی وقت کانگریس کے جسم وجان تھے۔ کس پر پوشیدہ ہے کہ مسٹر محمد علی جناح وہی محمد علی جناح نہیں جو کسی وقت کانگریس کا بہت بڑا علمبردار تھا۔ علی برادران وہی علی برادران نہیں جو کسی وقت کانگریس کا رکن رکین تھے۔ (۸) حافظ ملت حضرت مولانا عبدالعزیز مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۷۶ء) مسلم لیگ سے اس قدر بیزار ہوئے کہ آل انڈیا سنی کانفرنس جو ہر طرح مسلم لیگ کی حمایت میں تھی اور جس کے ناظم مولانا نعیم الدین مراد آبادی تھے اس

سے بھی مستعفی ہو گئے اور اپنا استعفیٰ بنارس سنی کانفرنس کے صدر حضرت مولانا محمد میاں کچھوچھوی محدث اعظم ہند کی جناب میں ارسال کر دیا اور چونکہ صدر الافاضل سنی کانفرنس کے ناظم اعلیٰ تھے اس لئے اس کی ایک کاپی ان کے پتے پر بھی روانہ کی اس استعفیٰ کی نقل ''الارشاد'' اور راقم کے مقالہ ''حافظ ملت سیاسی شعور وآگہی'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔(۹)

حافظ ملت نے ''الارشاد'' نامی کتاب میں حالات حاضرہ سے متعلق تفصیلی بحث کی ہے اور آخر میں اس تنظیم سے جدائیگی اور مسلم لیگ سے نفرت و بیزاری کے اسباب بھی بیان کئے ہیں رسالہ کے آخری صفحات میں رقم طراز ہیں۔

''ان مختصر دلائل کی روشنی میں آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہو گیا کہ جس طرح کانگریس کی شرکت واعانت ناجائز وحرام ہے اسی طرح بحکم شریعت لیگ کی شرکت واعانت بھی ناجائز وحرام ہے اور ثابت ہو گیا کہ سنی کانفرنس لیگ کی مؤید ہے مسٹر جناح پر اپنے مکمل اعتماد کا اعتماد کرتی ہے اس لئے میں سنی کانفرنس سے مستعفی ہو گیا''۔(۱۰) حافظ ملت کے علاوہ دوسرے علماء کی لیگ سے نفرت و بیزاری کا فیصلہ اس فتویٰ کی تائید سے کیا جا سکتا ہے جسے مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ''اجمل انوار الرضا'' کے نام سے شائع کیا۔ اس کتاب پر سیکڑوں علماء ومشائخ کی تائیدات ہیں۔ مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے وقت کی نباضی کرتے ہوئے اسلامی قوانین کی روشنی میں جو فیصلہ صادر فرمایا وہ بالکل برمحل اور تقاضائے وقت کے عین مطابق تھا جس شخص میں اس قدر اسلامی حمیت اور مذہب سے محبت ہو اور لگاؤ ہو وہ بھلا کیوں کر ایسے موقعوں پر غفلت برت سکتا ہے جب قوم تباہی کے دہانے پر جا رہی تھی تو ان کی دوربیں نگاہوں نے یہ تاڑ لیا تھا کہ اس کے اثرات بہتر نہیں نکل سکتے۔ پاک و ہند میں تباہی و بربادی کی لہر مسلمانوں کے حق میں یکساں رہے گی اور ہندوستانی مسلمانوں کی طرح پاکستانی عوام بھی چین کی نیند نہیں سو سکیں گے۔ مستقبل کی پروا کئے بغیر مسلمان جس طرح اپنی جائیداد چھوڑ کر بھاگ رہے تھے اس سے ایسا معلوم

ہورہا تھا کہ وہ اس پاکستان میں جارہے ہیں جہاں انسان نہیں کر و بیاں بستے ہوں۔ وہاں جرم وفساد، نفرت وعداوت نام کی کوئی چیز نہیں ہوگی اسی وجہ سے علاقوں، محلوں سے ایسے لوگ چلے گئے جہاں آج مسلمان اکا دکا کے علاوہ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔ بطور ثبوت مولانا لیس ؔ اختر اعظمی کا یہ قول برمحل ہوگا۔

''تقسیم ہند کے بعد جب کہ مسلمان اور ہندو دونوں ایک دوسرے کے خلاف سخت مشتعل تھے اور برصغیر ہندوستان میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی جارہی تھی اور صبح وشام خوف وہراس کے گذر رہے تھے بالخصوص ان علاقوں میں جہاں مسلمان نقارۂ رحیل بجا کر اپنا رخت سفر باندھ رہے تھے ایسے ہنگامہ خیز دور میں آپ مسجد ہی میں نماز ادا کرنے جاتے اور لوگوں کے منع کرنے کے باوجود اپنی جان کی پروانہ کرتے اور وقت پر مسجد پہنچ جاتے۔ دنیا آج بھی جا کر دیکھ سکتی ہے کہ محلّہ سوداگراں بریلی میں صرف آپ کا خاندان آباد ہے۔ بقیہ سب ہندو ہیں جن میں کثیر تعداد شرنارتھیوں کی ہے۔'' (۱۱) یہ تو رہا اس وقت کا ہندوستان اور آج کا ہندوستان کس طرح ہے اسے لکھنے کے لئے دفتر درکار ہے۔ مختصر یہ ہے کہ مسلمانوں پر جوروستم جس طرح ہورہا ہے اسے ہم اور آپ اپنے ماتھے کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور پاکستان وجود میں آنے کے بعد جس سبز باغ کا خواب ہمارے علماء دیکھ رہے تھے اس سلسلہ میں حکومت الٰہیہ اور نظام مصطفیٰ کو عملی شکل دے کر اس کے مطابق زندگی بسر کرنا تو درکنار اپنی بات کو حکومت کے پلیٹ فارم سے منوانے میں جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔

ستم بالائے ستم یہ کہ ہندوستان کے جن مسلمانوں نے پاکستان بنوایا تھا اور جس کے لئے انہوں نے ہندوؤں کے مظالم سہے تھے وہ پاکستان گئے تو ان کے ساتھ وہی معاندانہ سلوک کیا گیا جو ہندوستان کے شرپسند ہندو یہاں کے مسلمانوں کے ساتھ برت رہے ہیں۔ مہاجرین کو قتل کرنا ان کے مکان واملاک نذر آتش کرنا برباد کرنا انہیں ذلیل وخوار کرنا

وغیرہ وغیرہ آج پاکستان میں مہاجر قوموں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے وہ کسی شخص پر مخفی نہیں اور ہندوستان میں باقی ماندہ مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے اسے بھی بیان کرنے کی ضرورت نہیں یہی وہ عناصر تھے جسے دور اندیشی سے کام لے کر مفتی اعظم ہند نے مسلم لیگ سے نفرت و بیزاری کا اعلان کیا کہ جب حصول پاکستان سے پہلے ہی اس تنظیم کے اساطین کا یہ موقف ہو بقول جناح:۔

''پاکستان میں حکومت الٰہیہ ہرگز قائم نہیں ہوگی پاکستان ایک جمہوری اسٹیٹ ہوگا جس میں غیر مسلمنوں کا بھی حصہ ہوگا۔ پاکستان میں کٹھ ملاؤں کی حکومت نہیں ہوگی''۔

(۱۲) تو کیوں کر مفتی اعظم ہند جیسا دانشور، مفکر اور مذہبی رہنما اس کی حمایت کرتا۔ اسی لئے انہوں نے ایک سائل کے جواب میں یہ لکھنے میں قطعاً دریغ نہ کیا۔

''لیگ بدمذہبوں اور بددینوں پر مشتمل ایک جماعت ہے جس میں اہلسنت بھی برخلاف حکم شرع داخل ہو گئے ہیں اور از آنجا کہ اس کے کرتا دھرتا لوگوں میں بددین ہیں تو وہ بدمذہبوں ہی کی ایک چکڑی ہے یہ اسی ندوے کی طرح ہے جس کا فتنہ تقریباً ۵۰ رسال پہلے رونما ہے جس کے رد میں علماء اہلسنت خصوصاً امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلیٰحضرت قدس سرہ نے بے شمار تصنیفیں فرمائیں اور ملک بھر میں شائع کیں۔ برسہا برس تو جس کا تحریری و تقریری رد فرمایا گیا اور مسلمانوں کو اس سے بچایا گیا ہرگز ہرگز اس کی رکنیت اس کی امداد و اعانت اور اس کے جلسوں میں شرکت نہ کی جائے مجھ پر یہ بہتان و افتراء ہے کہ میں نے کبھی زبانی یا تحریری فتویٰ اس کی امداد و اعانت کے جواز کا دیا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم یہ تہمت ایسی ہے جیسے خود مطلب لوگوں نے حضور پرنور سیدنا الوالد الماجد اعلیٰحضرت مجدد دین وملت شیخ الاسلام والمسلمین مولانا مولوی حاجی شاہ احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ العزیز پر انگریزوں کی حمایت و اعانت کا جیسا افتراء برسوں کیا ہے جیسے اعلیٰحضرت قدس سرہ کا دامن اس داغ سے پاک ہے یوں ہی فقیر کا دامن

اس داغ سے کہ لیگ کی امداد و اعانت لیگ کی شرکت کے جواز کا فتویٰ دیا۔ (۱۳)

واللہ تعالیٰ اعلم

فقیر محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری غفرلہ

۲۶ ر صفر المظفر ۱۳۷۰ھ

جس جلیل القدر شخصیت کا یہ فرمان کہ لیگ کی امداد و اعانت کسی طرح جائز نہیں پھر اس کے بارے میں یہ خیال کہ اس نے لیگ کی حمایت میں فتویٰ دیا سراسر غلط بے بنیاد اور انتہائی جہالت پر مبنی ہے۔ چنانچہ انہوں نے صاف صاف واضح لفظوں میں کہہ دیا کہ مجھ پر لیگ کی حمایت کا الزام کھلا ہوا افتراء و بہتان ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بریلی دارالافتاء سے مسلم لیگ کی حمایت میں ایک تار بھی ارسال کیا گیا جس کی نسبت مفتی اعظم ہند کی طرف پر زور انداز میں کی گئی اس ٹیلی گرام میں مسلم لیگ کے موقف کی پر زور حمایت کی گئی تھی وہ ٹیلی گرام ۱۵ ر جولائی ۱۹۴۵ء کو "انجام" دہلی میں شائع ہوا پھر اسے ۷/۱۴ نومبر کو الفقیہ امرتسر نے نقل کیا۔ الفقیہ نے لکھا ہے۔

"خیال کے ماتحت شملہ کانفرنس کے زمانہ میں دائرے کو حضرت مولانا مولوی مصطفیٰ رضا خاں صاحب مدظلہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ رضویہ بریلی کی جانب سے لیگ کی تائید میں تار بھی بھیجا گیا جو ۱۵ ر جولائی ۱۹۴۵ء کے روزنامہ انجام دہلی میں شائع ہوا۔ حضرت مولانا موصوف اس وقت برائے حج بیت اللہ تشریف لے گئے ہیں نیز سنی کانفرنس نے جس کے صدر حضرت مولانا موصوف ہیں اپنے بنارس کے حالیہ جلسہ میں مسلم لیگ کا تعاون کرنے اور اس کی تائید و حمایت کرنے کا صاف طور سے اعلان کیا ہے۔ (۱۴) اس اخباری مضمون میں شروع سے آخر تک شکوک و شبہات کے لہجے میں گفتگو کی گئی ہے۔ گفتگو کا آغاز ہی ماتحت سے ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہوائی محل ہے جو اعتماد کے مختصر جھونکے سے ہی مسمار ہو سکتا ہے۔ ٹیلی گرام کی یہی نقل ماہنامہ ضیائے حرم ۱۹۷۷ء

میں بھی شائع ہوئی۔ کہتے ہیں کہ جھوٹ اتنی بار بولا جائے کہ سچ معلوم ہونے لگے۔ شاید یہی حکمت عملی مفتی اعظم ہند کی جانب منسوب اس ٹیلی گرام میں اختیار کی گئی ہے۔ اس ٹیلی گرام کی حقانیت و صداقت کہاں تک ہے خدا جانے ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ جس شخص کی زندگی کا لمحہ لمحہ شرعی اصول و ضوابط کا آئینہ دار ہو اور اسی کے مطابق اس کے شب و روز گذر رہے ہوں وہ مسلم لیگ کے اصول و ضوابط کے پیش نظر کیوں اس کی حمایت کا دم بھرتا اور کیوں کر ٹیلی گرام دے کر لیگ سے متعلق اپنے موقف کا اعلان کرتا۔ اس کا فیصلہ قارئین اور سامعین پر ہے۔ مفتی اعظم ہند کا وہ فتویٰ قول فیصل کا درجہ رکھتا ہے جس میں انہوں نے صراحت کے ساتھ لیگ میں شرکت کو ناجائز و حرام قرار دیا ہے یا وہ ٹیلی گرام جو شک و ارتیاب کی وادیوں سے گذر کر کئی واسطوں سے انجام دہلی، الفقیہ امرتسر، ضیائے حرم لاہور میں شائع ہوا۔ اگر بالفرض کسی حد تک اس کی صداقت کا شمہ برابر اعتراف کر بھی لیا جائے تو یہ اس وقت کی بات ہوگی جب لیگ کی پالیسیاں اس طرح ابھر کر سامنے نہیں آئی ہوں گی کہ اس پر کسی قسم کی شرعی گرفت کی جا سکے۔ بہر حال یہ ایک موہوم خیال ہے جس میں صداقت کی گنجائش نفی کے برابر ہے اس فتویٰ کے پیش نظر اس ٹیلی گرام کی کوئی حقیقت نہیں معلوم ہوتی جیسا کہ ماہنامہ فیض الرسول میں ہے۔

''اس ایمان افروز فتویٰ سے ظاہر ہوگیا کہ مذکورہ تاریخ کی نسبت مفتی اعظم ہند کی طرف غلط اور بے بنیاد سوائے ایک فریب اور عوام کو دھوکہ دہی کے علاوہ کچھ نہیں۔ (۱۵)

البتہ ہمارے وہ علماء جو پاکستان میں مقیم ہیں انہوں نے ہر چند یہ کوشش کی ہے اور کچھ شواہد بھی پیش کیے ہیں کہ مفتی اعظم ہند نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ ثبوت کے طور پر انہوں نے بنارس کانفرنس کی شرکت کو پیش کیا ہے یہ طے ہے کہ مفتی اعظم ہند نے اس میں شرکت کی ہے اور شرکاء میں ان کے دستخط بھی ہوں گے مگر جہاں تک رہا بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا سوال تو یہ اب بھی قابل غور ہے کیونکہ مفتی اعظم ہند کا کوئی ایسا

بیان اس مشتبہ ٹیلی گرام کے علاوہ سامنے نہیں آیا جس کے سبب اعتماد کے ساتھ مسلم لیگ کی حمایت کا ثبوت مفتی اعظم ہند کے حوالے سے کسی طرح فراہم کیا جا سکے۔

آل انڈیا سنی کانفرنس کے ممبران شروع میں تقریباً تمامی علماء اہلسنت تھے اس لئے اس پلیٹ فارم سے جو آواز اٹھائی گئی شرعی حدود سے باہر نہیں تھی کیونکہ اس تنظیم نے اس سلسلہ میں جو موقف اختیار کیا تھا اس کا اعلان دبدبۂ سکندری رامپور میں ان لفظوں میں شائع ہوا تھا۔

''آل انڈیا سنی کانفرنس مسلم لیگ کے اس طریقۂ کار کی تائید کر سکتی ہے۔ جو شریعت مطہرہ کے خلاف نہ ہو۔

مسئلۂ پاکستان یعنی ہندوستان کے کسی حصہ میں آئین شریعت کے مطابق فقہی اصول پر حکومت کرنا سنی کانفرنس کے نزدیک محمود و مستحسن ہے۔ (۱۶)

جب تک سنی کانفرنس اپنے اصول وضوابط پر کاربند تھی جملہ علماء کرام دوش بدوش شانہ بشانہ مل کر کام کرتے رہے لیکن جب ان اصولوں کی خلاف ورزی کی گئی اکابر علماء کا خیال کئے بغیر مسلم لیگ کے تمام اصول و دساتیر کو من وعن تسلیم کر کے اس کی حمایت کا اعلان کیا گیا تو کچھ سنی کانفرنس سے مستعفی ہو گئے اور کچھ لوگوں نے خاموشی اختیار کر لی اور کچھ اہل علم نے سنی کانفرنس کے عمائدین سے تحریری استفسار بھی کئے اس سلسلہ میں کیا ہوا کیا نہیں اس کی ایک طویل داستان ہے۔ بہرحال مختصر یہ کہ مفتی اعظم ہند کے مذکورہ فتویٰ نے تریاق کا کام کیا۔ لوگوں کی آپسی شکر رنجی دور ہو گئی اور بیچ کی خلیج پاٹنے میں اس سے کافی مدد ملی۔

مفتی اعظم ہند نے جو تار ارسال کیا تھا اس میں مسلم لیگ کے جس نقطۂ نظر کی حمایت کی گئی تھی وہ صرف یہ تھا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ سیاسی جماعت ہے بس جس کا پس منظر دراصل یہ تھا۔

''وائسرائے ہند لارڈ ویول نے شملہ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان

مفاہمت کرانے کے لئے ایک کانفرنس کی مسلم لیگ کا موقف تھا کہ وہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ سیاسی تنظیم ہے جب کہ کانگریس متحدہ ہندوستان کے تمام باشندوں کی نمائندگی کی دعویدار تھی۔ حضرت مفتی اعظم ہند نے قائداعظم کے نام ایک تار میں مسلم لیگ کے نقطۂ نظر کی حمایت کی۔ (۱۷)

اس تار سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی سیاسی تنظیم ہے اس لئے کہ اس کے بالمقابل کانگریس پارٹی تھی جو بہرحال مسلمانوں کی سیاسی پارٹی نہیں۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ مفتی اعظم ہند مسلم لیگ کے اصول ونظریات کو من وعن قبول کرتے تھے اور بہرنوع اس کی حمایت کے حامی تھے اس تار سے مفتی اعظم ہند کی لیگ سے ہمدردی اور اس کی اعانت کا ثبوت فراہم کرنا سوائے خوش فہمی کے اور کچھ نہیں۔

ایک بار میں پھر اس کی وضاحت کردوں کہ قیام پاکستان سے متعلق مخالفت نہیں کی گئی بلکہ مخالفت ان اصول وضوابط کی کی گئی جس کے پیش نظر حصول پاکستان کی جد وجہد کی جاتی رہی۔ مفتی اعظم ہند کے فتوئی میں قیام پاکستان پر کوئی رد نہیں البتہ مسلم لیگ تنظیم پر رد وقدح ہے اسی وجہ سے اس تنظیم سے دور ونفور کا مشورہ دیا گیا۔ اگر قیام پاکستان کی مفتی اعظم ہند نے مخالفت کی ہوتی تو بقول کسے بریلی حلقہ سے لڑنے والے امیدوار عزیز احمد ایڈوکیٹ کو پاکستان کے حق میں اپنا ووٹ نہیں ڈالتے۔

حواشی

(۱) روزنامہ الجمعیۃ دہلی ۲۱؍مئی ۱۹۵۴ء
(۲) روزنامہ الجمعیۃ دہلی ۲۱؍مئی ۱۹۵۴ء
(۳) ماہنامہ استقامت کانپور مفتی اعظم ہند نمبر ص ۱۹۴ ۱۹۸۳ء
(۴) ماہنامہ حجاز دہلی مفتی اعظم ہند نمبر ص ۱۰۶ ۱۹۹۰ء
(۵) ماہنامہ فیضان لاہور ص ۲۸ ۱۹۷۸ء
(۶) ماہنامہ فیضان لاہور ص ۲۷ ۱۹۷۸ء
(۷) خطبات عثمانی پروفیسر نورالحسن شیرکوٹی ص ۳۷ لاہور ۱۹۷۲ء
(۸) اشک رواں مفتی شریف الحق امجدی ص ۵۶ گیا ۱۳۶۵ھ
(۹) حافظ ملت افکار و کارنامے مبارک حسین ص ۸۷ ۱۹۹۰ء
(۱۰) حافظ ملت افکار و کارنامے مبارک حسین ص ۸۷ ۱۹۹۰ء
(۱۱) ماہنامہ حجاز دہلی مفتی اعظم ہند نمبر ص ۹۴ ۱۹۹۰ء
(۱۲) الارشاد حافظ ملت مولانا عبدالعزیز مرادآبادی ص ۱۷
(۱۳) احکام دینیہ ضروریہ ملک نیاز احمد ص ۲ کانپور
(۱۴) ماہنامہ فیضان لاہور ص ۴۸ ۱۹۷۸ء
(۱۵) ماہنامہ فیض الرسول بستی ص ۲۳ ۲۳؍جنوری ۱۹۸۵ء
(۱۶) دبدبۂ سکندری رامپور ۲۹؍مارچ سہ بحوالہ خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مولانا جلال الدین قادری ص ۲۳۸ لاہور
(۱۷) ماہنامہ حجاز دہلی مفتی اعظم ہند نمبر ص ۹۷ ۱۹۹۰ء

☆☆

مفتیٔ اعظم اور دورِ حاضر کے علماء و مرشدین

(مولانا بدر القادری اسلامک اکیڈمی ہالینڈ)

علمائے دین کا اصل وقار حق گوئی و بے باکی ہے جسے اسلام نے ''افضل الجہاد'' کا مقام عطا فرمایا ہے۔ علم کو انحطاط ہو رہا ہے۔ دین کی قدریں پامال کی جارہی ہیں۔ قرآن و حدیث کی منشا جاننے اور اس سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے بجائے مصلحتوں کی پیروی کا رواج ہو رہا ہے۔ حالات کے رخ پر ڈٹ کر حق کی صدا بلند کرنے والے روپوش ہوتے جارہے ہیں۔

علماء قدیم فرمایا کرتے تھے۔

''لوگوں پر عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک تندرست و توانا، موٹا تازہ شخص جس کے بدن پر چربی کی تہیں جمی ہوں شہر شہر تلاش و جستجو کرتے کرتے نحیف و نزار، دبلا پتلا ہو جائے گا۔ لیکن اسے کوئی ایسا متقی نہ ملے گا جو سنت پر عامل ہو لوگ اپنی ذاتی رائے اور مصلحت آمیز باتوں کو فقہ کا نام دیں گے''۔

خود مخبر صادق سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی قرب قیامت کی علامتوں میں شریر فقہاء کی پیشن گوئی فرمائی ہے۔

طبرانی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''قیامت قائم نہ ہوگی تا آنکہ کتاب اللہ کو عار سمجھا جائے گا۔ زمانہ باہم قریب ہو جائے گا۔ محبت و خلوص کم ہو جائے گا۔ خیانت کرنے والے امین بنا دیئے جائیں گے۔ امانت داروں پر الزام لگایا جائے گا۔ جھوٹے کو سچا کہا جائے گا۔ سچے کو جھوٹا گردانا جائے

گا۔لوٹ مار قتل کی زیادتی ہوگی۔ بغاوت، حسد اور کینہ فروغ پائے گا۔لوگ معاملات میں اختلاف کریں گے۔خواہشات کی پیروی کی جائے گی۔ظن (گمان) پر فیصلے صادر ہوں گے۔علم اٹھالیا جائے گا۔جہالت بڑھے گی۔''

اسی طرح طبرانی سیدنا عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں۔آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ہلاک کرنے والوں کی عزت کریں گے اور عبادت کرنے والوں کو ذلیل سمجھیں گے۔قرآن سے جو ان کی خواہش کے مطابق ہوگا عمل کریں گے اور جو خلاف ہوگا اس کو چھوڑ دیں گے اس طرح وہ بعض پر ایمان رکھیں گے اور بعض سے کفر کریں گے''۔

ان فرامین مبارکہ کے صاف و شفاف آئینوں میں ہمیں قیامت کے نزدیک آنے کی آہٹ محسوس ہو رہی ہے۔ ذرا ایک اچٹتی سی نظر اس سرزمین پر ڈالئے جسے دنیا ''عالم اسلام'' کہتی ہے۔ایک سے ایک قد آور اہل علم دنیاوی آرام و آسائش کی دلدل میں پھنسے ہوئے، خواہشات منصب اور تفوق و برتری کی دھن میں غرق ہیں۔مسلم ملکوں کے اقتدار پر صیہونیت، مسیحیت، اشتراکیت، سامراجیت اپنے اپنے پنجے گڑائے ہوئے ہے۔رسول اعظم و اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ سے استمداد کو شرک و کفر گردانئے والے امریکہ، برطانیہ اور ان کے حواریوں سے مدد کی بھیک مانگ رہے ہیں۔مسلمان مسلمان کی گردنوں پر سوار ہے۔مسلم حکومت مسلم حکومت کے خلاف جنگ کر رہی ہے۔اور علماء خاموش ہیں اگر کوئی زبان کھولتا بھی ہے تو اپنے ملک کے حکمرانوں کی حمایت میں، دین و دیانت، حق گوئی اور سچائی کے گلے پر چھری پھیر کر مذہب کا کٹا ہوا سر حاضر کر دیتا ہے۔ الامان والحفیظ سعودی حکمرانوں کو اپنی حکومت کی حفاظت کے لئے رب کعبہ سے زیادہ امریکہ پر اعتماد ہے۔حرمین طیبین کی فضاؤں سے کفار و مشرکین کے طیارے گذرتے

ہیں۔ اور امامِ کعبہ خاموش ہے رابطۂ عالم اسلامی کی زبان پر تالے لگے ہیں۔ ایسی روح فرسا گھڑی میں ہمیں ہندستان کے شہر بریلی کا ایک مرد قلندر یاد آرہا ہے جسے دنیا والے ''مفتی اعظم'' اور اہل بریلی ''بڑے مولانا'' کہا کرتے تھے۔

اللہ اللہ کیسی جرأت و صلابت تھی اس بندۂ مومن میں جس نے کروڑوں ہندوؤں کی آبادی کے ملک میں رہ کر حکومت وقت کے فیصلے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ مصلحتوں کے پجاری سرنگوں ہیں حالات اور فضا کی برہمی اپنی جگہ ہے۔ نہ جانے کتنے صاحبانِ جبہ و دستار حکومت کے مزاج سے صلح کر چکے ہیں۔ علماء کے وقار پر دھبے لگ رہے ہیں۔ اسلامی اور ایمانی جرأت کا خون ہورہا ہے۔ پاس مادّی وسائل نہیں۔ طوفان بلا کو ٹالنے کا سامان نہیں۔ مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہورہا ہے اور حکومتی قانون کا سہارا لے کر نسبندی کے نام پر لاکھوں انسانوں کے سلسلۂ توالد و تناسل کو منقطع کر دیا گیا۔ عورتوں کے آپریشن کر دیئے گئے۔ پولیس، مدد کررہی ہے۔ حکومتی اہل کار شہر شہر، قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، محلّہ محلّہ اور گھر گھر دستک دے رہے ہیں۔ آپ کے کتنے بچّے ہیں؟ اگر دو یا تین ہیں تو نسبندی کرایئے۔ کہیں لالچ دے کر، کہیں ڈرا دھمکا کر، کسی پر زور دباؤ ڈال کر آئندہ کے لئے لوگوں پر اولاد کا سلسلہ بند کیا جارہا ہے۔

مسلمان، ہندو، سکھ، پارسی، عیسائی تمام قوموں کے لیڈروں نے حالات سے نظر پھیر لی ہے۔ اس وقت ایک ۸۰ رسالہ بزرگ گوشہ نشیں، مرد خدا مفتی اعظم کے کانوں تک بات پہنچتی ہے۔ آپ نے حالات کی ناسازگاری، حکومت وقت کے ظلم و ستم اور ملک بھر کے عام رجحان کے خلاف اپنا فتویٰ صادر فرمایا۔ اور مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ خبردار کسی لالچ، حرص یا دباؤ میں آکر مسلمان اس ناجائز کام میں ملوث نہ ہوں۔ فتوے کی ہزاروں نقلیں تیار کی گئیں اور تمام اطراف ہند میں بھیجی گئیں۔ حکومت کے ایوانوں میں بھی یہ فتویٰ پہنچا اور شہروں، گاؤں اور بستیوں کے چوپالوں میں بھی اس کے مضامین دہرائے گئے۔

خدا کی قدرت ایسی کہ ایمر جنسی کے دوران اسی نسبندی کے جبری نفاذ نے ہندستان بھر میں برسر اقتدار جماعت کے خلاف غم وغصہ کی لہر دوڑادی۔ اور اس کے بعد جو حکومتی انتخاب عمل میں آیا۔ اس نے ایمر جنسی اور نسبندی کے ذریعہ ظلم وستم کرنے والوں کو بری طرح ذلیل کر کے رکھ دیا۔

ہوا تھی گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے تھے انداز خسروانہ

اس بارے میں حضرت علامہ مدنی میاں پھوچھوی لکھتے ہیں۔

''ایمر جنسی کے دور میں ظالم و جابر حاکموں نے ظلم و جور کی حد کردی۔ اور خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریہ کو منوانے کے لیئے وہ ستم ڈھائے گئے کہ الاماں والحفیظ۔ اس جور وستم کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کی زبانیں گونگی ہوگئیں۔ بلکہ ابن الوقت حکومت کی حمایت میں اتر آئے۔ کرائے کے مفتی مسند افتاء کی مٹی پلید کرنے لگے۔ ایسے خوف و ہراس کے عالم میں خدا نے اپنا دین بچایا مفتی اعظم ہند کے ذریعہ جنہوں نے اندیشۂ سود وزیاں سے بے نیاز ہوکر حکومت وقت کے خلاف فتویٰ دیا اور سائیکلو اسٹائل کرا کے ملک کے گوشے گوشے میں روانہ کیا۔ چونکہ دیگر جملہ ذرائع ابلاغ وترسیل پر گورنمنٹ کے آہنی پنجوں کا دباؤ تھا اس لیئے ان کو اشاعت کا ذریعہ نہیں بنایا جاسکا''۔

(استقامت کانپور، مفتی اعظم ہند نمبر، مئی ۱۹۸۳ء ص ۱۴۶)

اس وقت ملک کی فضا کتنی مسموم تھی مسلمان اقلیت تو درکنار اکثریتی طبقہ کی زبانوں پر تالے لگے ہوئے تھے ایسے وقت میں جرأت رندانہ کا یہ اقدام کوئی مرد حق آگاہ ہی کرسکتا تھا۔ حضور مفتی اعظم کی اس شیرانہ جست نے مسلمانان ہند میں مسرت کی لہر دوڑادی اور ہزاروں قلوب کی یاس وقنوطیت، بے بسی وحرماں نصیبی کے دلدل سے نکل کر ایمان باللہ کی جلوہ گری دیکھنے لگے حضور مفتی اعظم کی ذات اس وقت اسلام کا مینار عظمت بن کر بلند ہوئی

اور بریلی کی خانقاہ سے حسینی شان کا پرچم بلند ہوا۔ حق گوئی و بے باکی کا پرچم۔

شہزادۂ خانوادۂ برکات مولانا سید محمد امین میاں مارہروی لکھتے ہیں۔

"یوں تو مجھے حضرت والا کی بہت سی باتیں متاثر کرتی ہیں مگر جس بات نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ استقامت فی الدین اور شرعی احکام کا کھلم کھلا اعلان ہے۔ فیملی پلاننگ کے مسئلہ پر سارے علماء اور مشائخ نے رخصت پر عمل کیا اکثر علماء نے سکوت اختیار کیا اور بہت سے نام نہاد دیوبندی مفتیوں نے سرکاری روش کے حق میں فیصلے دیئے۔ مگر چونکہ مفتی اعظم ہند رضی اللہ عنہ ایمان کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے لہٰذا انہوں نے حق کا بآواز بلند اعلان فرمایا اور اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ اس کا نتیجہ ان کے حق میں کیا ہوگا۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ فیملی پلاننگ کے خلاف فتویٰ دینے کے باوجود ان کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ حضرت کی عمر شریف جہاد بالسیف کے دور سے گزر چکی تھی مگر ان کے قلمی جہاد نے ثابت کر دیا کہ۔

آئین جواں مرداں، حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

(ایضاً ص: ۱۳۸)

حضرت مولانا صوفی الحاج نظام الدین بستوی شیخ الحدیث مدرسہ تنویر الاسلام امرڈوبھا تحریر فرماتے ہیں۔

۷۶۔۱۹۷۷ء کا وہ پرسوز دور جس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک ایسے بھیانک طوفان میں کھڑا کر دیا تھا جہاں سے اسلامیان ہند کے سفینۂ اعتقاد کے تختے ٹوٹتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ سعودی ریال، امریکن ڈالر اور حکومت کے ٹکڑوں پر پلنے والے ابنائے وقت علماء کے قدموں میں لغزش آ گئی تھی اور نسبندی کے جواز پر مسند افتاء پر بیٹھنے والے مفتیوں نے فتویٰ صادر کر دیا تھا۔ ریڈیو، اخبار کے ذریعہ خوب خوب پرچار بھی کیا گیا تھا۔ ہندستان کا مسلمان اب ایسے موڑ پر پہنچ چکا تھا جہاں پر ہر طرف تاریکی ہی

تاریکی تھی، طوفان ہی طوفان تھے۔ پوری مسلم قوم ایک ایسے میر کارواں کی تلاش میں سرگرداں تھی جو اسے سہارا دے۔ ایمان واعتقاد کی کشت ویراں کو لالہ زار بنائے۔ سب کی نگاہیں شہر عشق ومحبت پاسبان ناموس رسالت بریلی کی جانب لگی ہوئی تھیں۔ یکایک بریلی کا مرد مجاہد مخالفتوں کی تیز آندھیوں میں اپنے علمی وقار کے ساتھ اٹھتا ہے اور بمصداق حدیث شریف افضل الجہاد کلمہ حق عند السلطان الجائر ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا افضل الجہاد ہے۔ آپ نے اعلان فرمایا۔

نسبندی حرام ہے۔ حرام ہے۔ حرام ہے۔ (ایضاً ص:۱۰۶)

یقیناً یہ جرأت مردانہ اور حق وصداقت کے اعلان کا تیور حضور مفتی اعظم ہند کا حق تھا۔ ان کی زندگی کی کتاب میں مطالعہ کرنے والوں نے کوئی ایسا ورق نہیں پایا کہ وہ کسی خلاف شرع امر کے مرتکب ہوئے ہوں یا کسی ناحق یا نامناسب بات کو سن کر ان کے حق گولبہائے مبارک خاموش رہے ہوں۔ کیوں نہ ہو۔ دین حق کی حمایت میں عمر عزیز کے شب وروز قربان کرنے والے مجاہد اسلام مجدد ملت کے شہزادے ہیں۔ انگریزوں کے خلاف جامع مسجد دہلی میں اعلان جہاد فرمانے والے علامہ فضل حق کے جانشین ہیں۔

جس کا نصب العین تھا اعلان حق تبلیغ حق
زندگی جس کی تھی شرع مصطفےٰ کا آئینہ

بلاد عربیہ کے علماء:۔ بلاد عرب میں تعلیم وتعلم کا قدیم دستور باقی نہیں رہا دنیاوی تعلیم کے مدارس اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں میں ہی دینیات اور اسلامیات اور دیگر علوم وفنون کے شعبے قائم ہیں۔ سعودیہ، مصر اور چند ایک اور ملکوں میں اسی اسلوب پر خاص اسلامی جامعات بھی ہیں۔ مگر ہر مسلم ملک میں دینی تعلیم کی پرانی روش کو تقریباً خیرباد کہہ دیا گیا ہے۔ اسی لحاظ سے قدیم بارسوخ علماء بھی کم ہو رہے ہیں۔

علمائے قدیم جیسی دین سے شیفتگی، والہیت اور فدائیت، دین اور مذہب کے لئے

قربانی کے جذبات سرد پڑ رہے ہیں۔ مغربی طرز زندگی کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ علم حدیث، علم کلام، فقہ اسلامی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والے ایک سبجکٹ کے لحاظ سے اپنے فن کو پڑھتے تو ہیں مگر اس میں فقہائے اسلام کی پاکیزہ نفسی، محدثین اسلام کے کردار کا پرتو، صلحا کی زندگی کا عکس کہیں نظر نہیں آتا۔ مغربی تہذیب کا جنون اس بری طرح ان کے اعصاب پر سوار ہے کہ سب کچھ پڑھتے ہیں پڑھاتے ہیں، سیکھتے ہیں سکھاتے ہیں مگر خود ان کی زندگیاں مغربیت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہیں۔ (الا ماشاء اللہ)

عالم اسلام کے علماء میں دنیا طلبی، حصول مراتب اور مصلحت کوشی کی عادتیں عام ہورہی ہیں۔ اور چونکہ علم دین خالص مقاصد دینی کے بجائے دوسری مصلحتوں کے تابع ہوگیا۔ اس لئے مسلم حکمرانوں کی غلط کاریوں پر حق بات کا اظہار کرنے کی جرأت بھی جاتی رہی۔

اگر واقعی یہی حصول دنیا ہے تو یقیناً عرب حکمرانوں کے کرتوتوں کی حمایت کرنے والے اہل علم کیا اس فرمان نبوی سے غافل ہیں؟

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً مِمَّا یُبْتَغٰی بِہٖ وَجْہُ اللّٰہِ لَایَتَعَلَّمُہٗ اِلَّا لِیُصِیْبَ بِہٖ غَرَضاً مِنَ الدُّنْیَا لَمْ یَجِدْ عُرَفَ الْجَنَّۃِ یَعْنِیْ رِیْحَھَا۔ (احمد وابوداؤد عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

جس علم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی جاتی ہے ایسے علم کو جس کسی نے بھی دنیاوی غرض کے لئے حاصل کیا وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

پیران برطانیہ:۔ ہمارے قریبی ملک برطانیہ میں بھی بعض نام نہاد علماء اور پیروں نے مذہب کا بیڑا غرق کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے ان حضرات کے ذریعہ اصحاب صفہ کے فیوض کیا تقسیم ہوں گے صفائے باطن کی نعمت کیا ملے گی۔ حصول زر اور مریدوں، معتقدوں کی بیش از بیش کھیتی اگانے کی ریس میں برصغیر کی سیاسی تنظیموں جیسی تمام اخلاق سوز اسکیمیں بروئے کار لائی جاتی ہیں۔ ہر ایسا پیر اپنے مریدوں سمیت گویا اپنی الگ

امت تشکیل دے رہا ہے۔ حقیقی فقراء اور درویش جو نام و نمود کے مخالف پروپیگنڈے سے بیزار اور انسانی سینوں سے ریا کینہ حسد اور بغض جیسی نجاستوں کو پاک فرمانے کے منصب پر فائز ہوا کرتے تھے ان کے حریص جانشینوں نے امت اسلامیہ میں اپنے وجود سے انتشار، اختلاف، اور تنافر بین المسلمین کے اتنے دروازے کھول دیے ہیں کہ مغربی ماحول میں آنکھ کھولنے والی مسلمانوں کی نئی نسل نہ صرف پاکیزہ تعلیمات صوفیاء بلکہ اسلام سے منحرف ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ ان پیروں میں بعض ایسے بھی ہیں جو مدح مصطفےٰ کے اشعار، جو شاعر روئے والشمس اور زلف واللیل والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں پڑھتا ہے۔ اسے اپنی ذات پر منطبق کرتے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ سر مجلس نعت خواں نے مازاغ البصر کی تشریح کرتے ہوئے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمان مبارک کی تعریف کی تو پیر جی نے اپنی آنکھوں پر انگلیاں پھیر لیں۔ زلفوں کا ذکر کیا تو اپنے بالوں پر ہاتھ گھما دیا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روئے زیبا کی توصیف کی تو پیر صاحب نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ اور حسن اعتقاد میں سرشار مریدوں میں ایک فدا کارانہ ہلچل مچ گئی۔ ان میں کا ایک پیر دوسرے کے مریدوں پر اس طرح قبضہ کرتا ہے جس طرح مغربی لٹیروں نے ایشیا اور افریقہ کے علاقوں کو اپنی کالونی بنانے کے زمانے میں یورشیں کی تھیں۔

قدیم خانقاہیں تو بھید بھاؤ اپنے پرائے زبان و وطن کے خلاف اسلامی جہاد کا عملی مظہر ہوا کرتی تھیں۔ اب اہل ہوا کی جدید خانقاہوں میں مسلمانوں کو اسلام اور روح اسلام سے برگشتہ کرنے کے سارے طاغوتی اسلحے استعمال کرنے کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ سکوں کی چمک محسوس ہو تو ان میں کے بعض پیر اپنے حاشیہ برداروں سمیت کسی اپنے سے ماڈرن (کتوں کی محافظت میں رہنے والے) پیر کے ہاتھوں بک بھی جایا کرتے ہیں۔ یورپ کی دنیا میں ایشیائی پیروں کے کئی طبقے ہیں۔ ان کے جو با اصول اور با وضع ہیں وہ تو

گویا پیر ہیں ہی نہیں۔ یہاں کی دنیا میں یہ حضرات اپنی ساکھ جمانے کے لئے برطانوی سامراجیت کے تمام فرسودہ ہتھیاروں کو استعمال کرتے ہیں۔ مظلوم علماء کی زبانی فقیر کو یہ روایت ملی ہے کہ یہ لوگ اپنے مکر وحیلہ کے ذریعہ مسلمانوں کی تنظیموں پر حاوی ہوجاتے ہیں اور مفتوحہ تنظیم میں کام کرنے کے لئے اپنا مولوی متعین کرتے ہیں جس مولوی کی ذمہ داریوں میں سے یہ اہم ذمہ بھی ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پیر جی کے دامن سے باندھے بعض مولویوں سے ماہانہ اور سالانہ حساب لیا جاتا ہے کہ تم نے کتنے لوگوں کو ہمارا ہم خیال بنایا۔ کارکردگی اگر متعینہ نشانے سے کم ہوتی ہے تو مولوی کی خیر نہیں۔ اس کام کو انجام دینے کے لئے مولوی کو ایسے جعلی پیر کی من گھڑت کرامت (جو دراصل کراہت ہے) بھی بیان کرنی پڑتی ہے۔ ظاہر بات ہے اس قسم کے کام دین ودانش کا شعور رکھنے والا کوئی غیرت مند عالم تو کرنہیں سکتا۔ لہٰذا پیروں نے نہایت چالاکی سے کام لیتے ہوئے بس نماز کی امامت، فاتحہ خوانی، ناظرہ کی تعلیم دینے اور دین کی معمولی شد بد رکھنے والوں مگر حلقہ کی توسیع میں مہارت رکھنے والوں کو ترجیح دینا شروع کردیا۔ بھول بھٹک کر کسی علمی غیرت رکھنے والے مولوی کو بلا بھی لیا تو وہ بہت جلد گلے کا قلادہ اتار کر آزاد ہوگیا۔ پیر کی ساکھ پر جس کا غلط اثر پڑنا لازمی امر ہے۔ کچھ مفاد پرست مولویوں نے ایسے پیروں سے تعلقات بھی رکھے ہیں تاکہ ان کے حلقے میں چرنے چگنے کا موقع ملتا رہے۔ ایسے گھناؤنے ماحول کو دیکھ کر ہمیں برصغیر کے ان غریب اور مخلص خدام اسلام کے قدموں کی خاک چوم لینے کے لائق معلوم ہوتی ہے جنھوں نے تکالیف، مصائب اور پریشانیوں کے باوجود اپنی علمی غیرت پر آنچ نہ آنے دی۔

علمائے عرب اور پیران برطانیہ کے حالات کا آئینہ سامنے رکھ کر ہم ماضی قریب کے ایک عالم ربانی اور مرشد کامل کی حیات کا مطالعہ کریں تو مشرق ومغرب کا بعد نظر آئے گا۔

اور مفتی اعظم ہند:۔ ہم حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو

ان کے لیل ونہار، سفر وحضر، خلوت وجلوت ہر عالم میں رضائے حق کے کاموں میں بسر ہوتے نظر آتے ہیں۔ اللہ کی مرضی کے لئے جینا اور اسی کی رضا جوئی میں زندگی کے سانس سانس کا محاسبہ کرنا حضور مفتی اعظم میں دیکھا گیا۔ انہوں نے علوم اسلامیہ اور تعلیمات ربانی کی تبلیغ واشاعت ہی میں اپنی عمر لگا دی۔ جاگیردار تھے، زمینوں کے مالک تھے۔ یوں بھی ان جیسے خدا آشنا بندوں پر مال و دولت نچھاور کرنے والوں کی دنیا میں کمی نہیں مگر انہوں نے کبھی اپنے دامن کو دنیا طلبی سے آلودہ نہیں کیا۔

نبیرۂ اعلیٰحضرت مولانا ریحان رضا رحمانی میاں فرماتے ہیں۔

''مفتی اعظم دنیا میں رہ کر بھی دنیا کے نہ ہوئے۔ بلکہ دنیا کے پیدا کرنے والے کے بن کر جئے۔ مہد سے لے کر لحد تک ۹۲ سال کی زندگی میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے آپ کی دنیا میں دلچسپی ظاہر ہو''۔

(استقامت مفتی اعظم نمبر ص ۱۱۱)

حضرت رحمانی میاں اسی مضمون میں آگے ایک مقام پر لکھتے ہیں ''بار بار ایسا دیکھا گیا کہ دنیا والے بڑی بڑی پیش کش لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہیں مگر آپ ٹھکرا رہے ہیں۔ دولت مند ہزاروں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں آپ سختی سے رد کر رہے ہیں۔ جب کسی نے بہت اصرار کیا تو ایک روپیہ اس کی دلجوئی کی خاطر لے لیا۔ اور اگر آمدنی کو مشکوک سمجھا تو کسی قیمت پر کوئی نذرانہ قبول نہیں کیا۔ یہ تھے ہمارے مفتی اعظم۔ کاش مولویان زر پرست اور پیران تجارت پیشہ ان کے کردار سے کچھ سبق حاصل کرتے۔ اور دین وملت کی بے غرض خدمت کرتے''۔ (ایضاً ص ۱۱۹)

خادمان اسلام کا سب سے عظیم انعام اللہ جل شانہ کی رضا اور حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی ہوتی ہے۔ مال و دولت جائز راستوں اور حلال بنیادوں پر حاصل ہو تو لینے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر پاکبازان امت کے بے داغ سجادے حرص و ہوا

کی آماجگاہ بن جائیں تو دردمند مسلمان رو پڑتا ہے۔ گلیم بوذر اور چادر زہراز راندوزی کے لئے نہیں ہیں۔ پنجاب کے ایک دیدہ ور نے انہیں حالات کا مشاہدہ کر کے کہا تھا

''خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن''۔

مگر آنکھ والو! آؤ تمہیں سکوں کی جھنکار کے متوالوں، ڈالروں، ریالوں اور پونڈوں کی بھیڑ میں ایک نرالی شخصیت کی زیارت کراتا ہوں۔ جس کے اجلے دامن کی خیرات آج بھی ہزاروں خانقاہوں، ہزاروں مدارس اور محراب و منبر کے وارثین میں نظر آتی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد پی۔ ایچ۔ ڈی سندھ کی زبانی سنو۔ ''عشق و محبت نے اس (حضور مفتی اعظم) کو ایسا مست و بیخود کر دیا تھا کہ نہ کسی کی جاہ و حشمت نظروں میں جچتی تھی اور نہ مال و دولت۔ ان کے والد گرامی نے ان کو اور اپنے وابستگان کو یہ نصیحت کی تھی''۔

''تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دست سوال دراز کرنا تو درکنار اشاعت دین و حمایت سنت میں جلب منفعت کا خیال دل میں بھی نہ لائیں کہ ان کی خدمت خالصۃً لوجہ اللہ ہو''۔ (الرضا شمارہ ربیع الآخر و جمادی الاولی ۱۳۳۸ھ ص ۹)

اس ہدایت و نصیحت پر ایسا عمل کیا کہ باید و شاید۔ متاع غرور سے ایسی نظریں پھیریں کہ پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ سنئے سنئے! حج بیت اللہ شریف سے بمبئی واپسی ہے ایک مرید باصفا نے ایک گراں قیمت کار اس نیت سے خریدی کہ بمبئی سے بریلی تک اس میں لے جائے۔ اور جب بریلی پہنچے تو یہ کار نذر کر دے۔ بمبئی سے روانہ ہوئے۔ جاں نثار و فداکار راستے میں زیارت کرتے رہے۔ بریلی پہنچے آرزو کا وقت آ گیا۔ مرید وفا شعار دست بستہ کھڑا ہے۔ اپنی کار خدمت اقدس میں نذر گزار رہا ہے۔ مگر ان کی نگاہ کی رفعت کا عالم نہ پوچھئے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

وہ حرماں نصیب اپنی کارواپس لے کر لوٹ رہا ہے۔ مگر حریم جاناں سے درس محبت لے کر لوٹ رہا ہے۔ جس کی نظر میں محبوب سما جائے پھر اور کوئی نہیں سما سکتا ہے۔ ساری آرزو کا حاصل صرف ایک آرزو ہوتی ہے

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو سبھی کچھ مل جائے
سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

(ایضاً ص ۹۴۸)

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے محاسن واخلاق کے آئینہ خانے سے ورع وارتقاء، خدمت خلق، غرباء نوازی، انکساری وتواضع، مروت وخیر خواہی مساکین واہل حاجت سے ہمدردی اور اہل ثروت سے احتساب وغیرہ متعدد اہم نگینے دور حاضر کے علماء کے تقابل میں پیش کیے جاسکتے ہیں جو سب اپنی جگہ قابل توجہ بھی ہیں اور لائق تقلید بھی۔ مگر میری دوسری مصروفیات مانع ہیں۔ توفیق ایزدی شامل حال رہی تو "سوانح مفتی اعظم" میں اس کی آرزو کی تکمیل کروں گا۔ انشاء المولیٰ تعالیٰ

دامن نگر تنگ وگل حسن تو بسیار
گلچیں بہ ازیں تنگی داماں گلہ دار

خدمت علماء میں دردمندانہ گذارش :۔ برائیوں کو مٹانا اور نیکیوں کو فروغ دینا اسلام کے خدام کی اہم ذمہ داریاں ہیں۔ جہاد جیسا اہم فریضہ بھی ازالۂ منکر ہی کی ایک قسم ہے۔ یورپ ہو یا امریکہ، ایشیا ہو یا افریقہ دنیا کے ہر خطہ میں برائیاں، مفاسد اور منکرات کا نہایت سرعت سے فروغ ہو رہا ہے۔ وہ امور جو کھلم کھلا، صراحۃً حرام ہیں اور تو اور مسلمانوں میں فروغ پا رہے ہیں۔ ایسے حالات میں علمائے اسلام کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ اسلام کے داعی اعظم رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے اذا ظهرت الفتن اوقال البدع فليظهر العالم علمه ومن

لم یفعل ذالک فعلیه لعنة الله والملئکة والناس اجمعین لایقبل الله منه صرفا ولا عدلا

جب ظاہر ہوں فتنے یا فرمایا بدعت بپیاں تو فرض ہے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے اور جو ایسا نہ کرے اس پر اللہ، فرشتوں اور انسانوں تمام کی لعنت اللہ تعالیٰ اس کا فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔

اللہ اکبر کتنی شدید تہدید ہے۔ پڑھ کر روح کانپ جاتی ہے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جسم میں لرزہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کون سی برائی ہے جو ہمارے گرد و پیش نہیں پنپ رہی ہے؟ کون سا فساد ہے جو بھیانک اژدھا بن کر مسلمانوں کے سامنے کھڑا نہیں ہے؟

سب سے بڑھ کر اسلام دشمن عالمی سامراجی بین الاقوامی نظام جو دجّال بن کر مسلمانان عالم کو ان کے دین و ایمان سے برگشتہ کرنے میں شب و روز مشغول ہے۔ اور اپنی فتنہ پرور سازش سے ''ملعون رشدی'' جیسے بیشمار اسلام کش خنجروں کو صیقل کرنے میں مشغول ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ قادیانیت، نجدیت اور رافضیت کے سیلاب دولت و حکومت اور وسائل تشہیر کا سہارا لے کر اسلام کو کمزور کر رہے ہیں۔ مسلمانوں میں بے عملی کی وبا عام ہے۔ شراب، قمار، زنا، فواحش و منکرات اور بے حیائیوں کی تیزی سے اشاعت ہو رہی ہے۔ خادمان اسلام طبقہ پر نظر دوڑائے تو ایک بہت بڑا طبقہ پیری مریدی کے نام پر شب و روز استحصال زر میں لگا ہوا ہے۔ مکر و فریب، دجل و عیاری کے وہ کون سے حربے ہیں جو ان حریصان زر کے استعمال میں نہیں۔ ایسے لوگوں کی سلسلہ بندی، دوڑ دھوپ، مجلس سازی جلسے جلوس۔

ایں ہمہ از پئے آنست کہ زرمی خواہد

وطن اور زبان کے نام پر دھڑے بندیوں اور گروپ سازی کی وبا عام ہے ایسے میں

امت کے حال زبوں کی ذمہ داریاں کس پر عائد ہوتی ہیں۔ کیا ہم ان ذمہ داریوں کے زمرے سے خارج ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو آئے کم از کم اپنے گرد و پیش کو اسلامی تعلیمات اور عملی روشنی سے ہمکنار کرنے کرانے کا کوئی مضبوط پروگرام بنائیں۔ سرزمین یورپ پر ہماری مسلمان نسلیں ارتداد کے نشانے پر ہیں۔ پشتینی مسلمان شراب و شباب میں ملوث ہیں۔ جوا اور حرام غذاؤں سے بہتیرے مسلمان اپنے باطن کو گندہ کر رہے ہیں۔ اٹھئے کہ اپنے بھائیوں کو ان لعنتوں سے بچانے کا سامان کریں۔

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کرنا داں عمل کوئی اگر دفتر میں ہے۔

☆☆☆

مفتی اعظم ہند

شہزادہ امام احمد رضا

(از: پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب پی ایچ ڈی پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ سندھ پاکستان)

وسلام علیه یوم ولد ویوم یموت و یوم یبعث حیًا

سلام اس پر جس نے دلوں پر حکومت کی۔ سلام اس پر جس کی یاد روشنیاں لے کر آتی ہے۔ سلام اس پر جس کا خیال تاریکیاں لے کر جاتا ہے۔ سلام اس پر جس کے قدم نہ ڈگمگاتے۔ سلام اس پر جس کی نظر نہ بہکی۔ سلام اس پر جو صراط مستقیم پر رواں دواں رہا۔ سلام اس پر جس نے ملت کو شعور زندگی بخشا۔ سلام اس پر جس نے سب کچھ لٹایا۔ سلام اس پر جس نے کچھ نہ چاہا۔ سلام اس پر جو محبت کا پاسدار تھا۔ سلام اس پر جو غریبوں کا غمگسار تھا۔ سلام اس پر جس نے گرتوں کو سنبھالا۔ سلام اس پر جس نے ڈوبتوں کو نکالا۔ سلام اس پر جس نے طوفانوں کے منھ پھیر دیئے سلام اس پر جو یادگار سلف تھا۔ سلام اس پر جس کا جہاں سارا جہاں تھا۔ سلام اس پر جو فقر غیور کا علم بردار تھا۔ سلام اس پر مداحان رسول جس سے فیض پاتے تھے۔ سلام اس پر گستاخان رسول جس سے خار کھاتے تھے۔ سلام اس پر جس نے عشق مصطفےٰ کے چراغ روشن کئے۔ سلام اس پر جس کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ سلام اس پر جو قدم قدم پہ خدا کو یاد رکھتا ہے۔ سلام اس پر جو واصل باللہ تھا۔ سلام اس پر جو باقی باللہ تھا۔ سلام اس پر جس نے اسلام کی آن رکھی۔ سلام اس پر جس کے رات دن مخلوق خدا کی خدمت میں صرف ہوتے تھے۔ سلام اس پر جس کی ہر بات نصیحت تھی۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کا حق ادا کر دیا۔ سلام اس پر جس کا مسکن مرکز ارباب صفا تھا۔ سلام اس پر

جس کا مدفن مرجع ارباب وفا ہے۔ ہاں وہ کون ہے جس کے لئے آج دل بے قرار ہے؟
ہاں وہی جو دلوں میں رہتا تھا جو آنکھوں میں بسا تھا

کسی صورت سے بھولتا ہی نہیں
آہ یہ کس کی یادگاری ہے
کیا کہوں تم سے بے قراری کی
بے قراری سی بے قراری ہے

ہاں وہ وہی شہزادہ عالی وقار ہے جو ۲۴ رذی الحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء کو آفتاب بن کر افق بریلی پر جلوہ گر ہوا جس کا نام نامی مرشد نوری نے ابوالبرکات محی الدین جلانی والد گرامی نے محمد رکھا اور عرف مصطفےٰ رضا تجویز کیا گیا۔

جس ذات سے اس کو نسبت فرزندی تھی وہ اپنے وقت کا فرد فرید تھا وہ علوم عقلیہ کا غواص تھا وہ میدان فقاہت کا شہسوار تھا عرب وعجم میں اس کی دھوم تھی سارے جہاں مین اس کا چرچہ تھا کون، عبدالمصطفےٰ امام احمد رضا قدس سرہ العزیز دیکھنے والے کہتے ہیں کہ شہزادہ عالی جاہ اپنے والد بزگوار کا عکس جمال تھا اس کے حسن ورعنائی کی بات کیا کیجئے۔
گورا رنگ نورانی چہرہ چوڑی پیشانی لبوں پر تبسم گفتگو میں حلاوت کلام میں لطافت جدھر سے گزرتے دیکھ کر لوگ دوڑے چلے آتے تھے کشش ودل نوازی کا عجیب عالم تھا۔

سینہ خالی کنید از دلہا
یار بہر شکار می آید
مژدہ اے دل کہ بہر استقبال
رحمتش بے قرار می آید

اور جس ذات قدسی صفات سے اس کو شرف بیعت حاصل تھا وہ بھی آسمان ارشاد کا آفتاب تھا اور علم ودانش کا ماہتاب تھا ایک عالم اس سے فیضیاب تھا کون، شاہ ابوالحسین

احمد النوری مارہروی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز۔ یہ وہ مقدس ہستی ہے جس کی تعریف میں امام احمد رضا جیسا فاضل اجل یوں رطب اللسان ہے

بر تر قیاس ہے مقام ابو الحسین
سدرہ سے پوچھو رفعت بام ابو الحسین

اور جس سے خود امام احمد رضا کو شرف خلافت واجازت حاصل تھا اس شرف وسعادت پر وہ ناز کرتے ہوئے کہتے ہیں

ہاں طالع رضا تری اللہ رے یاوری

اور سنو سنو۔ کیا کہہ رہے ہیں

انست من مارهرة نارآ علی
طور أشاطورا به یهدینا
طوبی لأبناء السبیل إذا اهتدوا
و مشوا الهذا النور متقادینا
اکرم بنا رضؤها یجلو الدجی
من أحمد النوری جاء مبینا
نور الهدی بحر التقی بدر النقی
أضحی له حفظ الإله معینا

ترجمہ: میں نے مارہرہ سے کوہ طور پر ایک آگ اٹھتے ہوئے دیکھی ہے میں اس کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ میں اس کی راہبری چاہتا ہوں۔ ہاں مبارک ہیں وہ رہبران منزل جو اس کے پیچھے پیچھے چلیں اور راہ پائیں۔ کیسی بلند و بالا ہے وہ آگ جس کی چمک دمک تاریکیوں کو روشن کرتی ہے۔ ہاں یہ چمک جو احمد نوری سے پھوٹ رہی ہے۔ کون احمد نوری؟ ہدایت کا نور، تقوے کا دریا پاکیزگی کا ماہتاب اللہ تعالیٰ کی حفاظت ان کی مدد

فرمائے۔

شہزادہ عالی وقار کو اپنے شیخ سے ایسی محبت تھی کہ شاعری کی تو تخلص بھی نوری رکھا

داغ دل ہم نے نوری دکھا ہی دیا
درد دل کا فسانہ سنا کر چلے
مرقد نوری پہ روشن ہے یہ لعل شب چراغ
یا چمکتا ہے ستارا آپ کی پیزار کا

بلاشبہ جس کو ایسا مرشد ملا ہو وہ اپنی قسمت پر کیوں نہ نازاں ہو اور اس کی تربت کیوں نہ فروزاں ہو پھر سونے پر سہاگہ یہ کہ مختلف سلاسل طریقت میں خلافت و اجازت اپنے والد ماجد امام احمد رضا سے حاصل کی ان کی صحبت نے کندن بنا دیا اور این و آں سے بے نیاز کر دیا خود فرماتے ہیں۔

اب نہ تو وہ خودی ہی جو بے خود بنائے تھی
نہ وہ مدہوشی جو بے ہوش کئے تھی
نہ وہ جوانی کی امنگ
نہ کسی قسم کا کوئی ترنگ

(محمد مصطفےٰ رضا خاں ملفوظات حصہ اول مطبوعہ لاہور ص ۸)

اور وہ وقت بھی آیا جب امام احمد رضا دینا سے جا رہے ہیں آفتاب عالم تاب غروب ہو رہا ہے بیقرار دل دوڑے چلے رہے ہیں مگر سلسلہ بیعت بند ہو چکا ہے شہزادگان کو حکم ملتا ہے کہ وہ بیعت کریں گروہ در گروہ نے گسار چلے آ رہے ہیں اور پھر بھر کے جام و سبو لئے جا رہے ہیں ہاں ۔

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مرد خلیق

ہاں شہزادہ عالی جاہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ والد ماجد نے خود اپنی زندگی میں اپنے سامنے بیعت کرایا پھر تو یہ سلسلہ چل نکلا اور ایسا چلا کہ ۶۰ برس تک تھمنے پر نہ آیا اور تو اور جب آپ کا وصال ہونے لگا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کلمات بیعت تلقین فرما رہے ہیں مگر سامنے کوئی نہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ لوگ جوق در جوق چلے آرہے اور ایک ایک کو بیعت فرما رہے ہیں شاید عالم اجسام کا یہ مرشد کامل عالم ارواح اور عالم جنات میں تشنہ روحوں کو بیعت سے سرفراز فرما رہا تھا۔

وہ عاشق رسول تھا۔ عشق ہی نے اس کی زندگی کو فروزاں کیا۔ جمال مصطفےٰ کو اس نے ایک نئے زاوئے سے دیکھا۔ خوب دیکھا اور خوب کہا۔

وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے
ہاں حسین تم ہو، فتنے مٹا کر چلے

اس کو ہر بہار، بہار مصطفےٰ میں نظر آرہی اس کے لئے ساری بہاروں کی جان یہی بہار ہے۔

زمین و آسمان کی سب بہاریں آپ کا صدقہ

اللہ اللہ محبت کی ایسی لگن کہ ۸۷ رسال کی عمر میں جب دوسری بار حج بیت اللہ شریف اور زیارت حرمین طیبین کے لئے حاضر ہوئے تو ایک روز غار ثور کی زیارت کے لئے چلے شوق کا یہ عالم کہ پہاڑ پر چڑھتے ہی چلے گئے جوان، تنومند انسان جو فاصلہ تین گھنٹے میں طے کرتا ہے آپ نے ڈھائی گھنٹے میں طے کرلیا اور دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیا اور جب گھر واپس تشریف لائے تو چند سیڑھیاں چڑھنا دوبھر ہوگیا بے شک عشق و محبت کے طفیل ہر مشکل آسان ہوجاتی ہے۔

عشق سراپا یقین اور یقین فتح باب

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق و محبت کاملہ ہی کا یہ کرشمہ تھا کہ وہ گستاخان رسول

سے کسی قیمت پر مفاہمت یا ان کے ساتھ رعایت کے روادار نہ تھے حد تو یہ ہے کہ وہ گستاخیوں کی ہاتھ کی بنی ہوئی کوئی شئے استعمال نہ کرتے تھے اللہ اللہ جس نے اپنے جسم و جاں کی اس طرح حفاظت کی ہو اس کی پاکیزگی کا کیا عالم ہوگا بیشک محبوبان خدا کے لئے وہ ابر باراں تھے دشمنان رسول کے لئے وہ برق تپاں تھے خود امام احمد رضا ان کی اس صفت خاص کو یوں ذکر فرما رہے ہیں۔

شرق پہ برق گراتے یہ ہیں

وہ اتباع سنت میں پیش پیش تھا

سنت کے سانچے میں خود کو ایسا ڈھالا تھا کہ باید و شاید اس کی ایک ادا ترجمان سنت تھی سنئے:

ایک غریب جاں بلب ہے عیادت کے لئے قدم اٹھے ہیں کہ اتنے میں خبر آئی کہ گورنر یو پی ملاقات کے لئے حاضر ہو رہا ہے مگر اتباع سنت میں جو قدم اٹھ چکے تھے وہ پیچھے نہ ہٹے دیکھنے والے حیران تھے کہ کیا ہو رہا ہے آج تو وہ آ رہا ہے جس کی دید کے لئے اہل دنیا آرزوئیں کرتے ہیں مگر نہیں نہیں ان حضرات کی نظر میں آنی جانی عہدوں کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ ان کے مولیٰ نے ان کو وہ عزت دی ہے، زمانہ کا کوئی حادثہ اس کو متاثر نہیں کر سکتا بڑے سے بڑے عہدیدار اور وزیر بادشاہ کی مسند چھن سکتی ہے مگر ان حضرات کے دامن عصمت پہ جو ہاتھ ڈالتا ہے برباد ہو جاتا ہے سچ ہے عزت اللہ کے لئے اس کے رسول کے لئے اور مومن کے لئے ہے آج عالم و صوفی اہل دول کی طرف للچائی نظر آتے ہیں دنیوی جاہ و جلال ان کو مرعوب کئے دیتا ہے سلام اس پر جس کی نظریں دو عالم سے بے نیازانہ گزر گئیں۔

عشق و محبت نے اس کو ایسا مست و بےخود کر دیا تھا کہ نہ کسی کی جاہ و حشمت نظروں میں جمتی تھی اور نہ مال و دولت ان کے والد گرامی نے ان کو اور اپنے تمام وابستگان کو یہ نصیحت

کی تھی۔

تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دست سوال دراز کرنا تو در کنار اشاعت دین و حمایت سنت میں جلب منفعت خالصۃً لوجہ اللہ ہو۔ اس ہدایت و نصیحت پر ایسا عمل کیا کہ باید و شاید۔ متاع غرور سے ایسی نظریں پھیریں کہ پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ سنئے سنئے حج بیت اللہ شریف سے بمبئی واپسی ہے ایک مرید باصفا نے ایک گراں قیمت کار اس نیت سے خریدی کہ بمبئی سے بریلی تک اس میں لے جائے راستہ میں مریدوں اور معتقدوں کو ملاتا جائے اور جب بریلی پہنچے تو یہ کار نذر کر دے۔ بمبئی سے روانہ ہوئے جاں نثار و فدا کار راستے میں زیارت کرتے رہے بریلی پہنچے۔ تکمیل آرزو کا وقت آ گیا ہے مرید وفا شعار دست بستہ کھڑا ہے اپنی کار خدمت اقدس میں نذر کر رہا ہے مگر ان کی نگاہ کی رفعت کا عالم نہ پوچھئے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

وہ حرماں نصیب اپنی کار واپس لے کر لوٹ رہا ہے۔ مگر حریم جاناں سے درس محبت لے کر لوٹ رہا ہے جس کی نگاہ میں محبوب سما جائے پھر اور کوئی نہیں سما سکتا ساری آرزوؤں کا حاصل صرف آرزو ہو جاتی ہے۔

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے
سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

آج عالم و عامی سبھی کار کے آرزومند ہیں۔ جس کو دیکھو دنیا کی طرف لپک رہا ہے مگر وہ گریزاں ہے ایک وہ ہیں جن کے پیچھے دنیا بھاگ رہی ہے اور دنیا سے وہ گریزاں ہیں ہزاروں سلام ہوں اس ہمت بلند پر۔ داہنے ہاتھ سے لینا اور کھانا سنت ہے اس سنت سے اب عوام تو عوام خواص بھی غافل نظر آنے لگے ہیں مگر اس کی نگاہ پاک آخر تک سنت ہی کو

تکتی رہی وہ چال سنت ہی محو تھا کوئی خلاف سنت عمل اس کو نہ بھاتا تھا لوگ تعویذ لینے آتے تھے اور تعویذ دیئے جاتے تھے ایک روز ایک حاجت مند آیا تعویذ جو عنایت فرمایا اس نے بایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا آپ نے ہاتھ روک لیا برہم ہو گئے نصیحت فرمائی تنبیہ فرمائی پھر جب اس نے داہنا ہاتھ بڑھایا تو تعویذ عنایت فرمایا بظاہر بات معمولی سی ہے مگر سیرت کی پختگی کا حال انہی باتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

وقت پر نماز ادا کرنے کا خاص اہتمام فرماتے ریل میں سفر کر رہے ہیں۔ ایک اسٹیشن پر ریل رکتی ہے۔ نیچے اترتے ہیں اور اطمینان و سکون کے ساتھ نماز شروع کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ آپ کے نزدیک چلتی ریل میں نماز پڑھنا جائز نہ تھا۔ خضوع و خشوع کا عالم ہے۔ ادھر ریل جا رہی ہے۔ مگر مجال کیا عجلت و اضطراب کا عالم نظر آئے۔ اللہ اللہ ۔

قدسیوں کو بھی رشک اس جمعیت خاطر پہ ہے
کچھ نہیں کھلتا کہ میں کس کے پریشانوں میں ہوں

نماز ہوتی رہی۔ ریل چلی گئی۔ مگر چلتے چلتے رک گئی۔ آگے نہ بڑھ سکی۔ جیسے کسی غیبی طاقت نے قدم پکڑ لئے ہوں۔ بے شک من له المولیٰ فله کل۔ جو مولیٰ کا ہو گیا ہر شے پر اس کی حکمرانی ہے۔ نماز ختم ہوئی، ریل واپس لوٹی۔ گارڈ نے معذرت کی پھر اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوئی۔

نماز کا یہ اہتمام کرنے والا کیسے گوارا کر سکتا تھا۔ اس کے مرید نماز سے غافل ہو جائیں ایک مرید کی نماز قضا ہو گئی جب وہ مجلس میں آیا تو منہ پھیر لیا اور بات تک نہ کی اہل محبت کے لئے یہ معمولی بات نہیں کہ محبوب کے حکم کو نظر انداز کر کے کسی قسم کی تاخر روا رکھی جائے۔ نماز ہو تو وقت پر ہو۔ محبت بیدار رہنی چاہیے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

آج کل پیر و فقیر اور عالموں اور عاملوں کے پاس عورتوں کا ہجوم ایک عام سی بات ہے جہاں دیکھئے منہ کھولے چلتی پھرتی اور بیٹھی باتیں کرتی نظر آئیں گی حیا اٹھ گئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مگر شہزادہ امام احمد رضا کی تقویٰ شعاری ملاحظہ کریں زنان خانے میں عورتیں زیارت کے لئے حاضر ہیں انتظار ہورہا ہے جب آپ تشریف لائے تو چند عورتوں کے نقاب الٹے اور منہ کھلے تھے آپ نے فوراً اپنی آنکھیں بند کرلیں اور فرمایا نقاب ڈالو اللہ اللہ شریعت کی پاسداری ہو تو ایسی ہو۔

آج مسجد و معبد میں خانقاہوں میں اور درگاہوں میں ہر جگہ غیر محرم کی جلوہ گری ہے تعویذات لینے قبروں کی زیارت کرنے غول کے غول چلے آتے ہیں سب دیکھتے ہیں کوئی نہیں کہتا کہ نقاب ڈالو احساس تک جاتا رہا۔ محرمات معمولات بن کر رہ گئے انا للہ وانا الیہ راجعون سلام ہو اس آنکھ کی عصمت پر جس نے غیر محرم کو نہ دیکھا اور اپنی نگاہوں کو محفوظ رکھا۔

تصویر کشی آپ کے نزدیک حرام تھی وہ حرام کو حرام ہی سمجھتے تھے زمانے کے کسی انقلاب نے ان کے فکر کو متاثر نہیں کیا مگر آج عالم ہی کچھ اور ہے اقبال نے سچ کہا ہے:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
کس درجہ ہوئے فقیہان حرم بے توفیق

آپ نے ساری عمر تصویر نہ کھنچوائی مگر حج بیت اللہ کے لئے تصویر لازمی تھی کریں تو کیا کریں مولیٰ کے دربار میں مولیٰ کا نافرمان بندہ بن کر حاضر ہونا بھی کوئی حاضر ہونا ہے اللہ اللہ ان کی استقامت نے دنیا کے قانون بدل دیئے تصویر سے مستثنیٰ قرار دیا گیا اور اسی شان سے حاضری ہوئی کہ دامن عصمت پر نافرمانی کا ایک دھبہ تک نہ تھا آج جس کو دیکھو فوٹو کھنچوا رہا ہے شوق و ذوق سے۔ بڑھ چڑھ کر۔ پوز بنا کر بہت سے دامن اس داغ سے داغدار ہیں

ایسی متبع شریعت اور متبع سنت۔ ایسی پاک باطن اور پاک شخصیت کو ہی زیب دیتا ہے کہ مسند افتاء پر جلوہ گر ہو۔ ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں عم محترم مولانا حسن رضا خان کے وصال کے بعد دار العلوم منظر اسلام کا اہتمام شہزادہ کبیر مولانا حامد رضا خاں کے سپرد ہوا اور شہزادہ صغیر مفتی اعظم مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں کو یہ خدمت تفویض کی گئی کہ ملک و بیرون ملک سے آنے والے سوالات کے لئے فتویٰ کی تیاری میں جب امام احمد رضا کے حوالے کے لئے کسی عبارت کی ضرورت ہوتو وہ کتاب نکال کر حوالے کی نشاندہی کریں اور امام احمد رضا کی خدمت میں پیش کر دیں ہاں اسی خدمت نے آپ کو مفتی اعظم بنایا اسی خدمت نے آپ کو امام احمد رضا کا دست راست بنایا اور فتویٰ نویسی کی اجازت کی یہ تقریب ہوئی کہ ایک روز دار الافتاء میں فتویٰ لکھنا تھا سب مفتی اپنی اپنی سوچ میں غلطیاں تھے آپ بھی ادھر نکل آئے اور بغیر کوئی کتاب دیکھے اسی وقت فتویٰ لکھ دیا جب امام احمد رضا کو دکھایا گیا تو حرف بحرف صحیح نکلا اس طرح آپ دار الافتاء کے مفتیوں پر سبقت لے گئے اور امام احمد رضا کی طرف سے فتویٰ لکھنے کی باقاعدہ اجازت مل گئی ایک مہر تیار کرا کر دی گئی جس پر یہ عبارت کندہ تھی۔

ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل رحمٰن عرف مصطفےٰ رضا یہ واقعہ ۱۳۲۸ھ کا ہے جب کہ آپ کی عمر شریف صرف ۱۸ سال کی تھی آپ دار الافتاء میں مولانا ظفر الدین بہاری مولانا امجد علی اعظمی اور مولانا برہان الحق جبل پوری کے رفیق رہے اور فتویٰ نویسی میں وہ کمال پیدا کہ پھر آپ کی نگرانی میں بیسیوں علمائے نے فتویٰ نویسی کی مشق کی اور مفتی بنے آپ کے فتاویٰ مصطفویہ کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں فتویٰ نویسی کے ساتھ آپ نے درس تدریس کیطرف توجہ کی دار العلوم مظہر اسلام قائم کیا جہاں ہندو بیرون ہند کے طلبہ علم دین حاصل کرتے ہیں آپ طلبہ پر بہت مہربان تھے فارغ التحصیل طلبہ کی دعوت کرتے اور اچھے اچھے کھانے کھلاتے۔ امام احمد رضا بھی طلبہ پر بہت مہربان تھے۔ خوشی اور تہوار کے

موقعوں پر طلبہ کو لذیذ کھانے پکوا کر کھلایا کرتے تھے آپ طلبہ پر بہت مہربان تھے اور انگریزی اداروں کی تو بات ہی نہ پوچھئے یہاں طلبہ، استاد کے لئے مال تجارت بن کر رہ گئے ہیں۔ پھر طلبہ میں جذبہ اطاعت و محبت پیدا ہو تو کیوں کر ہو شفقت و محبت ختم ہو گئی۔ شفقت عنقا ہو جائے تو محبت بھی عنقا ہو جاتی ہے۔ ہم طلبہ سے محبت مانگتے ہیں۔ مگر محبت تو خود بخود دل سے پھوٹتی ہے۔ مانگنے سے نہیں ملتی۔ درس و تدریس کے علاوہ آپ نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ فرمائی اور بہت سے رسالے اور کتابیں شائع کیں۔ مذہبیات میں بھی اور سیاسیات میں بھی۔ امام احمد رضا کے ملفوظات چار حصوں میں مرتب کر کے مہجوروں کو امام احمد رضا کی محفل میں بٹھا دیا۔ فراق میں وصال کا لطف آ گیا جو بڑھتا ہے مجلس رضا کا خط اٹھاتا ہے اور عالم یہ ہے ہوتا ہے

کھنچی ہے سامنے تصویر یار کیا کہنا

سیاسیات سے متعلق مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور امام احمد رضا کے درمیان مراسلات کو الطاری الداری کے نام سے تین حصوں میں مرتب کر کے مؤرخین کے لئے ایک تاریخی دستاویز مہیا کر دی۔ جو پڑھتا ہے ماضی کو اس آئینے میں دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا ہے اللہ اللہ ہم سے پہلے میدان سیاست میں کیا کیا ہو چکا ہے شہزادہ امام احمد رضا کی زندگی سراپا حرکت تھی۔ وہ ہر جگہ متحرک نظر آتی ہے۔ ابتداء سے لے کر انتہاء تک حرکت ہی حرکت۔ جب کفر و اسلام کو یکجا کیا جا رہا تھا۔ ایک نیا دین بنایا جا رہا تھا۔ تو وہی تھا جو بے تابانہ آگے بڑھا۔ اس کو ملامت کی پرواہ نہ تھی۔ اس نے اسلام کی آبرو پر اپنی عزت و آبرو قربان کر دی اور سب کچھ لٹا کر اسلام کو بچا لیا۔ طوفانی ہواؤں میں اس نے اسلام کی شمع روشن رکھی۔ بجھانے والوں نے اپنی سی کوشش کی مگر اس نے بھی، تن من، دھن کی بازی لگا دی اور بجھنے نہ دی۔ شاد باش اے ہمت مردانہ اور جب کفار و مشرکین نے مسلمانوں کو مرتد بنانا چاہا۔ ان کو اپنے رنگ میں رنگنا چاہا۔ ان کی تہذیب و تمدن کو مٹانا چاہا۔ تو وہی تھا جو سینہ سپر ہو کر

میدان میں آیا۔ وہ ایمان و یقین کا پاسدار تھا۔ وہ تہذیب و ثقافت کا محافظ تھا۔ اس نے ملت کی کشتی کو ڈوبنے نہ دیا۔ اس نے اللہ کے رنگ کو مٹنے نہ دیا۔ وہ انگریزوں کا خیر خواہ نہ تھا۔ وہ مسلمانوں کا خیر خواہ تھا۔ وہ مسلمانوں کا غم خوار تھا۔ عالم جوانی میں چلنے والی تحریکوں میں آگے آگے رہا۔ وہ بریلی میں قائم ہونے والی جماعت رضائے مصطفےٰ اور جماعت انصارالاسلام کا سرگرم رکن رکین تھا۔ وہ جماعت جس نے مسلمانان عالم اور مسلمانان ہند کی خیر خواہی کے لئے وہ سب کچھ کیا جو وہ کر سکتی تھی۔ جماعت انصارالاسلام کے ایک جلسے کی قرارداد کے چند نکات ملاحظہ ہوں۔ یہ نکات شہزادۂ امام احمد رضا کے برادر عم زاد مولانا حسنین رضا خاں (ناظم اعلیٰ جماعت انصارالاسلام) نے شائع فرمائے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ ان کی نظر میں کس قسم کی سیاست محمود تھی اور وہ مسلمانوں کے لئے کیا درد رکھتے۔ ملاحظہ ہوں۔

(۱) حفاظت مقامات مقدسہ اور مظلومین ترک کی امداد و اعانت۔

(۲) اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے مسلمانوں کی حفاظت۔

(۳) معاشرتی، تمدنی، اور اقتصادی مفادات کی طرف مسلمانوں کی رہنمائی۔

(۴) ترک و عرب اتحاد کے لئے کوشش وسعی۔

(۵) خلاف شرع برطانوی قانون میں ترمیم کا مطالبہ۔

(۶) مسلمانوں کو اسلامی بینک کھولنے کی ترغیب دینا۔

(۷) تجارت بڑھانے کے لئے مسلمانوں کو شوق دلانا۔

(۸) مسلمانوں کے لئے اسلامی خزانہ کے قیام اور بیت المال کے لئے کوشش کرنا۔

(روزنامہ پیسہ اخبار، لاہور، شمارہ ۱۳ رمئی ۱۹۲۱ء)

الغرض شہزادۂ امام احمد رضا نے اپنی زندگی مذہب و ملت کے لئے وقف کردی تھی۔ وہ ساری عمر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں معروف رہی۔ انہوں نے تبلیغ و ارشاد کا حق ادا

کر دیا۔ ہاں اب وہ اپنے مولیٰ کے حضور حاضری کی تیاری میں مصروف نظر آ رہے ہیں۔ سن شریف ۹۱ ہو چکا ہے۔ ضعف ونقاہت کا عالم ہے مگر معمولات یومیہ میں فرق نہیں۔ وہی عبادت وریاضت۔ وہی خدمت خلق۔ جو وقت آتا ہے وہ تو آنا ہی ہے۔ ہاں وہ وقت آ گیا جس کے تصور سے دل کانپتا ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

یوں نہ پردہ کرو خدا کے لئے
دیکھو دنیا تباہ ہوتی ہے

عزیز واقارب حاضر خدمت ہیں۔ جاں کنی کا عالم ہے۔ اچانک ارشاد ہوتا ہے پڑھو پڑھو۔ حسبنا الله و نعم الوکیل پڑھو، سب پڑھو۔ بے شک اپنے بندوں کے لئے وہی کافی ہے۔

ہر جفا ہر ستم گوارا ہے
اتنا کہہ دو کہ تو ہمارا ہے

تمام حاضرین بآواز بلند حسبنا الله و نعم الوکیل پڑھ رہے ہیں اس کے حضور حاضر ہو گئے۔ اور جان عزیز جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ انا لله و انا الیه راجعون

دل تو جاتا ہے اس کے کوچے میں
جامری جان، جا، خدا حافظ

اہل محبت اور ارباب وفا کے لئے یہ گھڑی کتنی کٹھن تھی۔ کچھ نہ پوچھئے ہاں۔

زخم وہ دل پہ لگا ہے کہ دکھائے نہ بنے
اور چاہیں کہ چھپا لیں تو چھپائے نہ بنے

اللہ اللہ وہ زمانے کیا ہوئے۔ وہ صورتیں کہاں گئیں؟
سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہو گئیں

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں ہاں۔

گلے برقت کہ نہ آید بصد بہار دگر

۱۲رنومبر ۱۹۸۱ء بروز جمعرات رات ایک بج کر ۴۰ منٹ پر وصال ہوا۔ ہر طرف صف ماتم بچھ گئی۔ خبر ملتے ہی آنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ جہاز، ریل، بسیں، کاریں جس کو دیکھو بریلی کی طرف رواں دواں ہے۔ ایک سیلاب امنڈ پڑا۔ دیکھتے ہی دیکھتے شہر بھر گیا۔ ہر طرف انسان ہی انسان۔ راستے بند، چہرے اداس۔ ۱۲رنومبر ۱۹۸۱ء کو بعد نماز جمعہ اسلامیہ کالج (بریلی) کے میدان میں نماز جنازہ ہونے والی ہے گھر سے جلوس جنازہ چلا۔ تین چار میل تک جاں نثار ہی جاں نثار نظر آرہے ہیں۔ زیب سجادۂ کچھوچھہ شریف، شاہ مختار اشرف اشرفی جیلانی فرائض امامت کے لئے موجود ہیں۔ نماز کے لئے صف بندی ہورہی ہے۔ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر ہے جو نماز کے لئے حاضر ہے۔ اشکبار آنکھوں کے ساتھ نماز جنازہ ہوئی۔ جلوس جنازہ واپس کوچۂ جاناں کی طرف چلا اور پھر اس جسم نازنین کو والد ماجد امام احمد رضا کے پہلو میں سپرد خاک کردیا گیا۔ ہاں ۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا

نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

ایک محتاط اندازے کے مطابق دس لاکھ جاں نثار شریک تھے، جو ہندو بیرون ہند سے شرکت کے لئے آئے تھے۔ عالمی حکومتوں کے نمائندے اور سفرا بھی شریک جنازہ تھے۔ صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کا تعزیتی پیغام لے کر سفیر پاکستان حاضر ہوئے اور ہندوستان کے سابق صدر فخر الدین علی احمد کی اہلیہ اہل خانہ کی تعزیت کے لئے حاضر ہوئیں۔

مسلمان تو مسلمان، غیر مسلموں نے بھی اس سوگ میں حصہ لیا اور سوگواروں کی ضیافت کی۔ بازاروں میں کڑھاؤ، چڑھاوئے اور صدائے عام دیدی۔

بے دریغ تواضع کی۔

۱۵/نومبر ۱۹۸۱ء کو فاتحہ سوم ہوئی جس میں اطراف واکناف کے لاکھوں مسلمانوں نے شرکت کی۔ ایک اندازے کے مطابق مجلس فاتحہ میں ایک لاکھ قرآن کریم کا ثواب ہدیہ کیا گیا۔ اللہ اکبر!

ہاں وہ چلے گئے جن سے دلوں کو قرار تھا۔ مگر ان کے نشان قدم موجود ہیں۔ ان کا روئے انور سامنے نہیں۔ ان کا تصور موجود ہے۔ ان کا خیال موجود ہے۔ ہاں ان کا تصور ایک نئے عالم میں لے جارہا ہے۔ ان کا خیال ایک نئے جہان میں لے جارہا ہے۔ اللہ اللہ!

شام شب فرقت میں بھی انوار سحر ہیں
اے نور مجسم یہ تری یاد کا عالم

☆☆☆

مفتی اعظم ہند استقامت کا جبل عظیم

جن کے جہاد بالقلم نے دینِ مصطفیٰ کو بھاری تباہی سے بچالیا

(شیخ الاسلام علامہ محمد مدنی اشرفی جیلانی جانشین محدث اعظم ہند کچھوچھہ شریف)

قرآن کریم نے قیامت تک کے لئے دنیوی اور آخروی اصلاح وفلاح کے لئے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ضروری و لازمی قرار دیا ہے، اس اطاعت و اتباع کے بغیر خوش بختی و فیروز مندی اور نجات و کامرانی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، یہ ظاہر ہے کہ اطاعت تعمیل احکام اور اتباع پیروی افعال کا نام ہے بلفظ دیگر اطاعت کا تعلق اقوال سے ہوتا ہے اور اتباع کا افعال سے مثلاً میں نے کوئی حکم دیا آپ نے اس کی تعمیل کی یہ ہے اطاعت اور، میں نے کوئی عمل کیا، آپ نے اس کی پیروی کی یہ ہے اتباع۔ اور جب کہ تا قیامت خدائی قانون میں نجات ومغفرت کے لئے رسول کریم کی اطاعت واتباع لازم ہے تو ضروری ہوا کہ تا قیامت رسول کریم کے اقوال و افعال کی حفاظت کی جائے بحمدہ تعالیٰ رب کریم نے رسول کریم کے اقوال وافعال کی حفاظت کو اپنے ذمہ کرم میں رکھا ہے، لہٰذا اب قیامت تک نہ تو رسول کریم کے اقوال کو مٹایا جاسکتا ہے اور نہ آپ کے افعال کو فنا کیا جاسکتا ہے۔ اقوال کی حفاظت کے لئے ابتداء بے شمار قوی الحافظہ اذہان کا انتخاب فرمایا گیا اور پھر اذھان کے ساتھ ساتھ لا تعداد دیانتداروں اور تقوی شعاروں کی تحریر کردہ کتابوں کے اوراق کو یہ امانت سپرد کردی گئی، بلکہ قدرت کاملہ نے چاہا تو اغیار کے اذہان اور ان کی کتابوں کے اوراق کو بھی اقوال رسول کی حفاظت کا ذریعہ بنادیا ہے، رہ گئے افعال تو اذہان نہ ان کا محل بن سکتے ہیں اور نہ انہیں اوراق کتاب میں پابند کیا جاسکتا ہے، رسول کریم علیہ التیحۃ و التسلیم کے

افعال کی طرف رہنمائی کرنے کے لئے اوراق کتاب میں جو کچھ ملتا ہے وہ صرف زاویوں کے اقوال ہیں نہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال۔ افعال کا محل اوراق نہیں بلکہ کردار ہے۔ رب کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور اعمال کی حفاظت ہر دور میں بے شمار نفوس قدسیہ والوں کے کرداروں میں فرمائی ہے۔ خود نبی کریم کا صحابہ کرام کو نجوم ہدایت بتانا اوران کی اقتدار پر ابھارا اپنی اہل بیت سے تمسک کو ضروری قرار دینا اور اپنی امت کے علماء کو نجوم ہدایت اور اپنا وارث قرار دینا، واضح کر رہا ہے کہ صرف کتابی اوراق ہدایت کے لئے کافی نہیں وہاں صرف اقوال ملیں گے اقوال کی عملی تشریح نہیں ملے گی۔ لیکن وہ نفوس قدسیہ جن کی محفل میں بیٹھنے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں بیٹھنے کا اجر ملے گا جن سے مصافحہ کرنے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرنے کا ثواب حاصل ہو، جن کے پیچھے نماز پڑھنے والے کی یہ شان ہو گویا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی جن کا چہرہ دیکھیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ یاد آجائے، المختصر جن کا ہر فعل اور ہر عمل نبی کریم کے فعل و عمل کے سچی تصویر ہو، یہ وہ ہیں جو ہدایت کا کامل و مکمل ذریعہ ہیں، ان کی زبان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سنو اور ان کے کردار میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال دیکھو۔

ہر دور میں ان نورانی تصویروں کا وجود ضروری ہے تاکہ واضح ہوتا رہے کہ ہر دور میں خواہ وہ کتنا ہی پر آشوب دور کیوں نہ ہو اسلام پر اس کے جملہ تعینات و تشخصات کے ساتھ عمل کیا جا سکتا ہے، اب اگر کچھ لوگ عمل نہ کریں تو یہ خود ان کی غفلت و سرکشی ہے اس کی وجہ ہر گز یہ نہیں کہ اسلام اب ناقابل عمل ہو چکا ہے۔

اسی نورانی سلسلے کی ایک نورانی تصویر ہے وہ عظیم المرتبت ہستی جو دانشوران وقت اور فقیہان عہد کی محفلوں میں بھی حضور مفتی اعظم ہند کے نام سے معروف و متعارف ہے جن کی زبان اقوال رسول کے موتی لٹاتی رہی اور جس کا کردار افعال رسول کی تجلیاں دکھاتا

رہا۔

بخاری و مسلم کا سننے والا جس یقین واذعان کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سنے اسی یقین واذعان کے ساتھ حضور مفتی اعظم کو دیکھنے والے کو یہ حق ہے کہ کہے ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چلتی پھرتی تصویر دیکھی۔

فرائض و واجبات و مؤکدات کو رہنے دیجئے ، جو ہستی مباحات و فطری خواہشات میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع سے سرمو تجاوز نہ ہو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تصویر اور افعال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا پیکر نور نہیں تو اور کیا ہے؟

واللہ یعصمك من الناس

اے محبوب اللہ تمہیں لوگوں سے بچائے گا۔ آیت کریمہ کا عموم لفظ چاہتا کہ ہر طرح کی حفاظت اس کے دائرہ مفہوم میں آجاتے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر نبی کی دو زندگی ہے ایک ظاہری جسمانی زندگی دوسری اس کی پیغمبرانہ زندگی ، ہر نبی اپنی جسمانی زندگی کے لحاظ سے آج بھی زندہ ہے مگر آج کسی نبی کا پیغام اپنی اصلی شکل وصورت میں باقی نہیں رہ گیا۔ اب اگر کسی نبی کے پیغام کا کوئی حصہ باقی بھی ہے تو وہ بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کا جز بن کر، مگر یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ رب العزت نے اگر ایک طرف آپ کو دشمنوں کے جان لیوا حملوں سے محفوظ رکھا اور اس بات سے بے نیاز کر دیا کہ آپ اپنے ساتھ کوئی حفاظتی دستہ لے کر چلا کریں اور پھر عالم برزخ میں آپ کی حیات ظاہری کی حقیقت کو بھی باقی رکھا۔ تو دوسری طرف، قیامت تک کے لئے پیغام کی بھی حفاظت کو ذمہ کرم میں لے لیا۔

المختصر نہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو نقصان پہونچا سکے، نہ پیغام کو، اور نہ قیامت تک پہونچا سکیں گے، خدائے عزوجل دونوں کی حفاظت فرمانے والا ہے۔

ہاں ہر دور کے لحاظ سے حفاظت کے ذرائع مختلف رہے ہیں۔ جب منکرین زکوۃ نے دین میں ارتداد کا راستہ نکالنا چاہا تو خدا نے صدیق اکبر کے ذریعہ پیغام رسول کی حفاظت فرمائی ۔ قیصر و کسریٰ کی مغرور طاقتوں نے اسلام کو چیلنج کیا، تو خدا نے اس کی حفاظت فرمائی، فاروق اعظم کے ذریعے۔ یوں ہی جب خوارج نے قرآنی آیات کے مفاہیم کو بدلنے کی شرمناک کوشش کی تو خدا نے پیغام مصطفوی کی حفاظت فرمائی۔ مولائے کائنات کے ذریعہ اسی طرح جب یزید نے سرکشی کا سر اٹھایا تو خدا نے اپنا دین بچایا، حسین ابن علی کے ذریعہ ایسے ہی جب اعتزال کے فتنوں کا پانی سر سے اونچا ہونے پر آیا تو خدا نے اپنے نبی کے پیغام کی صحیح شکل وصورت کو بچایا امام احمد بن حنبل کے ذریعہ، یوں ہی، جب شہنشاہ اکبر نے دین الٰہی کے نام پر حقیقی دین الٰہی کی صورت بگاڑنی چاہی تو خدا نے اپنا دین بچایا، مجدد والف ثانی کے ذریعہ۔ اسی طرح جب وہابیت وقادیانیت نے اپنی فتنہ سامانیوں کا مظاہرہ کیا تو خدا نے اپنا دین بچایا امام احمد رضا کے ذریعے۔

یہ چند باتیں بطور مثال تحریر کی گئیں ہیں، رب کریم نے ہر عہد میں دین کی حفاظت کے بے شمار ذرائع بنائے اور تا قیامت بناتا رہے گا۔ ابھی چند روز کی بات ہے ایمر جنسی کے دور میں ظالم و جابر حاکموں نے ظلم وجور کی حد کردی اور خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلام نظریے کو منوانے کے لئے وہ ستم ڈھائے گئے کہ الامان والحفیظ اس جور وستم کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کی زبانیں گونگی ہوگئیں بلکہ ابن الوقت حکومت وقت کی حمایت پر اتر آئے کرائے کے مفتی مسند افتاء کی مٹی پلید کرنے لگے، ایسے خوف وہراس کے عالم میں خدا نے اپنا دین بچایا مفتی اعظم ہند کے ذریعہ جنہوں نے اندیشہ سود و زیاں سے بے نیاز ہوکر حکومت وقت کے خلاف فتویٰ دیا۔ اور سائیکلو اسٹائل کرا کے ملک کے گوشے گوشے میں روانہ کیا، چونکہ دیگر جملہ ذرائع ابلاغ وترسیل پر گورنمنٹ کے آہنی پنجوں کا دباؤ تھا اس لئے ان کو اشاعت کا ذریعہ نہیں بنایا جا سکا۔

حضور مفتی اعظم ہند کے جرأت مندانہ اقدام نے دین مصطفےٰ کو بچالیا جس سے دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ مصطفےٰ رضا خاں نام ہے دین محمدی کی حفاظت کے لئے خدائی انتخاب کا۔

۳۔ عرصہ ہوا کسی کتاب میں دیکھا تھا کہ کہیں امساک باراں کے سبب بہت زبردست قحط پڑا لوگ نماز استسقاء پڑھتے رہے، اور اپنی محرومیوں پر آنسو بہاتے رہے، ایک روز سب نماز استسقاء کے لئے جمع ہوئے تھے کہ ایک درویش کو آتے دیکھا لوگ اس سے دعا کے ملتجی ہوئے اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا کہ اے اللہ میں تجھے اس امانت کا واسطہ دیتا ہوں جو میری نگاہوں میں ہے تو بارش فرمادے۔

اتنا کہنا تھا کہ ابر چھا گئے اور جھوم جھوم کے برسے قحط دور ہو گیا۔ ہر طرف شادابی وسرسبزی چھا گئی حاضرین میں سے ایک شخص اس درویش کے پیچھے لگ گیا یہاں تک کے اس کی جھونپڑی تک پہنچ گیا۔ اور اس سے سوال کی کہ آخر وہ امانت کون سی ہے جو آپ کی آنکھوں میں ہے اور جس کے واسطے آپ نے دعا کی تو رب کریم نے قبول فرمائی۔

درویش نے کہا میں نے آنکھوں سے بایزید بسطامی کو دیکھا ہے ان کی صورت خدا کی امانت ہے جسے میں نے نگاہوں میں محفوظ کر رکھا ہے۔ اس حکایت کو سن کر مجھے بھی اپنی فیروز بختی پر ناز کرنے دیجئے کہ میرے حاسہ بصر میں بھی کچھ نورانی صورتیں ہیں، ان تصویروں میں حضور مفتی اعظم ہند کی تصویر کی تابناکی آپ اپنی مثال آپ ہے، حضور مفتی اعظم کو میں نے بہت قریب سے دیکھا، کئی کئی دن تک ہمرکابی کا شرف بھی حاصل رہا۔ غریبوں کی جھوپڑی میں دیکھا، رئیسوں کے ایوانوں میں دیکھا، مارہرہ شریف کی خانقاہ میں دیکھا بریلی شریف کی دانش گاہ میں دیکھا۔ بریلی شریف میں ان کا مہمان رہا تو کچھوچھہ شریف میں میزبانی کا بھی شرف حاصل کیا۔

المختصر بار بار زیارت کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔ اور ذہن میں آپ کی نورانی صورت کا رنگ گہرا ہوتا رہا۔

حضور مفتی اعظم کو دیکھنے والو خدائی امانت کے امین ہونے پر مجھ سے دلی مبارکباد لو، مگر خبردار ہوشیار اس تصویر کی عظمت کو داغ نہ لگنے پائے تم خوب جانتے ہو کہ حضور مفتی اعظم ہند اس گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے، جس میں کسی جاندار کی تصویر ہو، لہٰذا تم پر لازم ہے کہ اپنے دل و دماغ کو غیر شرعی تصورات سے پاک و صاف رکھو تا کہ یہ تصویر ہمیشہ بہشت فکر و نظر بنی رہے، یہ امانت خداوندی غیر شرعی خیالات کے ساتھ کب تک رہ سکے گی۔ رفتہ رفتہ تمہیں اس سے محروم کر دیا جائے گا اور پھر کف افسوس ملنے کے سوا تمہارے پاس کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ غور تو کرو جس کمرے میں کعبہ و گنبد خضرا کی تصویریں آویزاں ہوں کیا یہ مناسب ہے کہ اس میں بتوں یا صنم کدوں کے نقشے لٹکائے جائیں؟

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم

اس آیت کریمہ میں صراط مستقیم پر چلنے کی دعا تعلیم فرمائی گئی ہے، نیز یہ واضح کیا گیا ہے کہ صراط مستقیم وہی راستہ ہے جس پر انعام والے چلتے ہیں، یہاں انعام سے وہ مخصوص انعام مراد ہے جس سے انبیاء کرام صدیقین، شہداء اور صالحین سرفراز فرمائے گئے۔

مجھ سے مت پوچھئے کہ حضور مفتی اعظم ہند پر رب کریم کی مخصوص نوازشات کا عالم کیا تھا، جس کا باپ امام احمد رضا ہو وہ امام احمد رضا جسے عارفین غوث اعظم کی روشن کرامت رسول اعظم کا عظیم معجزہ اور قادر مطلق کی قدرت کاملہ کی بہترین نشانی قرار دیتے ہوں، کس کا بھائی حسن صورت و جمال سیرت اور کمال علم و فضل کا وہ پیکر نور ہو کہ دنیا اسے حجۃ الاسلام کہہ کر بھی شرمندہ رہی کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ جس کا بھتیجا آج تک مفسر اعظم ہند کے نام سے جانا جاتا ہو۔

جس کا پیر شیخ الشیوخ نور الانوار سید السادات آیت ربانی سر الٰہی آسمان طریقت کا نیر اعظم اور شاہ برکات کے انوار و برکات کا امین ہو یہ پیکر نور خود بھی نوری کہلایا اور حضور مفتی اعظم کو بھی نوری بنا گیا۔

اک طرف رکھدو ان انتسابات کی عظمتوں کو اور خود اس عظیم ممدوح کے کمال و جمال پر غور کرو علم و دانش کی وہ کون سی محفل ہے جس کا وہ تاجدار نہیں تھا؟ تقویٰ وطہارت، زہد و قناعت شرافت و کرامت مجاہدہ و ریاضت اصابت و استقامت ذکاوت و فراست کی وہ کون شاہراہ ہے جہاں اس کے نقوش قدم نہیں ملتے؟

ہمارا ممدوح خلقاً خلقاً منطقاً اپنے آپ کی سچی تصویر تھا۔ **الولد سر لابیہ** کی ایسی بے داغ تفسیر آسانی سے دیکھنے کو نہیں ملتی، آج خوارق عادات کو معیار بنا کر لوگوں کے مقامات کو متعین کیا جاتا۔ خرق، عادت تو کسی کے ایمان کی بھی دلیل نہیں پھر اسے کسی کے متقی ہونے کی دلیل کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، ہمارے ممدوح کی سب سے بڑی کرامت ہر حال میں شریعت پر اس کی استقامت ہے۔

وہ اسلام کا بطل جلیل اور استقامت کا ایسا جبل عظیم تھا کہ نازک سے نازک وقت میں بھی اس کے پیروں میں لغزش نہ آسکی۔

حضور مفتی اعظم کے ایک فتویٰ کی تصدیق فرماتے ہوئے ایک مرتبہ مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند نے صرف ایک جملہ تحریر فرمایا تھا اور وہ یہ ہے

هذا حكم العالم المطاع وماعلينا الا الاتباع

یہ ایک عالم مطاع کا حکم ہے اور ہمارے لئے اتباع کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں، کلام کی عظمت متکلم کی عظمت سے پہچانی جاتی ہے اگر یہ کسی ایسے ویسے کا کلام ہوتا تو اس لائق نہ ہوتا کہ اس پر کسی کلام کی بنیاد رکھی جائے۔ مگر یہ اس کا کلام ہے جو صرف یہی نہیں کہ سید المتکلمین، سند المحققین سرآمد علماء وصوفیاء، سراج خانوادۂ اشرفیہ تھا بلکہ خود حضور مفتی اعظم ہند کی بے پناہ عقیدت ومحبت اور لازوال نیاز مندیوں کا قبلہ وکعبہ تھا میرا خیال ہے کہ آج تک حضور مفتی اعظم کا تعارف کراتے ہوئے جو کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھا جائے گا۔ ان سب کو اگر ایک پلڑے اور حضور محدث اعظم کے قلم سے نکلے اس فقرے کو دوسرے

پلڑے پر رکھ دیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہوگا۔ ہم اس عظیم فرد کے فضل و کمال کا کیا تعارف کرا سکیں گے، جسے حضور محدث اعظم ہند جیسی شخصیت کی زبان بھی عالم مطاع واجب الاتباع قرار دے۔

یہ دلیل ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند کی اتباع عین اتباع رسول تھی، ورنہ اسے محدث اعظم ہند جیسا فقیہ و محدث واجب قرار نہ دیتا۔ عشق رسول کے سمندر میں ڈوب کر زندگی بسر کرنے والے حضور مفتی اعظم ہند کے لئے آل رسول فرزند بتول کی یہ عظیم شہادت کیا کچھ کم اہمیت رکھتی ہے؟ بریلی شریف کے افق سے اٹھنے والا یہ سحاب رحمت اٹھا اور اٹھتا ہی چلا گیا۔ بڑھا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔ پھیلا اور پھیلتا ہی چلا گیا۔ برسا اور برستا ہی چلا گیا۔ دین و دیانت اور علم و دانش کی کھیتیاں سرسبز و شاداب ہوگئیں۔ امام احمد رضا کی آواز مفتی اعظم کی شکل میں ہند و بیرون ہند کے لاتعداد شہروں اور بے شمار قریوں میں پہونچی۔

وہ کنواں نہ تھے کہ لوگ وہاں جا کر پیاس بجھاتے بلکہ وہ بادل تھے ہر جگہ خود ہی جا کر برس آتے۔

اپنوں پر برسے غیروں پر برسے، پہاڑوں پر برسے، وادیوں پر برسے، صحراؤں پر برسے، شہروں پر برسے، ایوانوں پر برسے، جھونپڑیوں پر برسے، یہی وجہ ہے کہ۔

جب وہ نگاہوں سے روپوش ہوئے تو دنیا چیخ پڑی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۲۰ لاکھ انسانوں کا جم غفیر ہر طرف سے اکٹھا ہو گیا۔

حضور مفتی اعظم ہند کی آخری خواہش تھی کہ میری نماز جنازہ آل رسول فرزند غوث اعظم پڑھائے رب کریم نے اپنے فضل و کرم سے پوری فرمادی۔ اور فرزند غوث الثقلین سجادہ نشین آستانہ عالیہ اشرفیہ سرکار کلاں مولانا سید مختار اشرف اشرفی الجیلانی دامت برکاتہم العالیہ کو کچھوچھہ شریف سے بریلی شریف پہونچادیا۔ جس خدا کی رضا میں حضور مفتی اعظم ہند نے اپنی ساری زندگی گذار دی۔ وہ خدا حضور مفتی اعظم ہند کی رضا کی تکمیل کو

اپنے ذمہ کرم میں کیوں نہ رکھتا؟

المختصر جس پہلو اور جس گوشے سے دیکھا جائے اس اعتراف کے بغیر چارہ کار نہیں کہ حضور مفتی اعظم ہند کی ذات قدسی صفات پر رب کریم کی بے حد نوازشیں تھیں۔ اس کا فضل خاص ہمیشہ ان پر سایہ فگن رہا۔ اور خدائے تعالیٰ نے انہیں مخصوص انعام والوں میں رکھا جن کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔

سیدھے راستے کی تلاش میں سرگرداں رہنے والو! آؤ صراط مستقیم کو حضور مفتی اعظم کی شکل وصورت میں دیکھ لو۔

قرآن کریم کے الذین انعمت علیھم میں حضور مفتی اعظم کو داخل فرما کر رب کریم نے انہیں جو عظمت ورفعت بخشی ہے اس کا اظہار ناممکن ہے۔

ماہنامہ استقامت ڈائجسٹ کانپور، ماہ مئی ۱۹۸۳ء

☆☆☆

مفتی اعظم ہند

(ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم جامعہ ہمدرد، نئی دہلی)

مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ رب العزت نے بیشمار خوبیوں سے نوازا تھا روحانی وجسمانی ہر اعتبار سے وہ قدرت خداوندی کا بہترین شاہکار تھے علم وفضل کے بے بہا دولت کے ساتھ خالق کائنات نے حسن وجمال کا انھیں وہ انمول خزانہ عطا کیا تھا جس کی نورانی شعاعوں سے کفر کی تاریکی چھٹتی اور ایمان کا اجالا پھیلتا دیکھا گیا کئی لوگ صرف آپ کا دیدار کرتے ہی وارفتگیٔ شوق کے ساتھ حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے علم اور فقیری دونوں دو چیزیں ہیں ان دونوں کا اجتماع اگر کسی انسان میں ہو جائے تو وہ بڑا اہم انسان تصور کیا جاتا ہے۔ ایسے کمیاب مگر اہم لوگوں میں حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ بھی تھے جن کی شخصیت علم وکمال اور فقر وغنا کا حسین سنگم تھی۔ قلم اٹھایا تو علوم وفنون کے دریا بہہ گئے میدان عمل میں آئے تو ملت اسلامیہ کے لئے قابل تقلید نمونہ بن گئے اللہ کی مرضی کے لئے جینا اور اس کی رضا جوئی میں زندگی کی سانس سانس کا محاسبہ کرنا مفتی اعظم ہند میں دیکھا گیا متقی وپرہیزگار کی داستان سے کتابیں بھری پڑی ہیں لیکن اس صدی میں تقویٰ وطہارت کو جن چند مایہ ناز شخصیات پر ناز تھا ان میں ایک آپ بھی تھے زاہد وعابد تو بہت دیکھے گئے لیکن زہد جس پر نازاں تھا وہ پارسا۔ اہل علم نے آپ کی فقاہت کا لوہا مانا عوام نے آپ کے زہد واتقاء کو معیار شرافت جانا، بہرحال علم ہو یا عمل ہر اعتبار سے آپ کی ذات بابرکت عوام وخواص دونوں کے لئے مقتنم تھی۔

شریعت مطہرہ سے سرمو انحراف کرنا تو درکنار کسی کو کرتے ہوئے دیکھنا بھی گوارہ نہ کرتے ع ٹوک دو گر غلط کرے کوئی۔ ان کی زندگی میں ہر طرح رچا بسا تھا تصنع اور ظاہری

بناوٹ سے قطعی گریز کرتے جو کچھ دل میں ہوتا وہی زبان پر لاتے، دوسرے نام نہاد علماء سے مفتی اعظم ہند کا رویہ قطعی مختلف تھا۔

واعظاں پند ونصیحت بر سر منبر می کنند
چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

کے مزاج قطعی مخالف تھے جو ایسا کرتا اس کی اصلاح کرتے اتباع شریعت میں ان کی زندگی کا ہر ہر لمحہ بسر ہوتا، تبلیغ وہ دوسروں ہی کو نہیں کرتے بلکہ وہ خود اپنے آپ کو عملی نمونہ بنا کر پیش کرتے ان کا قدم کبھی شریعت کے خلاف نہیں اٹھا، خلوت وجلوت میں ان کا عمل یکساں تھا اتباع شریعت میں ذاتی نفع ونقصان کا خیال ہرگز نہ فرماتے تمام شرعی امور کو بحسن وخوبی انجام دینے کی کوشش کرتے وہ چھوٹی چھوٹی باتیں جنھیں معمولی سمجھ کر علماء صرف نظر کر جاتے ہیں مفتی اعظم ہند اس پر سختی سے کاربند تھے زنان خانہ میں عورتیں زیارت کے لئے حاضر ہیں انتظار ہو رہا ہے جب آپ تشریف لائے تو چند عورتوں کے نقاب الٹے اور منھ کھلے تھے آپ نے فوراً آنکھیں بند کرلیں اور فرمایا نقاب ڈالو نقاب ڈالو پھر عورتوں نے نقاب ڈال لیں پھر بہت دیر تک ان عورتوں پر لعن طعن کرتے رہے اللہ اکبر شریعت کی پاسداری ہو تو ایسی ہو۔

احتیاط کا یہ عالم کہ علاج ومعالجہ میں بھی تقویٰ اور اتباع شریعت کا بھرپور خیال رکھتے انگریزی دوائیوں سے آپ گریز کرتے کیونکہ اس کے اجزاء میں بہت سی ایسی چیزیں شامل ہوتی ہیں جن کا استعمال شرعی اعتبار سے مناسب نہیں ہوتا اسی وجہ سے آپ انگریزی علاج کو ناپسند فرماتے زندگی کے آخری ایام میں اعزہ کے اصرار پر آپ نے انگریزی علاج شروع کیا تو جب تک ہر دوا کے بارے میں پوچھ کر اطمینان نہ کر لیتے استعمال نہ فرماتے یہی وہ تقویٰ شعاری تھی جس کے سبب عوام وخواص سب کی نگاہیں آپ کی طرف لگی تھیں لوگ پروانہ وار آپ کے قدموں پر نثار ہوتے اس دور میں جتنے صاحب سلسلہ تھے آپ ہی

کے حلقہ اردات سے وابستہ تھے مرید ہونے والوں کی تعداد لاکھوں میں تھی لوگ جوق در جوق پروانہ وار آپ کے دامن ارادت سے کیوں وابستہ ہوتے اس سلسلہ میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

ھجوم کیوں ھے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ھے مرد خلیق

إنما يخشى الله من عبا ده العلماء : اہل تقوی ہی وہ لوگ ہوتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کا زیادہ ڈر غالب رہتا ہے مفتی اعظم ہند دراصل وہ علم وفضل پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ زہد واتقاء کے بھی عظیم منصب پر بھی فائز تھے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے تصویر کشی مناسب نہیں سمجھتے تھے کسی جرم کا ارتکاب کر کے کسی نفع کے حصول کے آپ ہرگز روادار نہیں تھے تصویر نہیں کھنچوائی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عریضہ پیش کیا حکومت ہند کو بھی آپ کی ارادہ ونشاء کا احترام کرنا پڑا۔ بغیر تصویر کھینچوائے پاسپورٹ بنا حج کیلئے تشریف لے گئے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے

تو انیز گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

زندگی بھر اتباع احکام الٰہی کرتے رہے اتباع سنت میں زندگی کا ہر لمحہ بسر ہوا ان کے جائز ارادوں کی تکمیل کیونکر نہ ہوتی ان کی استقامت علی الحق نے دنیا کے قانون بدل دیئے تصویر سے مستثنٰی قرار دیا گیا اور اسی شان سے حاضری ہوئی کہ دامن عصمت پر نافرمانی کا ایک دھبہ تک نہ تھا۔

مفتی اعظم ہند بڑے باپ کی اولاد تھے امام احمد رضا کی علمی عبقریت کا ڈنکا ہر چہار دانگ عالم میں بج رہا تھا ان کی عظمت وجلالت کے اعتراف کے لئے یہی کیا کم تھا لیکن آپ نسبی جاہ وحشم پر عز وافتخار کے قطعی مخالف تھے "پدرم سلطان بود" کے نہیں بلکہ ان

اکرمکم عند اللّٰہ اتقا کم کی تصویر تھے آپ کے اطوار و کردار بود و باش، رفتار و گفتار، نشست و برخاست سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا علم ہوتا تھا کوئی ادا ایسی نہیں جو سنت مصطفے علیہ التحیۃ والثناء کے مخالف ہو، ان کی ذات سے اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوتے جاگتے کھاتے پیتے شرعی مسائل معلوم ہوتے تھے ان کے طور طریقوں کو دیکھ کر زندگی کے صحیح طریقوں کا علم ہوتا تھا حضرت علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی فرماتے ہیں:

میں نے مفتی اعظم کو زندگی کے تمام شعبوں میں دیکھا ہے مگر ہر جگہ ہر وقت سنت مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق پایا، مبارکپور کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کا دن تھا راجہ مبارک شاہ کی مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی باہر دھوپ کی شدت تھی مفتی اعظم ہند ایک صاحب کے ساتھ اندر تشریف لائے اور لوگوں کے پیچھے صف میں بیٹھ گئے یہ تھا مفتی اعظم ہند کا عمل آج ہم دھوپ کی شدت کی تاب نہ لا کر لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتے ہوئے جگہ کی تلاش میں آگے بڑھ جاتے ہیں اور گنجائش نکال کر وہاں بیٹھ جاتے ہیں جب کہ شریعت کے بموجب کسی کی گردن پھلانگ کر کے آگے بڑھنا صرف فعل غیر مناسب ہی نہیں بلکہ ارتکاب جرم بھی ہے مسئلہ تو سب پڑھتے ہیں مگر پڑھنے کی حد تک عمل کتنے لوگ کرتے ہیں؟

مفتی اعظم ہند کی ذات گرامی ان لوگوں میں سے تھی جو خود بھی عمل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرواتے تھے بالفاظ دیگر ان کی ذات گرامی دوسروں کے لئے مینارۂ ہدایت تھی اور وہ بھی اس طرح کہ تصویر کھینچنا کھنچوانا تو کجا جس گھر میں تصویر لگی ہوتی اس میں بیٹھنا تو در کنار داخل ہونا بھی پسند نہیں فرماتے۔

احمد آباد اپنے ایک عقیدت مند کے یہاں دعوت طعام میں تشریف لے گئے صاحب خانہ کے دروازے تک پہنچ کر آپ کے قدم رکے گئے صاحب خانہ حیرت میں پڑ گئے آخر بات کیا ہے اور آپ کے قریب پہنچ کر گھر کے اندر تشریف لے چلنے کی درخواست کی حضور

مفتی اعظم ہند نے فرمایا تمہارا مکان صنم خانہ بنا ہوا ہے یہ سنتے ہی وہ تیزی کے ساتھ اندر گئے اور دیوار پر لگی ہوئی ساری تصاویر ہٹائیں تب کہیں جا کر حضور مفتی اعظم گھر کے اندر داخل ہوئے زہد و پارسائی کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے ابھی اس امکان میں داخل بھی نہیں ہوئے مگر من جانب اللہ انہیں یہ احساس پہلے ہی ہو گیا، ان کے اسی زہد و اتقاء کو دیکھ کر محدث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے ممبئی میں فرمایا تھا:

آج کل دنیا میں جن کا فتویٰ سے بڑھ کر تقویٰ ہے ایک شخصیت مجدد مائۃ حاضرہ کے فرزند دلبند کا پیارا نام مصطفےٰ رضا ہے جو بے ساختہ زبان پر آتا ہے اور زبان سے بیشمار برکتیں جنم لیتی ہیں نور چشم اعلیٰحضرت راحت دل خستگان مفتی اعظم بنام مصطفےٰ شاہ زمن اور حضور مفتی اعظم ہند کے ایک شرعی فتویٰ پر آپ محدث اعظم ہند نے ہی یہ تحریر فرمایا تھا:

هذا القول العالم المطاع و ماعلينا الا الاتباع

یہ ایک ایسے عالم کا قول ہے جن کی اطاعت لازمی ہے

ا استفاد مفتی اعظم نمبر ۵۵۷

محدث اعظم ہند اور دوسرے ارباب فضل و کمال اس قدر اہم باتیں لکھنے پر اس لئے مجبور ہوئے تھے کہ ان کا ہر لمحہ شریعت مطہرہ کی کسوٹی پر صحیح اترتے ہوئے دیکھا تھا اور بار بار دیکھا تھا اس لئے مفتی اعظم ہند کے بارے میں ایسے جملے یہ حضرات بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔

مفتی اعظم ہند اتباع سنت شریعت میں بڑے اطمینان و سکون کا مظاہرہ فرماتے نماز کا اہتمام ہر حالت میں یکساں فرماتے۔ سفر ہو یا حضر نماز کی ادائیگی اطمینان و سکون کے ساتھ کرنے کی عادت تھی۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ آپ ناگپور سے تشریف لے جارہے تھے راستہ میں کسی اسٹیشن پر گاڑی رکی مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا ساتھ میں معتقدین کی ایک جماعت تھی نماز کی

ادائیگی کے لئے سب لوگ ٹرین سے اتر پڑے، ٹرین اپنے وقت پر چل پڑی کچھ بدعقیدہ لوگوں نے بھپتیاں کسیں کہ میاں گاڑی میں آپ کا اور آپ کے ہمراہیوں کا سامان ہے نماز سے فراغت کے بعد دیکھا تو پلیٹ فارم سے ٹرین جاچکی تھی لوگوں کا سامان اسی گاڑی پر تھا، سب لوگ بے حد متردد تھے مگر مفتی اعظم ہند بہت مطمئن تھے ابھی سب لوگ سوچ ہی رہے تھے کہ سامان کا کیا ہوگا؟ اتنے میں دیکھا کہ گارڈ صاحب بھاگے چلے آرہے ہیں اور ان کے پیچھے پچاسوں مسافر دوڑے آرہے ہیں گارڈ نے کہا حضور گاڑی رک گئی ہے حضرت نے فرمایا کیا انجن خراب ہوگیا ہے؟ آخر حضرت ڈبے میں بیٹھے انجن بدلا گیا اور اس طرح ۴۵ منٹ تاخیر کے بعد گاڑی چلی۔

مولانا عبدالمجتبیٰ مشائخ قادریہ ص ۱۵ دہلی

حضور مفتی اعظم ہند کشور ولایت کے تاجدار تھے شریعت وطریقت کے تابعدار تھے اپنے ہوں یا بیگانے سب کے لئے ان کی شخصیت ضیاء بار تھی ہندو مسلمان سب کے لئے ان کا دربا کھلا رہتا تھا ان کے تقویٰ وتقدس کو دیکھ کر ہر شخص ان کی بارگاہ میں آتا اپنی عرضی پیش کرتا مفتی اعظم تعویذ دے کر دعاؤں سے نوازتے اس دعا اور تعویذ میں نہ جانے کتنی تاثیر ہوتی کہ دعا کرانے اور تعویذ لینے والوں کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوا، یہ خدمت ان کی قوم کے لئے مفت تھی اس پر کبھی کسی قسم کی اجرت کے طالب نہیں ہوئے آپ کی بارگاہ پر لگی بھیڑ میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔

روحانی حسن وجمال کے ساتھ جسمانی حسن وجمال کا عالم یہ تھا کہ مشتاقان دیدار گلی کوچوں میں بھیڑ لگائے کھڑے رہتے اگر اس راستہ سے آپ کی آمد کی خبر ہوتی تو نگاہیں فرش راہ کر لیتے اور جب تک نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو جاتے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہتے علماء وفضلا آپ کی خدمت میں حاضری اپنے لئے باعث عز وافتخار تصور کرتے کیونکہ مفتی اعظم صرف تعویذ نویس ہی نہیں بلکہ تقویٰ وپرہیز گاری میں اپنی مثال آپ ہونے کے

ساتھ علم و دانش کے بھی آفتاب تھے ہزاروں علماء کو سند خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ کی مقبولیت دیدہ وروں کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں تھی جس طرح پردہ فرمانے سے پہلے ظاہری حالت میں لاکھوں انسانوں کے دلوں کو سرور بخش رہے تھے ٹھیک اسی طرح آج لاکھوں نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ چاہنے والے آپ کے مزار پر انوار سے اپنی آنکھوں کو نور اور دلوں کو سرور بخش رہے ہیں۔

مفتی اعظم جب تک زندگی کی قید و بند میں تھے عبقری ضرور تھے لیکن نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد جب آپ کی شخصیت کو ریسرچ و تحقیق کا موضوع بنایا گیا تو وہ حقائق جہتوں سے ریسرچ و تحقیق کر کے یہ ثابت کر دیا گیا کہ مفتی اعظم ان باکمال افراد میں سے ہیں جو اپنے کارناموں کے سبب پہلے بھی زندہ تھے اور آج بھی زندہ ہیں بلاشبہ وہ خورشید ہدایت تھے اور خورشید ڈوبتا ہے فنا نہیں ہوتا۔

جہاں میں مرد حق ہیں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

مفتی اعظم ہند کی تقویٰ و پارسائی ضرب المثل تھی تقویٰ کا یہ معیار تو کجا علماء میں کم دیکھا ایک بار آپ نے وضو فرمایا تھا بالکل مختصر چھنگلی کے ناخن میں لگا رہ گیا آپ نے امامت کی پھر ہاتھ کی چھنگلی کو دیکھاتے ہوئے فرمایا چھنگلی کے ناخن میں پان کا کتھا لگا رہ گیا ہے پھر سے وضو کروں گا اور پھر سے نماز ہو گی۔

اسی تقویٰ ہی کے نتیجے میں سیکڑوں کافر آپ کی نورانی شکل و صورت دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

فیضان مفتی اعظم ص ۲۹

☆☆☆

پندرہویں صدی کا مجدّد

مولانا توصیف رضا خاں صدر جمعیۃ العوام بریلی شریف

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله النبی الأمین الکریم

أما بعد

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم إن اللّٰه یبعث لهذه الأمة علی رأس کل مائة سنة من یجد دلها أمر دینها (سنن ابی داؤد)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر سو برس پر ایک مجدد بھیجتا رہے گا جو ان کے لئے اس کا دین تازہ کرتا رہے گا۔

معزز حضرات:۔ میں نے بحوالہ ابوداؤد شریف جس حدیث پاک کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے اس میں مخبر صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہر صدی کے آغاز پر ان فیروز بختوں کی بعثت شریفہ کا ذکر فرمایا ہے جو تجدید کے منصب جلیل پر فائز ہوتے ہیں اور انہیں مجدد کا لقب دیا جاتا ہے۔ مجدد کا منصب اور اس کا دائرہ کار و اختیار سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے مفہوم تجدید ذہن نشین کر لیا جائے۔ سراج منیر میں ہے۔ معنی التجدید الإحیاء مما إندرس من العمل بالکتاب والسنه والأمر بمقتضاها۔ تجدید دین سے مراد یہ ہے کہ کتاب سنت کی منشاء کے مطابق حکم جاری کرنا اور کتاب وسنت سے متعلق امور جو مٹتے جا رہے ہوں انہیں زندہ کرنا علامہ مناوی فرماتے ہیں۔ أی یبین السنة من البدعة و یذل أهلها۔ یعنی مجدد دین سے غیر ضروری

باتیں جو شامل ہوگئی ہوں انہیں نکالتا ہے اور ضروری باتیں جو باہر ہو چکی ہوں انھیں دین میں داخل کرتا ہے اور اہل بدعت کو رسوا کرتا ہے۔ علماء کی تصریحات کی روشنی میں مجدد وہ مرد مجاہد ہوتا ہے جو ضروری اور غیر ضروری امور میں خط امتیاز کھینچ دیا کرتا ہے۔ حاملین شریعت و عاملین رشد و ہدایت کی اعانت کرتا ہے۔ بدعتیوں اور گمراہ گروں کے مکروہ و پرخشونت چہروں کو اہل دنیا کے روبرو کر کے انہیں ذلیل و خوار کرتا ہے۔ مجدد کا منصب یہی ہے۔ ملت اسلامیہ کی ہمہ گیری اس کا دائرہ کار واقتدار ہے۔ مجدد وقت کا ماہر طبیب، فنکار جراح ہوتا ہے۔ جس کے سر پر دوہری ذمہ داری ہوتی ہے۔ زخم دل پر مرہم کاری کی، اور محل فساد پر نشتر زنی کی۔ جبکہ عہد ماضی میں دین اسلام کی حقانیت و صداقت کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے لئے طاغوتی طاقتوں نے خم ٹھونک کر سر ابھارا۔ (۱) حکم بنانا شرک ٹھہرایا گیا (۲) مولائے کائنات رضی اللہ تعالی عنہ کو نبوت کا ہم شریک بتایا گا۔ (۳) قرآن کے مکمل محفوظ ہونے پر اعتراض ہوا اور اسے مخلوق کہا گیا۔ (۴) تناسخ کے ممکن اور عرش اعظم کے قدیم ہونے کی ہوا باندھی گئی۔ (۵) بندے کو اپنے افعال کا خالق بتایا گیا (۶) حساب و کتاب و میزان و پل صراط کی کوئی حقیقت نہیں۔ (۷) زکوٰۃ دینا فرض نہیں، بندہ مجبور محض ہے۔ (۸) جنتیوں کے لئے سونا، مرنا دونوں ہوں گے۔ (۹) بعد ایمان کوئی چیز فرض نہیں۔ شیطان کا کوئی وجود نہیں۔ (۱۰) جنت و دوزخ روز قیامت پیدا کئے جائیں گے اور یہ دونوں فانی ہیں (۱۱) جو صرف لا الہ الا اللہ کہہ لے پھر جو چاہے کرے اس پر عذاب نہیں۔ (۱۲) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے مقبول اور نافرمانی سے گنہگار نہیں (۱۳) ایمان عمل صالح کا دوسرا نام ہے وغیرہ وغیرہ۔ کیا وقت کی ایسی خشمگیں نگاہیں دیکھ کر کوئی سوچ بھی سکتا تھا کہ اسلام اپنے پورے وجود کے ساتھ باقی رہے گا؟۔ مگر نہیں! اس پر آشوب ماحول میں وہ نفوس قدسیہ بھی موجود تھے۔ جنکی ہر جنبش لب فرمان رسالت اور ہر ادا سنت مصطفیٰ ہوتی تھی۔ جن کی رضا رضائے الٰہی اور خوشنودی رسالت

پناہی (صلی اللہ علیہ وسلم) تھی۔ جنہوں نے شرانگیز فتنوں سے سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا اور ان کے خروج کا انسداد باب کیا، جان و مال، عزت و آبرو کی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ قید و سلاسل کے صعوبت انگیز مراحل سے گذرتے رہے، اپنوں اور غیروں کی تیز و تند مخالفتیں برداشت کرتے رہے لیکن دین مستقیم کی حفاظت وصیانت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھا بلکہ حق و باطل میں وہ امتیازی لکیر کھینچ دی ہیں جس کی محتاج آج تک امت مسلمہ ہے۔ پہلی صدی سے موجودہ پندرہویں صدی تک مجدد دین کا ایک طویل سلسلہ چلا آ رہا ہے اور قیامت تک چلتا رہے گا۔ اس سلسلۃ الذہب کا آغاز عمر بن عبدالعزیز سے ہے اس لئے آپ ہی مجدد مائۃ اولیٰ ہیں۔ مجدد مائۃ ثانیہ امام شافعی، مجدد مائۃ ثالثہ قاضی ابوالعباس بن شریح شافعی اور امام ابوالحسن اشعری و محمد بن جریر طبری ہیں۔ مجدد مائۃ رابعہ امام ابوبکر باقلانی اور ابوطیب صعلوکی وغیرہما ہیں۔ مجدد مائۃ خامسہ امام محمد بن غزالی، مجدد مائۃ سادسہ امام فخرالدین رازی، مجدد مائۃ سابعہ امام تقی الدین، مجدد مائۃ ثامنہ زین الدین عراقی، شمس الدین جزری سراج الدین بلقینی ہیں۔ مجدد مائۃ تاسعہ امام جلال الدین سیوطی اور علامہ شمس الدین سخاوی ہیں۔ مجدد مائۃ عاشرہ شہاب الدین رملی، ملا علی قاری ہیں، مجدد مائۃ حادی عشر امام ربانی شیخ احمد سرہندی اور محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور میر عبدالواحد بلگرامی صاحب سبع سنابل شریف ہیں۔ مجدد مائۃ ثانی عشر سلطان دین پرور ابو المظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر، شاہ کلیم اللہ چشتی دہلی اور قاضی محب اللہ بہاری ہیں۔ مجدد مائۃ ثالث عشر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی ہیں، مجدد مائۃ رابع عشر مؤید ملت طاہرہ صاحب تصانیف قاہرہ اعلیحضرت عظیم البرکت ہیں، مجدد خامس عشر محی السنّت قامع البدعت حامی الاسلام ماحی الاظلام، مرجع الانام، حجۃ اللہ و حجۃ الاسلام، جبل استقامت، مصدر کرامت، منبع فیض و برکت، آیت من آیات اللہ، عالم تبحر، امام احمد رضا کے فرزند ارجمند، نوری میاں مارہروی کے پسر دلبند، مفتی اعظم اسلام، مرکز خواص و عوام

جناب والا اعلیٰ و اولیٰ، ولی حق تعالیٰ، نائب رسول اللہ، علامہ وفہامہ، مولانا ومولوی الحاج الشاہ ابوالبرکات محی الدین آل رحمان محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب نوری بریلوی ہیں۔ متعنا اللّٰہ ببرکاتہ وحشرنا یوم القیامۃ تحت رأیاتہ۔ مجدد کی شناخت معاصرین کے غلبۂ ظن اس کے قرائن واحوال اور اس کے علوم نافعہ سے ہوتی ہے۔ مجدد علوم دینیہ ظاہرہ وباطنہ کا علام ہوتا ہے اور وہ ناصر سنت وقاطع بدعت ہوتا ہے۔ مجدد کبھی ایک ہوتا ہے جیسے عمر بن عبدالعزیز بالاتفاق پہلی صدی کے مجدد اور امام شافعی دوسری صدی کے مجدد ہیں۔ ان کے ہم عصر علماء میں اعلم وافضل ہونے میں محققین کا اجماع ہے اور کبھی دو یا جماعت ہوتی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ مجدّدیت کی شرطیں ہیں (۱) جس صدی کا وہ مجدد ہے اس کی ابتداء میں وہ موجود ہو (۲) جس صدی میں وہ پیدا ہوا اس صدی میں وہ معروف ومشہور اور دین کی قوت واستحکام کا سبب ہو (۳) حاکم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو (۴) علوم وفنون میں علماء کا مشار الیہ ہو (۵) سنت کو ظاہر اور بدعت کو ختم کرتا ہو۔ مجدد کا وجود انھیں شرائط خمسہ سے مشروط ہوتا ہے۔ ہمارا ممدوح پندرہویں صدی کا مجدد ہے۔ اس لئے کہ وہ پندرہویں صدی میں بقید حیات رہ کر علماء معاصرین کا مشارہ الیہ بنا رہا۔ چودہویں صدی ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ میں آپ پیدا ہوئے۔ بانوے سال کی عمر شریف پائی اور پندرہویں صدی ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ سال بھر کی عمر میں مرشد برحق کی طرف سے جمیع سلاسل کی اجازت حاصل ہوئی۔ مرشد نے مادر زاد ولی کہا۔ اجابت رحمت نے قبول فرمایا۔ چودہویں صدی کی انتہا اور پندرہویں صدی کی ابتدا تھی کہ آپ کا علمی غلغلہ خاکدان گیتی کے ہر گوشہ میں پھیل چکا تھا۔ آپ کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضرب المثل ہے۔ آپ ہر علم وفن میں معاصرین کے محتاج الیہ رہے، اماطتہ بدعت اور استحکام سنت آپ کا نصب العین تھا۔ شریعت وطریقت کے امام اور حقیقت ومعرفت کے محرم اسرار تھے۔ آج کے اس تاریخی اجلاس میں اپنے عظیم ممدوح مجدد مائتہ

خامس عشر کے جمال وکمال پر جب ہم نظر کرتے ہیں تو ہمیں علم و دانش کی کوئی بزم ایسی نہیں ملتی ہے جس کا وہ تاجدار نہ ہو، تقویٰ وطہارت، زہد وقناعت، شرافت وکرامت، مجاہدہ وریاضت اصابت واستقامت، ذکاوت وفراست کی وہ کون سی شاہراہ ہے جہاں اس کے نقوش قدم نہیں ملتے۔؟ ہمارا ممدوح خلقاً وخُلقاً ومنطقاً اپنے باپ مجدد رابع عشر امام احمد رضا کی سچی تصویر تھا، مجدد ابن مجدد اور الولد سر لابیہ کی بیداغ تفسیر اور اسلام کا بطل جلیل، استقامت کا ایسا جبل عظیم تھا کہ نازک تر وقت میں بھی اس کے پیروں میں لغزش نہ آسکی۔ آج خوارق عادات کو معیار بنا کر لوگوں کے مقامات کی تعیین کی وبا عام ہو چکی ہے چاہئے تو یہ تھا کہ ان لوگوں کے مقامات کے عرفان کے ذریعہ ان سے ظاہر ہونے والے خوارق عادات مقام کو متعین کیا جاتا۔ خرق عادت تو کسی کے ایمان کی بھی دلیل نہیں پھر اسے کسی کے متقی ہونے کی دلیل کیسے قرار دیا جا سکتا ہے، ہمارے ممدوح کی سب سے بڑی کرامت ہر حال میں شریعت پر اس کی استقامت ہے الاستقامة فوق الکرامة واللّٰہ یعصمك من الناس اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تمہیں لوگوں سے بچائے گا، آیت کریمہ کا لفظ عموم چاہتا ہے کہ ہر طرح کی حفاظت اس کے دائرہ مفہوم میں آجائے۔ تفصیل یہ ہے کہ ہر نبی کا دور زندگی دو قسم کا ہے۔ ایک ظاہر جسمانی زندگی، دوسری اس کی پیغمبرانہ زندگی ہر نبی اپنی جسمانی زندگی کے لحاظ سے آج بھی زندہ ہے۔ مگر آج کسی نبی کا پیغام اپنی شکل وصورت میں باقی نہیں رہ گیا اب اگر کسی نبی کے پیغام کا کوئی حصہ باقی بھی ہے تو وہ بھی ہمارے نبی کے پیغام کا جز بن کر لیکن یہ ہمارے نبی کی خصوصیت ہے کہ رب کریم نے اگر ایک طرف آپ کو دشمنوں کے جان لیوا حملوں سے محفوظ رکھا اور اس بات سے بے نیاز کر دیا کہ آپ اپنے ساتھ حفاظتی دستہ لے کر چلا کریں اور پھر عالم برزخ میں آپ کی حیات ظاہری کی حقیقت کو بھی برقرار رکھا تو دوسری طرف قیامت تک پیغام کے لئے بھی حفاظت کو ذمۂ کرم میں لے لیا، المختصر! نہ لوگ رسول کریم کی ذات کو نقصان

پہونچا سکے نہ پیغام کو اور نہ قیامت تک پہونچا سکیں گے ۔ خدائے عزوجل دونوں کی حفاظت فرمانے والا ہے ۔ ہاں! ہر دور کے لحاظ سے حفاظت کے ذرائع مختلف رہے ہیں، جب منکرین زکوٰۃ نے دین میں ارتداد کا راستہ نکالنا چاہا تو خدا نے صدیق اکبر کے ذریعہ پیغام رسول کی حفاظت فرمائی، قیصر وکسریٰ کی مغرور طاقتوں نے اسلام کو چیلنج کیا تو خدا نے اس کی حفاظت فرمائی ۔ فاروق اعظم کے ذریعہ یوں ہی جب خوارج نے قرآنی آیات کے مفاہم کو بدلنے کی شرمناک کوشش کی تو خدا نے پیغام مصطفوی کی حفاظت فرمائی مولائے کائنات کے ذریعہ، اسی طرح جب یزید نے شرکشی کا سر اٹھایا تو خدا نے اپنا دین بچایا ۔ حسین ابن علی کے ذریعہ ایسے ہی جب اعتزال کے فتنوں کا پانی سر سے اونچا ہونے پر آیا تو خدا نے اپنے نبی کے پیغام کی صحیح شکل وصورت کو بچایا ۔ امام احمد بن حنبل کے ذریعہ یوں ہی جب شہنشاہ اکبر نے دین الٰہی کے نام پر حقیقی دین الٰہی کی صورت بگاڑنی چاہی تو خدا نے اپنا دین بچایا ۔ مجدد الف ثانی کے ذریعہ اسی طرح جب وہابیت وقادیانیت نے اپنے فتنہ سامانیوں کا مظاہرہ کیا تو خدا نے اپنا دین بچایا ۔ امام احمد رضا کے ذریعہ یوں ہی جب ایمرجنسی کے دور میں ظالم وجابر حکمرانوں نے ظلم وجفا کی حد کردی اور خاندانی منصوبہ بندی کے غیر اسلامی نظریہ کو منوانے کے لئے ستم بالائے ستم ڈھانے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کی زبانیں گونگی ہوگئیں ۔ بلکہ ابن الوقت حکومت وقت کی حمایت پر اتر آئے، کرائے کے مفتی مسند افتاء کی مٹی پلید کرنے لگے ایسے خوف وہراس کے ماحول میں خدا نے اپنا دین بچایا ۔ مجدد خامس عشر حضور مفتی اعظم اسلام کے ذریعہ جنہوں نے اندیشۂ سود وزیاں سے بے نیاز ہوکر حکومت کے خلاف فتویٰ دیا ۔ مجدد ابن مجدد کے جرأت مندانہ اقدام نے دین مصطفیٰ کو بھاری تباہی سے بچالیا ۔ جس سے دنیا پر ظاہر ہوگیا کہ مصطفیٰ رضا خاں نام ہے دین محمدی کی حفاظت کیلئے خدائی انتخاب کا ۔

ماخوذ از تجلیات مفتی اعظم ہند مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

حضرت نوری بریلوی کی شاعرانہ پیکر تراشی

(مولانا محمد قمر الحسن بستوی ایم اے علیگ)

یہ مقالہ امام احمد رضا قدس سرہ کے چھوٹے صاحبزادے عارف باللہ علامہ اجل حضرت شاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی معروف بہ مفتی اعظم ہند متخلص بہ نوریؔ بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری کے متعلق ''حضرت نوری بریلوی کی شاعرانہ پیکر تراشی'' کے عنوان سے ترتیب دیا گیا ہے۔ جس میں اسلوب نعت کی رواداری کے ضمن میں کلام کی پیکریت پر بحث کی گئی ہے۔ (راقم غفرلہ)

نبی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے إنّ من البیان سحراً وإنّ من الشعر حکما (۱) اس حدیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بعض بیانات میں جادوئی اثر اور بعض اشعار میں حکمت و دانائی ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت شعرائے متقدمین و متاخرین کے دواوین ہیں جن کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اشعار نے وقت پر کتنا اہم کارنامہ انجام دیا ہے اور کیسے کیسے ماحول کی کایا پلٹ کی ہے۔ اس دعویٰ کے پیش نظر نظامی عروضی سمرقندی کے یہ خیالات بڑی اہمیت کے حامل ہو جاتے ہیں۔

شاعری صناعتی ست کہ شاعر بداں صناعت اتساق مقدمات موہمہ کندو التیام قیاسات منتجہ برآں وجہ کہ معنی خرد را بزرگ گرداند و معنی بزرگ را خرد و نیکو را در خلعت زشت باز نماید و زشت را در صورت نیکو جلوہ کند و بایہام قوتہائے غضبانی و شہوانی را برانگیزد تابداں ایہام طباع را انقباضی و انبساطی بود و امور عظام را در نظام عالم سبب شود (۲)

شاعری ایک ایسی صنعت ہے کہ شاعر اس سے مقدمات موہمہ کی ترتیب اور قیاسات منتجہ کی آمیزش ایسے طریقہ پر کرتا ہے کہ چھوٹے معنی کو بڑا کر دیتا ہے اور بڑے کو

چھوٹا نیز عمدہ کو برے لباس میں ڈھال دیتا ہے اور قبیح صورت کو جمال میں جلوہ گر کر دیتا ہے۔ ایہام کے ذریعہ قوت غضبانی و شہوانی ابھارتا ہے تاکہ اس ایہام سے طبیعت کو سرور د انبساط حاصل ہو اور نظام عالم میں بڑے کاموں کی دلیل بنادے۔

شاعری کی تنوعات میں نعت، قصیدہ، مثنوی، رباعی، غزل اور نظم وغیرہ سبھی آتے ہیں۔ ان جملہ واصناف میں پیکر تراشی کی قدریں کچھ زیادہ ہی قدیم ہیں۔ خصوصاً قصائد کی تشبیب اور غزل میں پیکر کا عنصر بہت پرانا ہے۔ مثلاً عربی شاعر ابوطیب احمد بن حسین جعفی معروف بہ متنبی (متوفی ۳۵۴ھ) نے اپنے ایک قصیدہ کے تشبیب میں ممدوح کو ایک ایسے نورانی پیکر میں ڈھالا ہے جہاں ظلمتوں کا گذر نہیں ہوتا۔

أمن ازديا رك في الدجى الرقباء

اذ حيث كنت من الظلام ضياء (۳)

ترجمہ:۔ شب تاریک میں اب رقیب میری ملاقات کے بارے میں مامون ہو گئے کہ میں تجھ سے نہیں مل سکتا۔ کیونکہ تو تاریکیوں میں جہاں کہیں ہوتا ہے روشنی ہی روشنی ہوتی ہے۔

پھر ایک دوسرے قصیدہ میں جو سیف الدولہ کی بہن کے انتقال پر مرثیہ کہا ایک بڑی دلکش پیکر تراشی کی ہے۔ جس کا شعر یہ ہے۔

حتّیٰ إذا لم يدع صدقه أملا

شرقت بالدمع حتّٰى كاد يشرق بی (۴)

ترجمہ:۔ یہاں تک کہ جب اس متوفی کی موت کی سچی خبر نے میرے لئے کوئی امید نہیں چھوڑی تو کثرت اشک کے باعث مجھے اُچھو ہو گیا۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ میری وجہ سے آنسوؤں کو اُچھو لگنے لگے۔

اس شعر میں حسّی پیکر تراشا گیا ہے۔ آنسوؤں کو اچھو لگنا ایک علامتی پیکر بنایا گیا اور اس کی تجسیم کے بعد پھر اس کی لمسی پیکریت اجاگر ہوئی۔

اسی طرح فارسی شاعری میں بھی پیکریت کا تصور بہت پہلے سے موجود ملتا ہے اور ان تصورات کی چاندنی ہر جگہ بجی سجائی نظر آتی ہے۔ فارسی کا قدیم صاحب دیوان شاعر ابو عبداللہ جعفر بن محمد بن حکیم بن عبدالرحمان بن آدم معروف بہ رودکی (متوفی ۳۲۹ھ) سامانی دور کے حکمراں اپنے ممدوح نصر بن احمد سامانی کی مدح میں ایک قصیدہ کے اندر کہتا ہے۔

(۱) ریگ آموی و درشتی راہ او
زیر پایم پرنیاں آید ھمی
(۲) میر ماہ ست و بخارا آسماں
ماہ سوی آسماں آید ھمی
(۳) میر سرو ست و بخارا بوستاں
سرو سوئے بوستاں آید ھمی (۵)

ترجمہ:۔ (۱) دریائے آموی کی سخت ریت میرے پیروں میں پرنیاں بنکر آرہی ہے۔
(۲) میر چاند ہے اور بخارا آسمان، چاند آسمان کی طرف آرہا ہے۔
(۳) میر سرو ہے اور بخارا باغیچہ سرو باغیچہ کی طرف آرہا ہے۔ ان تمام اشعار میں ریت کا پرنیان سے شخص کا ماہ وسرو سے استعارہ پیکریت کا گل کھلا رہا ہے۔ اور اس میں پیکر تراشی کے نوری اور حسی تماثیل تراشے گئے ہیں۔

نعت کے ساتھ جملہ اصناف میں پیکر تراشی کا تصور تقریباً ہر دور میں پایا جاتا رہا ہے۔ اس طرح کی شاعری میں پیکریت کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ کیونکہ فکر کے دائرہ عمل کی کوئی حد متعین نہیں ہوتی۔ اس لئے حسی مادی اور دیگر طرح کے پیکر تراشنے میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ مثلاً غالب کے ان اشعار کو دیکھئے

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو پھر نہ تھمتا

جسے غم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا

دل مرا سوز نہاں سے بیمحابا جل گیا

آتش خاموش کی مانند گویا جل گیا

مجھے اب دیکھ کر ابر شفق آلود یاد آیا

کہ فرقت میں تیری آتش پرستی تھی گلستاں پر

ان اشعار میں رگ سنگ سے لہو کا ٹپکنا، غم کا شرارہ ہونا، آتش خاموش کے مانند جلنا، فرقت میں گلستاں پر آتش کا برسنا سے آتشیں پیکر تراشے گئے ہیں اور استعاروں سے پیکریت کا کام لیا گیا ہے۔

اسی طرح مومن کی شاعری میں پیکریت کا جو گھماکھی دکھائی پڑتی ہے وہ بھی اسی وسیع دائرہ فکر کی ایک تابندہ تصویر ہے۔ ان اشعار کو دیکھئے۔

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک

شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھ

نامہ روے میں جو لکھا تو یہ بھیگا کاغذ

کہ بنا ہم گہر صفحۂ دریا کاغذ

ان دونوں شعروں میں استعارہ کے زور جادو سے لطیف پیکر تراشے گئے ہیں۔ کیونکہ پہلے شعر میں مغنیہ کا ناہید فلک سے استعارہ کیا گیا ہے جس میں ہر تان ایک شعلہ کی مانند لپکتی ہے اور دوسرے شعر میں آنسو کا گہر سے اور کاغذ کا دریا سے، اس طرح پیکر تراشی کے مفہوم کو ایک وسیع و عریض میدان فراہم ہو رہا ہے۔ مگر۔ نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی محدود ہوتی ہے کیونکہ استعارہ سے حاصل شدہ مفاہیم میں اگر ذرا سی کمی ہوئی یا کچھ زیادتی ہوئی تو تنقیص و غلو کی وجہ سے بہر نوع ایمان کے جانے کا خطرہ برقرار رہتا ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ پیکریت کی ہر نوع کو بقرینۂ ادب صنف نعت میں جگہ دی جا سکتی

ہے۔ خواہ حسّی یا مجرد یا مادّی مگر نعتیہ شاعری میں پیکریت کی جملہ ساماں طرازیاں اس وقت دوبالا ہو جاتی ہیں جب پیکر تراشی میں بے مثلیت کا تصور ابھر کر نظروں میں آتا ہے۔ اسلئے کہ نعت کے علاوہ جتنی بھی اصناف سخن ہیں ان کی شاعرانہ تکنک میں محبوب کے لئے تشبیہات واستعارات میں ہر مشبہ بہ اور مستعار منہ کا استعمال جائز ہے لیکن نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی کے لئے بے مثلیت درکار ہوتی ہے۔ اسی لئے کہ ممتنع النظیر ذات کے لئے لفظوں کا توازن غیر معتدل اور سقیم نہیں ہونا چاہئے۔ جیسی بے مثل ذات ہو اسی طرح متوازن، وقیع، پاکیزہ اور خوبصورت الفاظ کا ذخیرہ فراہم کیا جائے۔

میں پیکر تراشی پر روشنی ڈالنے سے پہلے اس امر کی وضاحت ناگزیر سمجھ رہا ہوں کہ پہلے شاعر کا مستویٰ مقرر کیا جائے پھر اس تناظر میں اس کے کلام کا جائزہ لیا جائے چونکہ سخن کی جملہ اصناف کے لئے معیار شاعری کیا ہوتا ہے یہ قریب قریب واضح ہے۔ جیسا کہ نظامی عروضی سمرقندوی کا خیال ہے۔

"اما شاعر باید کہ سلیم الفطرۃ عظیم الفکرۃ صحیح الطبع جید الرّ ویہ دقیق النظر باشد۔ در انواع علوم متنوع باشد و در اطراف رسوم مستطرف زیرا کہ چنانکہ شعر در ہر علمی بکار ہمی شود ہر علمی در شعر بکار ہمی شود (۶)

"لیکن شاعر کو چاہئے کہ سلیم الفطرۃ، بلند فکر، صحیح طبیعت، عمدہ خیال اور دقیق نظر ہو۔ اقسام علوم میں متنوع اور رسموں کے پرونے میں فائدہ گیر ہو۔ کیونکہ جس طرح شعر کا مقام علوم میں کام پڑتا ہے اسی طرح شعر میں تمام علوم کی ضرورت ہوتی ہے"۔

نعتیہ شاعری کے لئے خط کشیدہ عبارت "در انواع علوم متنوع و در اطراف رسوم مستطرف" سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے کہ اس میں اگر علمی تنوعات کا فقدان ہوگا تو لامحالہ کہیں نہ کہیں ٹھوکر لگے گی اور شعر کا قالب بجائے مدح کے ذم کا لباس پہن لے گا۔ اس لئے خصوصاً علم قرآن، علم حدیث، علم تفسیر، علم فقہ، علم کلام، علم منطق و فلسفہ پر ید

طولیٰ ہونا ضروری ہے۔ اگر شاعر ان سے معتد بہ حصہ نہیں رکھے گا تو اشعار میں تازگی و شگفتگی، لذت سوختگی اور محبت واطاعت کے جذبات کا انگیز کما حقہ نہیں ہو سکے گا بلکہ اشعار لفظوں کی مربوط شکل تو ہوں مگر شعریت سے عاری۔

پیکر تراشی پر بحث:۔ قدیم شاعری میں جیسا کہ میں نے عرض کیا پیکر تراشی کے نمونے ضرور ملتے ہیں۔ تشبیہات واستعارات کے روپ میں ان کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ مگر جدید شاعری میں یہ اصطلاح انگریزی ادب کے لفظ امیجری (IMAGERY) سے لی گئی ہے جیسا کہ خورشید احمد صدیقی کا خیال ہے کہ:

''انگریزی تنقید کے اثر سے اردو میں IMAGE (امیج) کا تصور اب غیر معروف نہیں رہا۔ اس کا ترجمہ اردو والوں نے پیکر، نقش، تمثال یا شبیہ کیا ہے۔ لیکن پیکر ہی کا چلن اب زیادہ ہو گیا ہے''۔(۷)

مگر۔ عبدالنعیم عزیزی کا خیال ہے کہ:

''اردو شاعری میں پیکر کی اصطلاح انگریزی ادب سے لی گئی ہے۔ جدید اردو شعراء کے یہاں پیکر تراشی کا رجحان زیادہ ہے اور جدید شاعری کی پیکریت میں تصویر حسن، خیال کی ندرت اور تلازموں کی فضا سے معنویت بڑھی ہے، اور اس نئی شاعری کے پیکر اپنے دور کے تہذیبی اور معاشرتی حالات کا نتیجہ ہیں''۔(۸)

پیکر تراشی کی اب تک کوئی جامع تعریف نہیں کی گئی ہے جس سے اس کا کلیۃً احاطہ کیا جا سکتا ہے البتہ ارباب نقد نے کچھ اس طرح اظہار خیال فرمایا ہے۔ خورشید احمد صدیقی رقم طراز ہیں۔

''اب تک پیکر کی کوئی ایسی تعریف نہیں پیش کی جا سکی جسے سب مانتے ہوں۔ مثال کے طور پر اکلٹن تجریدی الفاظ (مثلاً سچائی وغیرہ) میں بھی پیکر کی موجودگی تسلیم کرتے ہیں جب کہ شریبرا سے تشبیہ اور استعارے تک ہی محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسی

تشبیہوں کو جو ہمارے حواس خمسہ کو متاثر نہیں کرتیں (مثلاً اتنا پیاسا تھا میں اس دن جتنا چاہ کا مارا ہوا) پیکر کے زمرے سے خارج سمجھتے ہیں۔

ہمارے نزدیک پیکر کی آسان تعریف۔جذبہ انگیز حسیاتی لفظی تصویر ہے"(۹)

عبدالنعیم عزیزی نے پیکر کی تعریف سے متعلق مندرجہ ذیل ناقدین کی آراء جمع کی ہیں۔

ا۔"مس ڈانی (MISS DAWNEY) کا خیال ہے کہ پیکر کو محض مادی یا مادی تصویر کی حیثیت سے نہیں دیکھنا چاہئے۔جس میں ایک قسم کی حسی خصوصیت ہوتی ہے۔

۲۔مس اس پرجیون (Miss Spurgean) پیکر کی اصطلاح تشبیہ، استعارہ، اوران کے تمام مرکبات یاان جیسی چیزوں کے لئے استعمال کرتی ہیں۔

۳۔سی۔ڈے لیوس (C.Day Lewes) کا خیال ہے کہ پیکر لفظوں سے بنائی گئی تصویر ہے۔اوراس خصوصیت کی وجہ سے فوگل (Fogle) پیکر کو شاعری کے حسی عناصر قراردیتا ہے"(۱۰)

مگر پروفیسر عنوان چشتی نے پیکر کے تعلق سے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ یوں ہیں۔

"پیکر تراشی کا عمل شاعر کے تخلیقی عمل سے وابستہ ہے۔وہ مادی اشیاء حقائق اور احوال کو اپنے تخلیقی سفر کا نقطۂ آغاز بناتا ہے۔اورادراک کو جذبے، اور جذبے کو تخیل سے ہمکنار کرتا ہے۔تخیل ادراک اور جذبے کے کیف مرکب میں رنگ بھرتی ہے اوراس کوئی معنویت عطا کرتی ہے۔شاعر کی تخلیقی قوت اس کو ذہنی پیکروں میں اور علامتوں میں تبدیل کرتی ہے۔اس عمل میں شعوراور لاشعور ایک دوسرے سے اشتراک کرتے ہیں۔مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ تخلیقی عمل کے دوران شاعر کا سفر خارج سے باطن کی طرف اور پھر باطن سے خارج کی طرف ہوتا ہے۔

پہلی منزل میں شاعر ادراک، تاثیر اور کیفیات کو تجرید عطا کرتا ہے اور پھر ذہنی پیکروں کو لسانی پیکریت میں تبدیل کر کے اس تجرید کی تجسیم کرتا ہے۔ اس لئے ذہنی پیکروں اور لسانی پیکروں میں نامیاتی تعلق ہے۔ لسانی پیکر ذہنی پیکر کا خارجی روپ ہوتا ہے"۔ (۱۱)

ان خط کشیدہ تحریروں میں پیکر تراشی کے جن خدوخال کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس سے پیکریت کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔ خارج سے باطن کی طرف سفر کے دوران شاعر کی فکر تجریدی مراحل کو عبور کرتی ہے۔ جس میں مادیات کو تجریدی قالب میں ڈھال کر اس میں فنون شعری کی سرطرازیاں کی جاتی ہیں۔ پھر یہی عمل جب تجرید سے مادیات کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اس میں جاذبیت، حسن جمالیاتی عناصر اور مشمومات جیسے بیشمار پیکر ابھرتے ہیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی پیکر تراشی پر نظر ڈالتے ہوئے اس کی تعبیر ان مختصر لفظوں میں پیش کرتے ہیں۔

"شاعر کے فنی پہلو میں پیکر تراشی بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا ہیولیٰ شاعر کے ذاتی اور اجتماعی تجربات کے ہاتھوں تیار ہوتا ہے۔ (۱۲)

گویا ڈاکٹر عبادت بریلوی کے نزدیک پیکر تراشی کے لئے ذاتی اور اجتماعی تجربات کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس تناظر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ موصوف پیکر تراشی کو ذاتی آہنگ تک مقید رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر چہ اس کے داخلی اور خارجی احساسات وسیع تر ہوں۔ تاہم رنگ و جمال کے تار و پود یا تصورات سے محسوس ہیولیٰ جات اس وقت تک وجود پذیر نہیں ہوسکتے جب تک شاعر کا ذاتی تجربہ اس میں ماہیت بن کر شامل نہ ہو۔

مذکورہ بالا بیانات میں پیکر کی جو آئینہ بندی کی گئی ہے ان میں حس کو محور قرار دیا گیا ہے۔ مگر تمثال یا پیکر کا صرف حسی ہونا کوئی ضروری نہیں بلکہ ذہنی بھی ہوسکتا ہے۔ ابن فرید کا خیال ہے کہ:

''تمثال کے بارے میں ایلیٹ (Eliot) اور ایزرا پاونڈ (Ezrapound) وغیرہ نے اس امر پر زور دیا ہے کہ یہ صرف حسی نہیں ذہنی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن نہ صرف یہ لوگ بلکہ ٹوئی (Tuve) اور کرموڈ (Kermod) بھی جب تفصیل میں جاتے ہیں تو ان کی ذہنی تماثلیں حسی تمثال تک ہی محدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس لئے تمثال کو حواس خمسہ سے غیر متعلق کرنا اسے اس کے فطری حسن سے محروم کر دینا ہے اور یہ کسی طرح ممکن بھی نہیں ہوتا''۔ (۱۳)

ان تمام بحثوں کا مدار پیکریت کے اس خدوخال کو اجاگر کرتا ہے جس کا محور حس ہے اگرچہ اس میں ذہنی احساسات اور ذاتی و خارجی ادراکات و تجربات کو داخل کر لیا گیا ہے مگر تعریف کی فصل ممیّز اس کو نہیں بنایا جا سکتا۔ بلکہ پیکریت کا مفہوم اخذ کرنے کے لئے فن کی اصطلاحات کا سہارا بھی لینا پڑتا ہے جن کو تعریف کی جنس قربت کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً استعارہ، کنایہ، تشبیہ، علامت، اسم، فعل وصفت وغیرہ جیسا کہ خورشید احمد صدیقی کا خیال ہے:

''پیکر کی تخلیق استعارہ، کنایہ، تشبیہ، علامت اسم فعل، صفت وغیرہ سے ہوتی ہے۔ ان میں استعارات وتشبیہات، کنایات اور افعال پیکر سازی کے بہترین وسائل ہیں۔ (۱۴)

پیکریت کی تقسیم:۔ پیکر کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں (۱) بسیط پیکر (۲) مخلوط پیکر

بسیط پیکر:۔ کسی بھی حقیقت کو تخیل کے ذریعہ بے پناہ وسعت مل جائے۔ اس سے متعلق اس سے جو پیکر ابھرے گا وہ بسیط پیکر ہوگا۔ یا کسی ماہیت کو قوت متخیلہ کے ذریعہ منفرد حس کا لباس پہنایا جائے۔

مخلوط پیکر:۔ جب کئی پیکر ایسے ہوں جو مختلف حواس سے متعلق ہوں اور سب

مل کرایک پیکر کھڑا کریں تو وہ مخلوط پیکر ہوگا۔

پھر بسیط پیکر کی حواس خمسہ کے اعتبار سے پانچ قسمیں ہوتی ہیں۔

(۱) **بصری پیکر** :۔ جس کا تعلق قوت باصرہ سے ہوتا ہے کہ قوت متخیلہ حالات و واقعات، رنگ و حرکت سے پیکر بنائے۔

(۲) **لمسی پیکر** :۔ جو قوت لامسہ پر موقوف ہو کہ کسی شئے کو چھونے یا سردی و گرمی سے قوت خیالیہ اس کو اخذ کرے۔

(۳) **مذوقی پیکر** :۔ جو قوت ذائقہ کو متاثر کریں کہ قوت خیالیہ چکھنے سے اس کو حاصل کرے۔

(۴) **مشامی پیکر** :۔ جو قوت شامہ سے متعلق ہو کہ کسی خوشبو یا اس کے لوازمات سے قوت متخیلہ مشام کو متاثر کرے۔

(۵) **سماعی پیکر** :۔ جس کا تعلق قوت سامعہ سے ہے یعنی کسی صوتی حسن و آہنگ یا حالات و واقعات سے قوت سامعہ متاثر ہو۔ اس مذکورہ تمہید کے بعد اب میں آپ کی توجہ نوری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی شاعری میں پیکر تراشی کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ مگر شعری نقد سے پہلے شاعر کی ذاتی زندگی کا جاننا ناگزیر ہے۔ تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ جس کی شاعری پر بحث کی جا رہی ہے اس کی زندگی کا معیار کیا تھا:

حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ:۔ جب بھی کسی شخص کی شاعری اور اس کی فکری کاوش کا جائزہ لینا ہو تو یہ امر ضروری ہوتا ہے کہ اس کے گرد و پیش پائے جانے والے اس ماحول کو دیکھا جائے جس میں اس کی جولانی طبع افکار کی موتی (؟) نارہی ہے۔ کیونکہ ماحول کا شعر پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ شاعر جب اپنے گرد و پیش سے متاثر ہوتا ہے تو اس کے کلام میں سوز و شگفتگی دونوں ایک ساتھ جنم لیتی ہیں۔ اس تناظر میں حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ کے تاریخی پس منظر کا خاکہ سجانا بھی از بسکہ ضروری ہے۔

حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ نے ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/۷ جولائی ۱۸۹۳ء کو بروز جمعہ اس خاکدان گیتی میں آنکھ کھولی۔ (۱۵) ۱۳۲۸ء میں تعلیم مکمل فرمائی۔ یہ وہ دور تھا جس میں ہندوستان کے اندر اسلامی قدروں کا استحصال ہو رہا تھا ایک طرف انگریز سامراج تھا اور دوسری طرف ہندوتوا کا سازشی جال بچھایا جارہا تھا۔ پھر ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ/۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء کو آپ نے رحلت فرمائی۔

(۱۷) اس ۹۲ سال یا ۸۸ برس کا جو ماحول ہندستان کی تاریخ میں گذرا وہ کوئی ایسا نہ تھا جس میں گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر ضرب کلیمی کا شغف رکھا گیا ہوتا۔ بلکہ ہر محاذ پر سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا جارہا تھا۔ پورے ہندوستان میں زہریلی ہوائیں چل رہی تھیں اور ہر طرف ماتم پُرشور کا عالم تھا۔ قتل و غارت گری، شعائر اسلام کی پامالی، شدھی تحریک کا زور، بساط سیاست پر کانگریسی ملاؤں کی ترک تازیاں مسلمانوں کا احساس محرومی کیا کچھ نہ تھا۔ ایسے ماحول میں حضرت نوری علیہ الرحمہ کی ذمہ داریاں یک گوناں نہیں بلکہ گوناگوں تھیں۔ ادارہ کا اہتمام، فتویٰ نویسی، رشد و ہدایت، مناظرہ و مباحثہ، سیاست سے پنجہ آزمائی، شدھی تحریک کا انسداد، مسلمانوں کی دل جوئی، شعائر اسلامی کا تحفظ اور ناموس رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت کیا کیا نہ تھا سب کچھ کرنا تھا۔ دل میں شعائر اسلامی کے مٹائے جانے پر لاوا پکتا رہتا۔ گویا زندگی کا لمحہ لمحہ شدید ترین مصروفیت کی نذر ہو گیا تھا۔ بقول مولانا سید شاہد علی رضوی:

''حضرت مفتی اعظم قدس سرہ دارالافتاء کے اہتمام اور کار فتویٰ کی زیادتی کے سبب صرف مخصوص طلبہ کو پڑھاتے تھے۔'' (۱۸)

پھر کچھ دور آگے رقم طراز ہیں:۔

''امام احمد رضا خاں قدس سرہ کے وصال کے بعد رضوی دارالافتاء میں آنے والے ہزار ہا مسائل لکھنے والے صرف دو تھے۔ ایک حضرت مفتی اعظم دوسرے حضرت صدر

الشریعہ۔ حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ اگرچہ حضرت مفتی اعظم کے استاد تھے۔ خود زبردست مفتی تھے مگر مسائل ان دونوں حضرات کے یہاں ارسال فرما دیتے۔ بہت کم اتفاق ہوتا کہ خود کوئی فتویٰ تحریر فرماتے۔ اور جب حضرت صدر الشریعہ اجمیر شریف چلے گئے تو تنہا مفتی اعظم رضوی دار الافتاء میں آنے والے تمام مسائل کو لکھا کرتے"۔ (۱۹)

ان تمام مصروفیات کے باوجود شعری نازک خیالیاں، مشق سخن کی جولانیت کو بھلا کب راہ ملتی۔ مگر سوز عشق کی جلوہ سامانیاں قلب عاشق پر ابھرنے والے زریں نقوش کو صفحۂ قرطاس پر اتارتی رہتیں اور یوں ہزاروں مصروفیت کے رہتے ہوئے بھی مشق سخن جاری رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نوری کی شاعری میں خارجی اثرات کے جذباتی احساسات سوز دروں بن کر داخل کو مزید رنگ آمیز کر رہے تھے۔ بات صرف سخن سنجی کی نہ تھی بلکہ سلام کے تحفظ اور ناموس رسالت کی عصمت کی تھی۔ پھر کیا تھا اشعار کے قالب میں دود عشق کی گرمی اتر آئی۔

نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی:۔ جس طرح پیکر تراشی اصناف سخن کے لحاظ سے قدیم ہے۔ اسی طرح نعت میں اس کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ اگرچہ قدیم شاعری بیشتر سادہ، سپاٹ اور طبعی ہوتی تھی مگر کہیں کہیں پیکریت کی ایسی تابناک مثالیں ملتی ہیں جس سے وجدان میں سرور پیدا ہو جاتا ہے۔ بارگاہ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے محبوب ترین شاعر حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ (متوفی ۵۴ھ ۶۷۴ء) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں رطب اللسان ہیں۔ شعر دیکھئے۔۔۔

فامسیٰ سراجاً مستنیراً وھادیاً

یلوح کما لاح الصقیل المھنّد (۲۰)

ترجمہ:۔ "تو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ایک روشن چراغ ہیں۔ اور ہدایت فرمانے والے۔ اس طرح چمک رہے ہیں جیسے صیقل کی ہوئی ہندوستانی تلوار"

اس میں دو طرح کے پیکر آتشیں اور نوری تراشے گئے ہیں۔ روشن چراغ ہونا، صیقل شدہ تلواروں کی طرح چمکنا، پیکر تراشی کی جاذب اور دلکش مثالیں ہیں۔

خواجہ الطاف حسین حالیؔ کا خیال ہے کہ بعض وہ الفاظ جو نعتیہ شاعری کے لئے غیر مناسب تھے جب قدیم شعراء نے ان کو اس پاکیزہ سرزمین پر اتارا تو اس کے حقیقی معنیٰ کے غیر منطبق ہونے کی وجہ سے مجازی معنیٰ میں ڈھال دیا گیا یا پھر اس سے دوسرے معنیٰ کا استعارہ کیا گیا۔ ان کی اپنی زبان ہیں:۔

''اگلوں نے عشق الٰہی یا محبت روحانی کو جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ ہوسکتی ہے مجازاً شراب کے نشہ سے تعبیر کیا تھا اور اس مناسبت سے جام و صراحی، خم و پیمانہ اور ساقی و مے فروش وغیرہ کے الفاظ بطور استعارہ استعمال کئے تھے(۲۱)

گویا نعتیہ شاعری میں پیکر تراشی کے لئے انہیں عناصر کو بروئے کار لایا گیا جو شاعری کی دیگر صنفوں میں پائے جاتے تھے۔ فرق یہ کیا گیا کہ ان کو مفہوم کی طہارت و نظافت عطا کی گئی جس سے ان کا قالب عطر بیز و گوہر ریز ہوگیا۔

نعتیہ شاعری میں پیکریت کے جو تصورات ابھرتے ہیں وہ دیگر اصناف سخن سے ذرا الگ تھلگ ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہاں فقط زبان کے چٹخارے، لفظوں کی بندش، صوتی آہنگ، تشبیہات کی ندرت، استعاروں کی چاشنی اور بحروں کی موزونیت نیز افاعیل کی موسیقی ہی کافی نہیں بلکہ تقاضائے ادب سب سے ضروری اور اوّلین مرحلہ ہوتا ہے۔ اس لئے شاعر کا علمی مطالعہ، فکر کی گیرائی و گہرائی، عشق رسول کی تڑپ جس قدر زیادہ ہوگی شعر کا معیار اور اس کے داخلی اثرات اسی قدر زیادہ ہوں گے۔ یہاں مبالغہ کی وہ جملہ اقسام قلمزد کردی جاتی ہیں جن کا خارجی مصداق یا خود شاعر کا داخلی مصداق غیر منطبق ہوگا۔ پہلی صورت یعنی خارجی مصداق میں اگر شاعر نے اغراق و غلو سے کام لیا تو دامن عصمت پر دھول پڑنے کا خطرہ ہے اور دوسری صورت میں یعنی داخلی مصداق میں اگر شاعر نے بارگاہ

رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ایسی کوئی واردات قلبی پیش کی جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو تو وہ کذب محض ہوگا جس سے شاعر کی ذات غیر معتبر اور مخطی ہو جائے گی جبکہ یہ دونوں باتیں اس بارگاہ میں ناروا ہیں۔

نعتیہ شاعری کے زیر و بم میں قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر اور تصوف کی وہ چاشنی پنہاں ہوتی ہے جسے کلام دو آتشہ بنتا ہے۔ اگر صرف لفظوں کے گل بوٹے سجانے کی بات ہوتی اور مفہوم کی داخلی صیانت ملحوظ نہ رکھی جاتی تو حضرت حسانؓ، جامیؔ وسعدیؔ اور رضا و حسنؔ علیہم الرحمتہ کے کلام کو کسی بھی عام شاعر کے کلام کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا تھا۔ بقول شخصے:۔

"جو شعر برائے شعر کہتے ہیں، جو اپنے آرائش طرز بیان سے اپنے ممدوح کو سنوارتے ہیں جو شعر کی موزونیت سے زیادہ اس کی ادبیت اور عروض وقوافی کے حسن پر نظر رکھنے کے عادی ہیں، جن کی شاعری کوئی عبادت نہیں بلکہ ادب کا شاہکار اور ذریعہ شہرت ہے وہ فن شعر گوئی کے مسلم الثبوت استاد ہوتے ہوئے بھی نعت گوئی کی دنیا میں قدم رکھتے ہوئے لرزتے ہیں۔ میں کسی کا نام نہیں لینا چاہتا مگر ہر شاعر کے پاس اس کی شاعری کا اعمال نامہ موجود ہے اگر وہ خود تلاش کریں تو اپنے پاس نعت کا سرمایہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ میں رئیس المتغزلین کو رئیس المتغزلین ہی مانتا ہوں۔ میں استاذ الشعراء کو استاذ الشعراء ہی جانتا ہوں میں اردو ادب کے شاہکار والوں کو شاہکار والا ہی سمجھتا ہوں۔ مگر کیا یہ غلط ہے؟ کہ جس ایوان میں حسنؔ بریلوی عزت و وقار کے ساتھ باریاب ہیں وہاں ان کے استاد محترم اور شعر گوئی کے مسلم و مشہور استاد حضرت داغؔ دروازہ کے باہر کھڑے ہیں۔ امیر صاحب جہاں مسند لگائے ہیں ان کے استاد وہاں کھڑے ہیں۔ محسنؔ کاکوروی جہاں ممبر پر بیٹھے ہیں ان کے استاد معظم اشک وغیرہ نمونہ رشک نظر آتے ہیں (۲۲)۔

نعتیہ شاعری میں شعر کی اہمیت کے باوجود منصب ذات رسالت کا احترام ماہیت کا

درجہ رکھتا ہے۔ اسی لئے اس میں طبع آزمائی تلوار کی دھار پر چلنے کے برابر ہے۔ اس میں تائید خداوندی کے ساتھ ہمت پرواز کا جذبہ مستانہ بھی ہونا چاہئے۔ ڈاکٹر ابواللیث کا خیال ہے کہ:

''نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔ پرواز سے پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ فضا سازگار بھی ملے گی یا نہیں؟ اگر ہمت پرواز مشکل مقام پر پہونچا دے تو بھی اڑنے والے کا یہ کمال ہونا چاہئے کہ وہ اور کامیابی سے وہاں سے گذر جائے''(۲۳)

جب ہم اس تناظر میں حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ آپ کی شاعری نہ صرف مفہوم کے تعق کی متحمل ہے بلکہ شکوہ الفاظ، ترکیبوں کی چستی، تشبیہ، واستعارات کا طمطراق اور غرابت معنیٰ کا ایک بحر ذخار موجزن ملتا ہے۔ سید اسماعیل رضا ذبیح ترمذی نے نعتیہ شاعری کے انہیں اوصاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اہل فن لکھتے ہیں کہ کسی شاعر نعت گو و نعت نگار کا قلم معنی آفرینی کے ساتھ شکوہ الفاظ، بیساختگی اور بندشوں کی چستی سے عہد برآ ہوجائے تو واقعی یہ اس کا کمال شاہی ہے''(۱۴)

کلام نوری میں پیکر تراشی:۔ اب آیئے حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ کی شاعری میں پیکر تراشی کا جائزہ لیا جائے اور پیکر تراشی کے حسین امتزاج کی منھ بولتی تصویر کا مشاہدہ کیا جائے۔

بصری پیکر:۔ بصری پیکر جس میں محاکات کو عمل میں لایا گیا ہے۔ حسب ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دنیا ہے اور اپنا مطلب بے غرض مطلب کوئی

آشنا ملتا نہیں نا آشنا ملتا نہیں

ان کو دیکھا تو گیا بھول میں غم کی صورت
یاد بھی اب نہیں رنج و الم کی صورت

بھیک اپنے مرہم دیدار کی کردو عطا
چاہئے کچھ منھ بھی کرنا زخم دامن دار کا

ہیں صفات حق کے نوری آئینے سارے نبی
ذات حق کا آئینہ مہر عجم ماہ عرب

ذرّہ ذرّہ سے عیاں ہے ایسا ظاہر ہو کے بھی
قطرے قطرے میں نہاں ہے برملا ملتا نہیں

دل گیا اچھا ہوا اس کا نہیں غم، غم ہے یہ
لے گیا پہلو سے جو وہ دلربا ملتا نہیں

کھلے ہیں دیدۂ عشاق قبر میں یوں ہی
ہے انتظار کسی کا ضرور آنکھوں میں

ایک دل کہ مہہ و مہر انجم و نرگس
ہے سب کی آرزو رکھیں حضور آنکھوں میں

نظر نہ آیا قرار دل حزیں اب تک
نگاہ رہتی ہے یوں بیقرار آنکھوں میں

کون کہتا ہے آنکھیں چرا کے چلے
کب کسی سے نگاہیں بچا کر چلے

مذکورہ بالا اشعار میں۔ دنیا کی غرض برآری میں آشنا و نا آشنا کا نہ ملنا، محبوب کو دیکھ کر غم اور رنج والم کی صورت کا بھول جانا، مرہم دیدار کی بھیک سے زخم دامن دار کا منھ کرنا، انبیاء کا صاف حق کا نوری آئینہ ہونا اور مہر عجم ماہ عرب کا ذات حق کا آئینہ ہونا، ذرہ ذرہ سے عیاں ہو کر بھی برملا نہ ملنا، دل چلا جانا پھر دلربا کا نہ ملنا، قبر میں دیدۂ عشاق کا کسی کے انتظار میں کھلنا، مہر و انجم و نرگس کا حضور کی آنکھوں میں رکھے جانے کے آرزو کرنا، نگاہوں کا آنکھوں میں بیقرار رہنا، آنکھیں بچا کر و چرا کر چلنا۔ یہ سب وہ بصری پیکر ہیں جن کو حضرت نوری بریلوی نے اپنے داخلی جذبات سے متکیف ہو کر تراشا ہے۔ کیونکہ نعت میں عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے داخلی محرکات ہی سے تجربات و مشاہدات کو جلا ملتی ہے اور پیکریت کے محاسن جنم لیتے ہیں۔ رنج والم کی صورت کا حسی و بصری پیکر، زخم دامن دار کا مرہم دیدار کے لئے منھ کرنا، مہر و ماہ کا ذات حق کا آئینہ ہونا، دیدۂ عشاق کا انتظار میں کھلا رہنا۔ نگاہ کا آنکھوں میں بیقرار رہنا یہ سارے کے سارے بصری پیکر کی جیتی جاگتی

تصویریں ہیں۔ جہاں بصری پیکر اپنی پوری عشوہ طرازیوں کے ساتھ موجود ہیں۔

لمسی پیکر

فق ہو چہرہ مہر و مہ کا ایسے منہ کے سامنے
جس کو قسمت سے ملے بوسہ تیری پیزار کا

چاک تقدیر کو کیا سوزن تدبیر سیئے
لاکھ وہ بخیہ کرے چاک گریباں ہوگا

کاسہ لیسی سے ترے دربار کی مہتاب بھی
کیسا منور ہوگیا ماہ نجم مہر عرب

یوں بھیک لیتا ہے دو وقتہ آسماں انور کی
صبح و مسا ہے جبہ سا ماہ نجم مہر عرب

اس جبہ سائی کے سبب شب کو اسی سرکار نے
انعام میں ٹیکہ دیا ، ماہ نجم مہر عرب

موم ہے ان کے قدم کیلئے دل پتھر کا
سنگ نے دل میں رکھی ان کے قدم کی صورت

ہے رگ گردن سے اقرب نفس کے اندر ہے وہ
یوں گلے سے مل کے بھی ہے وہ جدا ملتا نہیں

یہ آج کا ہے کی شادی ہے عرش کیوں جھوما
لب زمیں کو لب آسماں نے کیوں چوما

ذرا سا بھی نہیں سایہ کہیں پر
عرق اتنا بہا دریا بہا ہے

جان کونین کے پیزار کے بوسہ پر چومنے والے کا منہ دیکھ کر مہر و مہ کا چہرہ فق ہونا ، چاک تقدیر کو سوزن تدبیر سے سینا پھر چاک گریباں ہونا ، در اقدس کی کاسہ لیسی سے مہتاب کا منور ہونا ، آستاں پر جبہ سائی ، آسمان کا صبح و مسا انوار کی بھیک لینا ، آسمان کو در اقدس سے چاند کا ٹیکہ دیا جانا ، پتھر کا ان کے قدم کی صورت کو دل میں رکھنا ، رگ گردن سے قریب اور نفس میں رہ کر گلے سے ملنا ، شادی میں لب آسمان کا زمین کے لب کو چومنا ، عرق کا دریا بن کر بہنا ان اشعار میں لمسی پیکریت کو قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ ان میں کا ہر شعر کسی لمسی کیفیت کا حسی تصور پیش کرتا ہے۔ جہاں شاعر تشبیہ و استعارہ اور کنایہ سے لمسی پیکر تراش رہا ہے۔ ان کلمات پر غور کیجئے ، بوسہ لینا ، سینا ، کاسہ لیسی ، جبہ سائی ، ٹیکہ دینا ، دل میں صورت رکھنا ، گلے سے ملنا ، لب چومنا ، لمس کی جملہ لذاتی کیفیت کو اجاگر کرتے ہیں جس سے نعت کا بانکپن دوبالا ہو رہا ہے۔

مذوقی پیکر

آبلوں کے سب کٹورے آہ خالی ہو گئے
منہ ابھی تر بھی نہ ہونے پایا تھا ہر خار کا

نہ کیسے یہ گل و غنچہ ہوں خوار آنکھوں میں
بسے ہوئے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں

جو ساقیِ کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے
ہر دل بنے میخانہ ہر آنکھ ہو پیمانہ

نظر میں کیسے سمائیں گے پھول جنت کے
کہ بس چکے ہیں مدینے کے خار آنکھوں میں

آبلے پاؤں میں پڑ جائیں جو چلتے چلتے
راہ طیبہ میں چلوں سر سے قدم کی صورت

دل دشمن کے لئے تیغ دو پیکر ہے سخن
چشم حاسد کو مرا شعر نمکداں ہوگا

بھیک اپنے مرہم دیدار کی کردو عطا
چاہیے کچھ منہ بھی ہونا زخم دامن دار کا

بجھے گی شربت دیدار ہی سے تشنگی اپنی
تمہاری دید کا پیاسا ہوں یوں پیاسا ہوں کوثر کا

آبلوں کے کٹوروں کا خالی ہونا، خار کا منہ تر نہ ہو پانا، مدینہ کے خار کا آنکھوں میں بسنا، دل کا میخانہ اور آنکھوں کا پیمانہ بننا، پاؤں میں آبلے پڑنے پر راہ طیبہ میں سر کے بل چلنا، چشم حاسد کے لئے شعر کا نمکدان ہونا، زخم دامن دار کا منہ کرنا، شربت دیدار سے تشنگی بجھانا، ان جملہ اشعار میں مذوقی پیکر کے وہ تمام احساسات موجود ہیں جو ذائقہ کی حس سے متعلق ہوتے ہیں۔ یہ شاعری کا فنی کمال ہے کہ ان میں جن علامتوں کو برتا گیا ہے ان سے وجدان میں ایک خاص لذت ذائقہ ابھرتی ہے۔ جو کہیں نمکدانی و شربت دیدار، کہیں دل کے میخانہ اور آنکھ کے پیمانہ بننے اور کہیں آبلوں کی کسک کے پیکر میں جلوہ گر ہیں۔ مگر ان اشعار میں نعت کا اسلوب اپنی پوری آہنگ کے ساتھ سبک خرام ہے۔ قدم قدم پر مذاق فن کی تہہ داری دلوں میں لذت ذائقہ پیدا کرتی ہے۔ جہاں نہ تو قوت ذائقہ کی تلخیاں ہیں اور نہ ہی سقم کی بے کیفی و بے لذتی۔

مشامی پیکر

کوچۂ دل کو بسا جاتی مہک سے تیری　　کام اتنا بھی مجھے باد صبا نے نہ دیا
خاک طیبہ سے اگر کوئی نکھارے گیسو　　سنبل خلد تو کیا حور بھی ہارے گیسو
عنبرستاں بنے محشر کا وہ میداں سارا　　کھول دے ساقی اگر حوض کنارے گیسو
کیوں زلف معنبر سے کوچے نہ مہک اٹھیں　　ہے پنجہ قدرت جب زلفوں کا تری شانہ
جس گلی سے تو گذرتا ہے مرے جان جناں　　ذرہ ذرہ تری خوشبو سے بسا جاتا ہے

ان تمام اشعار میں مشامی پیکر کی جن تہوں کو عشق کی خوشبو سے عطر بیز کیا گیا وہ نعت کا جوہر کہے جا سکتے ہیں۔ کوچۂ دل کا مہک سے بسنا، خاک طیبہ سے گیسو کا نکھارنا پھر اس پر سنبل اور حور کا اپنے گیسو کا ہارنا، حوض کے کنارے گیسو کھل جانے پر محشر کا عنبرستان بن جانا، بادہ وساقی، لب جو اور ابر میں ساقی کا گیسو کھولنا، زلف معنبر سے کوچوں کا مہک اٹھنا، پنجۂ قدرت کا زلف اقدس کو شانہ کرنا، گلی سے گذرنے پر ذرہ ذرہ کا خوشبو سے بس جانا، مشامی پیکر کی جس تمثالی کیفیت کو واضح کرتے ہیں وہ قوت شامہ کے لئے پیکریت کی دلکش اور نادر مثالیں ہیں جن میں گہری معنویت کے ساتھ ایک مانوس فضا بھی پائی جاتی ہے جہاں مشامی پیکر کے علائم کلی طور پر موجود ہیں۔ یہاں عشق رسول کی وہ سوختگی جلوہ فرما ہے جو کسی عاشق مہجور کے ہر اعضائے بدن کو قوت شامہ عطا کرتی ہے۔

سماعی پیکر

انھیں کی نعت کے نغمے زبور سے سن لو　　زبان قرآں پہ ان کے ترانے آئے ہیں
جن کے دعوے تھے ہم ہی ہیں اہل زباں　　سن کے قرآں زبانیں دبا کر چلے

نغمہ سنجان گلشن میں چرچا ترا چھچے ذکر حق کے ہیں صبح و مسا
اپنی اپنی چہک اپنی اپنی صدا سب کا مطلب ہے، واحد کہ واحد ہے تو
اللہ، اللہ، اللہ، اللہ

بلبل خوشنوا طوطی خوش گلو زمزمہ خواں ہیں گاتے ہیں نغمات ہُو

قمری خوش لقا بولی حق سرۂ فاختہ خوش نوا نے کہا دوست تو

اللہ، اللہ، اللہ، اللہ

پڑھوں مطلع نوری ثنائے مہر انور کا ہو جس سے قلب روشن جیسے مطلع مہر محشر کا

سماعی پیکر کے مذکورہ بالا اشعار میں نعت کے نغمے زبور سے سننا، زبان قرآن پر محبوب کے ترانے آنا، قرآن سن سن کر زبانیں دبا کر چلنا، ثنائے مہر انور کا مطلع نوری پڑھنا، ذکر حق کے صبح و مسا چیچے ہونا، نغمہ سنجان گلشن کا چرچا کرنا، بلبل خوشنوا اور طوطی خوش گلو کا نغمات گانا، قمری اور فاختہ کا بولنا، یہ سماعی پیکر کی مثالیں ہیں جن میں استعارہ و کنایہ سے سماعی پیکر تراشے گئے ہیں۔ گویا اپنی معنویت کے لحاظ سے ان پیکروں میں سماعی حس کی اٹھان شباب پر ہے۔ اور پورا نظام سماع حسی جولانی سے ہمکنار نظر آتا ہے۔ یہ سماعی پیکر کی جاذب اور دلکش تصویریں ہیں۔

مخلوط پیکر:۔ ان بسیط پیکروں کی بحث کے بعد مخلوط پیکر کی چند مثالیں ناگزیر ہیں۔ چونکہ مقسم میں پیکر کی جس تقسیم سے بحث کی گئی ہے اس میں مخلوط پیکر کے خاکہ کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ مخلوط پیکر دراصل بسیط پیکروں کے مرکب سے بنتا ہے کہ اس کی ترکیب کبھی دو دو کبھی تین تین اور کبھی کبھار کئی کئی بسیط پیکروں سے ہوتی ہے۔

اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دیکھ مت دیکھ مجھے گرم نظر سے خاور شوخیٔ چشم سے تو آپ پریشاں ہوگا

تم اگر چاہو تو اک چیں بہ جبیں سے اپنی کردو اعدا کو قلم شاخ قلم کی صورت

سر پر بادل کالے کالے دو دعصیاں کے ہیں چھالے دم گھٹتا ہے میرے مولیٰ صلی اللہ علیک وسلم

شب کو شبنم کے مانند رویا کئے صورت گل وہ ہم کو ہنسا کر چلے

نگاہ مہر جو اس مہر کی ادھر ہو جائے گنہ کے داغ مٹیں دل مرا قمر ہو جائے

پہلے شعر میں بصری پیکر، آتشیں پیکر اور جمالیاتی پیکر کو اجاگر کیا گیا ہے۔ دوسرے

شعر میں حسی پیکر، حرکی پیکر اور بصری پیکر کو پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے شعر میں لونی، آتشین اور مذوقی پیکر ہے۔ چوتھے شعر میں سیال، جمالیاتی، اور سماع پیکر ہے۔ پانچویں شعر میں بصری، نوری، لمسی اور جمالیاتی پیکر ہیں۔

بے مثل پیکر:۔ نعتیہ شاعری میں پیکریت کا دائرۂ فکر کچھ اس قدر وسیع ہے جو دیگر اصناف سخن میں کم پایا جاتا ہے۔ مادی، بسیط، مخلوط اور آتشیں پیکر کی مثالیں تو بہت ساری اصناف سخن میں ملتی ہیں مگر بے مثل پیکریت یہ صرف نعت کا خاصہ ہے۔ کیونکہ علاقۂ تشبیہ یا استعارہ سے جب بھی کسی علامت یا تمثال کے تصورات ابھریں گے تو فوراً طرفین کے درمیان ایک نسبت قدر مشترک بن کر پیکریت کا خاکہ تیار کرے گی۔ مگر نعت میں ایک ایسی منزل بھی ہے جہاں مشبہ کے لئے مشبہ بہ کا کوئی فرد ہزار تتبع وتلاش کے باوجود بھی نہیں مل سکے گا۔ اس وقت پیکریت ایک ممتنع النظیر تمثال کے سانچے میں ڈھلی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اس کی ایک تازہ مثال کلام الامام امام الکلام حضرت رضا بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ، ۱۹۲۱ء) کے کلام سے ملاحظہ فرمائیں جو پوری طرح بے مثل پیکریت پر مبنی ہے۔

رُخ دن ہے یا مہر سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں — شب زلف یا مشک ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
خورشید تھا کس زور پر کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر — بے پردہ جب وہ رخ ہوا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ان محولہ بالا اشعار میں پیکریت کے تمثال وتصورات کی نفی کردی گئی ہے۔ جس سے بے مثل پیکر ابھرتا چلا آرہا ہے۔ اب حضرت نوری بریلوی کے ان اشعار کو دیکھئے کہ بے مثل پیکریت کی رنگ آفرینی سے فن نعت کے کتنے گل بوٹے سجائے گئے ہیں۔

محال عقل ہے تیرا مماثل اے مرے سرور — تو ہم کر نہیں سکتا ہے عاقل تیرے ہمسر کا
مثل ممکن ہی نہیں ہے تیرا اے لاثانی — وہم نے بھی تو ترا مثل سمانے نہ دیا
آپ کا مثل شہا کیسے نظر میں آئے — کس نے دیکھی ہے بھلا اہل عدم کی صورت
دو جہاں میں کوئی تم سا دوسرا ملتا نہیں — ڈھونڈتے پھرتے ہیں مہر و مہ پتا ملتا نہیں

نظر نظیر نہ آیا نظر کو کوئی کہیں
بچے نہ غلماں نظر میں نہ حور آنکھوں میں

جس کا ثانی ہوا، اور نہ ہے اور نہ ہو
وہ عطا کر چلے وہ سخا کر چلے

نہ ہے تم سا نہ کوئی ہوگا آگے
نہ اے آقا کوئی تم سا ہوا ہے

یہ کیا میں نے کہا مثل سما تم ہو معاذ اللہ
منزہ مثل سے برتر زہر وہم وگماں تم ہو

عقلاً مماثل کا محال ہونا، ہمسری کا تو ہم نہ کرسکنا، ایسا ثانی کہ وہم میں اس کا مثل نہ سمانا، اہل عدم کی صورت نہ دیکھنا، مہر وانجم کے ڈھونڈنے پر بھی دوسرا نہ ملنا، نظر کو نظیر کا نظر نہ آنا، ماضی وحال ومستقبل میں ثانی نہ ہونا، وہم وگمان میں بھی مثل سے منزہ و برتر ہوتا۔ یہ بے مثل پیکریت کے ایسے تصورات ہیں جن سے ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بے نظیر پیکرا ابھرتا ہے۔ اگرچہ اس میں بے مثل پیکریت کے جس اسلوب کو مدنظر رکھا گیا ہے وہ بہت سادہ ہیں تاہم فن نعت کا یہی سب سے بڑا کمال ہے کہ اس میں عصمت رسول کو اس انداز میں پیش کیا جائے کہ دامن اقدس پر تنقیص کی گرد بھی نہ پڑ سکے۔ جہاں سے حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ بہت اہتمام سے گذر گئے ہیں۔

نوری پیکر:۔ نوری پیکر بھی صنعت نعت کی ایک اہم پیکری علامت ہے جس میں تشبیہات کے ان تنزیہی تصورات کو اجاگر کیا جاتا ہے جو ممدوح کی ذات کے تناظر میں نورانی کوائف کا ماحصل لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہیکہ نعت کے تقدیسی ماحول میں نوری پیکر کی فراوانی ہوتی ہے۔

اشعار دیکھئے۔۔۔

بنا عرش بریں مسند کف پائے منور کا
خدا ہی جانتا ہے مرتبہ سرکار کے سر کا

مٹے ظلمت جہاں کی نور کا تڑکا ہو عالم میں
نقاب روئے انور اے مرے خورشید اب سرکا

وصف کیا لکھے کوئی اس مہبط انوار کا
مہر و مہ میں جلوہ ہے جس چاند سے رخسار کا

حسن کی بے پردگی پردہ ہے آنکھوں کیلئے
خود تجلی آپ ہی پردہ ہے روئے یار کا

ہر شئے میں جلوہ تیرا تجھ سے روشن دین و دنیا
بانٹا تو نے نور کا باڑا صلی اللہ علیک وسلم

وہ آئیں تیرگی ہو دور میرے گھر بھر کی
شب فراق کی یارب کبھی سحر ہو جائے

نصیب تیرا چمک اٹھا دیکھ تو نوری
عرب کے چاند لحد کے سرہانے آئے ہیں

یہ سر طور سے گرتے ہیں شرارے نوری
روئے پر نور پہ یا وارے ہیں تارے گیسو

عرش بریں کا کف پائے منور کا مسند بننا، نقاب روئے انور سے عالم میں نور کا تڑکا ہونا، مہر و مہ میں چاند سے رخسار کا جلوہ ہونا، حسن کی بے پردگی اور تجلی کا آنکھوں کے لئے پردہ ہونا، نور کا باڑہ ہونا، شب فراق کا سحر ہونا، عرب کے چاند کا لحد کے سرہانے آنا، روئے انور پہ سر طور شرارے کا گرنا یا تارے گیسو کا وارنا، ان تمام اشعار میں نوری پیکریت کے لطیف تمثالی تصورات جگمگا رہے ہیں۔ جس سے نعت کا کیف دوبالا ہو جا رہا ہے۔

اب آیئے کچھ گفتگو جمالیاتی، آتشین اور لونی پیکر پر ہو جائے۔ اگرچہ یہ سارے پیکر نوری پیکر کا ملازمہ کہے جا سکتے ہیں۔ مگر قدرے فرق کی وجہ سے ان کو الگ بیان کرنے کی ضرورت پڑی۔ چونکہ کلام نوری بریلوی میں یہ سارے علائم موجود ہیں۔

جمالیاتی پیکر:۔ اس میں نوری پیکر بھی شامل ہوتا ہے۔ مگر لونی پیکر میں ایک خاص رنگت کا استدراک پہلو متصور ہوتا ہے اس لئے محاکات میں لون کو جمال نہیں قیاس کیا جا سکتا۔ کیونکہ جمالیاتی پیکر میں بہ نسبت اس کے وسعت نمایاں ہوتی ہے اور اس کا دائرہ حسن لونی پیکر سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ برخلاف لونی پیکر کے علامت کی جن تشبیہوں کا ذکر ہوتا ہے وہ ایک مخصوص نوعیت کی متحمل ہوتی ہیں۔ کلام نوری میں جمالیاتی پیکر ملاحظہ ہو۔

کھلے ہیں دیدۂ عشاق خواب مرگ میں بھی
کہ اس نگار کا ہے انتظار آنکھوں میں

بسا ہوا ہے کوئی گل عذار آنکھوں میں
کھلا ہے چاروں طرف لالہ زار آنکھوں میں

یہ گھٹا جھوم کے کعبہ کی فضا پر آئی
اڑ کے یا ابرو پہ چھائے ہیں تمہارے گیسو

وہ حسیں کیا جو فتنے اٹھا کر چلے
ہاں حسیں تم جو فتنے مٹا کر چلے

خواب مرگ میں انتظار کے لئے دیدۂ عشاق کا کھلنا، فضائے کعبہ پر اڑ کے گھٹا کا آنا، ابرو پہ گیسو کا چھا جانا، حسین کا فتنے مٹا کر چلنا، جمالیاتی پیکر کی انتہائی دلکش تصویریں ہیں۔ جن میں پیکر تراشی کا نامیاتی تصور بلند ہوتا جا رہا ہے۔

آتشیں پیکر:۔ آتشیں پیکر کا نوری پیکر سے ایک گہرا تعلق ہے۔ مگر یک گونہ آتشیں پیکر نوری پیکر سے علیحدہ ہے۔ چونکہ آتشیں پیکر میں سوختگی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے اس لئے ہر نوری پیکر کو آتشیں پیکر سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ پھر آتشیں پیکر میں دود کا کثیف مادہ بھی ہوتا ہے۔ جس کو صنف نعت میں برتنے کیلئے شعری محاسن پر گہری نظر بھی ہونی چاہئے ورنہ اس سے پیکریت کی چادر تطہیر داغدار ہو جائے گی۔ جیسا کہ حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
وہی پھول خار سے دور ہے وہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اس لئے پیکریت کے اس علائم سے دھواں کا کوئی تعلق نہیں۔ بریں بنا آتشیں پیکر کی وہ قدریں جو متعلقات سے تعبیر ہیں ان کو صنف نعت میں جگہ دی جا سکتی ہے اور اس سے پیکر تراشنا قبیح نہیں۔ شعر دیکھئے۔

مرقد نوری پہ روشن ہے یہ لعل شب چراغ
یا چمکتا ہے ستارہ آپ کی پیزار کا

شربت دید نے اور آگ لگا دی دل میں
تپش دل کو بڑھایا ہے بجھانے نہ دیا

وہ ہیں خورشید رسالت نور کا سایہ کہاں
اس سبب سے سایۂ خیر الوریٰ ملتا نہیں

دل تپا سوز محبت سے کہ سب میل چھٹے
تپنے کے بعد ہی تو سونا کھرا ہوتا ہے

لعل شب میں چراغ کا روشن ہونا، پیزاروں کا ستارہ چمکنا، شربت دید سے دل میں آگ لگنا، خورشید رسالت میں بوجہ نور سایہ نہ ہونا، سوز محبت میں دل تپ کر میل کا چھٹنا محاکات شعری کے آتشیں پیکر ہیں۔

لونی پیکر:۔ لون کا جمالیات سے گہرا تعلق ہے۔ یہ دراصل جمالیات ہی کے دائرہ کار کی تابندگی کا ایک پیکری کردار ہوتا ہے۔ تاہم قدرے تمائز کی وجہ سے اس کو الگ رکھا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اب لونی پیکر کے چنداشعار ملاحظہ ہوں۔

تیرے باغ حسن کی رونق کا کیا عالم کہوں　　آفتاب اک زرد پتا ہے تیرے گلزار کا

زرد رو کیوں ہوگیا خورشید تاباں سچ بتا　　دیکھ پایا جلوہ کیا اس مطلعِ انوار کا

جو سوختہ ہیزم کو چاہو تو ہرا کردو　　مجھ سوختہ جاں کا بھی دل پیارے ہرا کرنا

آفتاب کا باغ حسن کا ایک زرد پتہ ہونا، مطلع انوار کا جلوہ دیکھ کر خورشید زرد ہو جانا، دل سوختہ جاں کا ہرا کرنا۔ یہ سب لونی پیکر کی زندہ مثالیں ہیں۔

ان ساری تفصیلات میں حضرت نوری بریلوی علیہ الرحمہ کے کلام کا صرف ایک گوشہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں محاکات اور پیکر تراشی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر اسی طرح آپ کے مجموعۂ کلام ''سامان بخشش'' کا تجزیاتی جائزہ لیا جائے تو ان میں شعر کی وہ جملہ تاثیرات محسوس کی جاسکتی ہیں جو کسی استاذ الشعراء کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ آپ نے صرف عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والہانہ جذبہ کو حرز جان رکھا اور تاحین حیات مدح مصطفوی کے نغمے لٹاتے رہے۔ ان کی نعتیہ شاعری کے محرکات داخلی اور خارجی دونوں ہیں مگر داخلیت اس قدر غالب ہے کہ آئینہ روح کو صیقل کرتی ہوئی محسوس ہورہی ہے۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ صنف سخن کی اس دل کش اور جاذب سوغات میں زندگی کے وہ لمحات گردش کررہے ہیں جو علمی مشاغل سے کسی صورت بچا لئے جاتے تھے یا بچ جاتے تھے۔ ہم اس کو ان کی بالاستیعاب شاعری نہیں کہہ سکتے۔ اگر وہ اپنے جملہ اوقاف کو شاعری کی طرف مرتکز کرتے تو خدا بہتر جانتا ہے کہ سخن کے کس ذروۂ کمال پر ہوتی۔

حواشی

(۱) سلیمان بن اشعث ابوداؤد سجستانی امام سنن ابوداؤد ص:۶۸۴، مطبوعہ، اصح المطابع دہلی

(۲) احمد بن عمر نظامی عروضی سمرقندی چہار مقالہ ص:۴۰ پبلشرز لالہ رام نرائن بینی مادھو کٹرہ، الہ آباد

(۳) ابوالطیب احمد بن حسین جُعفی دیوان متنبّی ص:۶ ناشر: صمد بکڈپو دیوبند ضلع سہارنپور۔

(۴) ابوالطیب احمد بن حسین جُعفی دیوان متنبّی ص:۲۸ ناشر: صمد بکڈپو دیوبند ضلع سہارنپور۔

(۵) احمد بن عمر بن علی نظامی عروضی سمرقندی چہار مقالہ ص:۵، پبلشرز لالہ رام نرائن بینی مادھو کٹرہ الہ آباد

(۶) احمد بن عمر بن علی نظامی عروضی سمرقندی چہار مقالہ ص:۴۵ پبلشرز لالہ رام نرائن بینی مادھو کٹرہ الہ آباد

(۷) علی گڑھ میگزین ۷۷۔۱۹۷۶ ص:۳۸ مطبوعہ لیتھو کلر پرنٹرس اچل تال، علی گڑھ۔

(۸) عبدالنعیم عزیزی (علیگ) کلام رضا کے نئے تنقیدی زاویے۔ص:۳۸، ناشر: الرضا اسلامک اکیڈمی بریلی شریف

(۹) علی گڑھ میگزین ۷۷۔۱۹۷۶ء ص:۳۹۔۳۸، مطبوعہ لیتھو کلر پرنٹرس اچل تال علی گڑھ۔

(۱۰) عبدالنعیم عزیزی (علیگ) کلام رضا کے نئے تنقیدی زاویے۔ص:۳۹ ناشر: الرضا اسلامک اکیڈمی بریلی شریف۔

(۱۱) روح ادب سہ ماہی کلکتہ اپریل تا ستمبر ۱۹۸۶ء ص:۳۰، مطبوعہ، اعجاز پرنٹرس ۱۸، زکریا اسٹریٹ کلکتہ۔

(۱۲) ماہنامہ افکار (غالب نمبر) کراچی۔ فروری ۱۹۶۶ء ص:۲۱۴، مطبوعہ، مشہور آفسٹ پریس کراچی پاکستان۔

(۱۳)ابن فرید میں ہم اور ادب ص: ۳۷، مطبوعہ اسرار کریمی پریس الٰہ آباد
(۱۴)علی گڑھ میگزین ۷۷۔۱۹۷۶ء ص: ۴۰ مطبوعہ لیتھوکلر پرنٹرس اچل تال علی گڑھ
(۱۵)محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول ص: ۲۰ ناشر رضا اکیڈمی ۱۳۰، علی عمر اسٹریٹ۔ بمبئی
(۱۶)محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول، ص: ۳۰، ناشر رضا اکیڈمی ۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ۔ بمبئی۔
(۱۷)محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول، ص: ۱۰۲، ناشر: رضا اکیڈمی، ۱۳۰، علی عمر اسٹریٹ۔ بمبئی
(۱۸)محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی مفتی اعظم اور ان کے خلفاء، جلد اول، ص: ۴۱، ناشر: رضا اکیڈمی ۱۳۰ علی عمر اسٹریٹ۔ بمبئی
(۱۹)محمد شہاب الدین رضوی بہرائچی مفتی اعظم اور ان کے خلفاء جلد اول، ص: ۸۸، ناشر: رضا اکیڈمی، ۱۳۰، علی عمر اسٹریٹ بمبئی۔
(۲۰)یٰسین اختر مصباحی مولانا المدیح النبوی ص: ۲۰۶ مطبوعہ: مطبع کوثر سرائے میر اعظم گڑھ۔
(۲۱)الطاف حسین حالی خواجہ، مقدمہ شعر وشاعری ص: ۱۶۳، مطبوعہ، تاج آفسیٹ پریس الٰہ آباد
(۲۲)مقدمہ فرش پر عشر (دیوان محدث اعظم) ص: ۷ ناشر: رضوی کتاب گھر بھیونڈی تھانہ
(۲۳)انوار رضا ص: ۵۶۶ مطبوعہ: معارف پرنٹنگ پریس لاہور۔
(۲۴)معارف رضا شمارہ ہشتم ۱۹۸۸ء ص: ۱۲۳ ناشر: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی
(۲۵)احمد رضا امام حدائق بخشش ص: ۶۴ ناشر: رضا دار الاشاعت بہیڑی بریلی شریف۔

☆ماخوذ از تجلیات مفتی اعظم ہند مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی

تصورِ جاناں

مولانا بدر القادری، اسلامک اکیڈمی، ہالینڈ

زندگی کے گزرے ہوئے ماہ و سال کا کارواں جب تصورات کی راہوں پر جادہ پیما ہوتا ہے۔ تو ان میں سے کچھ ایسے انمول لمحات جگمگاتے ستاروں کے مانند ملتے ہیں۔ جن کی تابانی و لمعانی اپنی پوری کائنات زیست پر پرتو فگن محسوس ہوتی ہے۔

سب کو بھولا ان کا ملنا اور بچھڑنا یاد ہے
داستان زیست لمحوں میں سمٹ کر رہ گئی

دیدار اوّلین:۔ وہ بھی ایسا ہی ایک دن تھا الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے طلبہ مئو جانے کی تیاریوں میں تھے۔ فرصت کا دن تھا۔ گرمیوں کا زمانہ۔ میں نے اپنے ہم وطن طلباء سے اس ہماہمی کا سبب دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ مئو میں کسی حاجی صاحب کی دعوت پر شہزادۂ اعلیٰحضرت تاجدار علم و فضل مفتی اعظم ہند تشریف لائے ہوئے ہیں جن کی پیشانی کی سلوٹوں میں معرفت کا نور چمکتا ہے۔ تقویٰ و طہارت جن کے بدن کا لباس اور احقاق حق و ابطال باطل جن کے عمامے کا طرہ ہے۔ وہ درحقیقت اسلامیان ہند کے لئے قابل فخر ہستی ہیں۔ مادر زاد ولی اللہ۔ خاندانی عالم ظاہر و باطن ہیں۔

عرب و عجم میں ان کے والد گرامی مجدد مأۃ حاضرہ کے علمی فضل و کمال اور انقلاب آفریں مذہبی کارناموں کا ڈنکا بج رہا ہے۔ مفتی اعظم نائب امام احمد رضا ہیں۔ ان کے چہرے کی لمحہ بھر زیارت مدت العمر کی بے ریا عبادت سے بدرجہا بہتر ہے۔ آؤ تم بھی چلو ان کی زیارت کرلو ایمان میں جلاء، روح میں بالیدگی اور احساس و شعور میں علم کا ذوق نکھر پڑے گا۔ بزرگوں کی نگاہ کرم سے کیا کچھ نہیں ملتا۔

میں نے اپنے نگراں بزرگ بھائی مولانا حکیم حسام الدین صاحب گھوسوی سے اجازت لی پھر دارالعلوم کے دفتر انچارج حضرت مولانا علی احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت طلب کی اور برادر کریم مولانا محمد قاسم قادری، مولانا عبدالمجید نوری وغیرہ کے ہمراہ مئو کے لئے چل پڑا۔ کم عمر اور ناتجربہ کار تھا۔ آقائے نعمت حضور حافظ ملت کے زیر سایہ میں رہتا ضرور تھا مگر اہل اللہ کی بارگاہ کے آداب میں کیا جانوں ان دنوں ہدایۃ النحو وغیرہ پڑھتا تھا۔ ہم جماعت طلباء بھی سبھی مجھ سے بڑے تھے۔ حافظ محمد امین جلال پوری، حافظ۔ مونگیری میری جماعت کے ذہین اور محنتی طلباء تھے۔ میرے ہم ذوق کھلنڈرے طلباء میں مولوی محمد اسرائیل دیوریاوی میرے اچھے دوست تھے جو نئی نئی طرزیں لا لاکر مجھ سے نظمیں لکھنے کی فرمائش کرتے تھے۔ اور میں شعر وادب کی فضاؤں میں محو پرواز رہتا تھا۔

اشرفیہ میری قلبی اور روحانی بالیدگی کا گہوارہ ہے۔ آج بھی یورپ کی دنیا میں سالہا سال کا زمانہ گزار لینے کے باوجود میں نے خواب کی دنیا میں پہنچ کر کبھی وطن مالوف گھوسی کی گلیوں اور کبھی اشرفیہ کی قدیم درسگاہ کے اردگرد طواف کرتا رہتا ہوں۔ اشرفیہ کے ذکر پر خواہ مخواہ بھی جذبات میری مختصر داستان کو طولانی بنا دیتے ہیں۔ نہ جانے کیوں؟ پھر بھی اس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی

بیانِ درد و محبت جو ہو تو کیوں کر ہو
زباں نہ دل کے لئے ہے نہ دل زباں کے لئے
(ذوق)

ہم بھی احباب شوق کے پروں سے اڑ کر مئو جا کر پہونچے۔ خوب اچھی طرح یاد ہے کہ مئو ریلوے کراسنگ روڈ کے پاس شارح بخاری فقیہ عصر نائب مفتی اعظم علامہ محمد شریف الحق امجدی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے شرف ملاقات ملا۔ طلبہ کے سلام پیش کرنے پر حضرت کی رکشا رکی سب نے دست بوسی کی۔ اور یہ حسن اتفاق کیا کہنا کہ مفتی اعظم کی

سرکار میں باریابی سے پہلے ان کے نائب سے ملاقات ہوئی۔ سرکار مفتی اعظم کے میزبان حاجی صاحب کے دولت کدے پر علماء کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ اس بھیڑ میں میری نگاہوں نے پہلی بار اپنے مرشد طریقت کی زیارت سے شادکامی پائی۔ آقائے نعمت حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے بعد یہ دوسری ایسی شخصیت تھی جو نگاہوں کی راہ سے میرے دل کے نہاں خانے میں اترتی چلی گئی۔ منحنی پیکر، گندمی رنگ، روشن وتابناک چہرہ، دمکتی پیشانی، جھکی جھکی نگاہیں، موتی لٹاتے ہونٹ، روئی کے گالوں سے نرم نرم ہاتھ مصافحہ کو مل جائے تو آنکھوں سے مل کر۔ دل سے لگا کر بھی جی نہ بھرے۔

بعض اوقات کسی اور کے ملنے سے عدم
اپنی ہستی سے ملاقات بھی ہو جاتی ہے

بچپن کا شعور ہی کتنا۔ دست بوسی کی۔ آنکھیں پھاڑے جت تک موقع ملا انہیں دیکھتا رہا ملکوتی صفات سے مزین ایک ذات کے گرد منقول و معقول کے ماہرین درسگاہ، فقہ و حدیث کے مسند نشین، خانقاہ وزاء یا کے خرقہ پوش کیسے پروانہ وار نچھاور ہو رہے ہیں۔ میں اس وقت کچھ زیادہ تو سمجھ نہ سکا مگر حیرت و استعجاب نے یہ احساس ضرور دیا کہ اپنے اپنے فن کے ان عظیم فن کاروں، علمائے اعلام اور مشائخ کرام کا شہزادہ امام احمد رضا کے روبرو اس طرح سرراہ آنکھیں بچھانا اور عقیدت واحترام میں بیخود ہونا بلا وجہ تو نہیں ہو سکتا۔

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

یہ تھی سرکار مفتی اعظم کے روئے تاباں کی پہلی زیارت جو مجھے نصیب ہوئی۔ میری عمر اس وقت ۱۲۔۱۳ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کے بعد برادر مکرم مولانا رضوان احمد شہید سے جو مفتی اعظم کے مرید تھے نسبت رضوی ونوری کا نقش ذہن پر ثبت ہوتا رہا اور متعدد جلسوں اور کانفرنسوں کے مواقع پر اس آفتاب ولایت کی تابانیوں سے استفادے کا موقع

ملتا رہا۔ تا آنکہ اگست ۱۹۷۸ء میں ہالینڈ کا سفر درپیش ہوا۔ وہ سفر جس نے مجھے میرے ماحول، میری دنیا، میری جولاں نگاہ، میرے وطن اور میرے احساسات اور شعور کی رگوں میں نغمۂ تحریک بن کر گونجنے والی فضاؤں سے محروم کر دیا۔

بچھڑ گئے ہیں کہاں ہم سفر خدا جانے
نقوش پا بھی گرد کارواں بھی نہیں

شرف بیعت:۔ ہالینڈ میں کم و بیش دس ماہ پہلا قیام کرنے کے بعد وطن واپسی ہوئی تو روح کی کشش آستانۂ عالیہ رضویہ پر لے گئی۔ میرے ساتھ ہالینڈ کے ایک معمر شخص اسحاق خدا بخش اور برادر کریم ڈاکٹر محمد قاسم قادری مورانوی بھی تھے۔ سرکار مفتی اعظم نے کرم فرمایا اور اپنے آنگن میں بلا کر شرف زیارت و بیعت سے نوازا اور میری خواہش اور طلب کے بغیر شہزادۂ گرامی حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری قبلہ سے خلافت نامہ منگوا کر پر کرایا اور دستخط سے مزین فرما کر عنایت کیا۔

میں اس الطاف خسروانہ پر شرمندہ بھی اور حیراں بھی۔ ایک لاابالی، کھلنڈرا، غیر متوازن انسان، اعمال، اوراد اور معمولات تو الگ، جس کے فرائض و واجبات بھی۔ اگر رحمان و رحیم رب قبول فرما لے تو قابل قبول ہوں۔ ورنہ من آنم کہ من دانم، پھر بھی بزرگوں کا یہ فرمودہ میری تسکین کا ذریعہ بنا۔

داد حق را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرط قابلیت داد اوست

خلافت نامہ کے ساتھ خاص اندرون خانہ سے منگا کر اپنا استعمال کردہ ہلکے ہرے رنگ کا ایک رومال عطا فرمایا۔ رومال مبارک جو برادر مکرم مولانا ڈاکٹر محمد قاسم قادری، الحاج محمد اسحاق خدا بخش اور مجھے مشترک عطا ہوا تھا۔ مگر کرم فرما دونوں رفیقوں نے اپنے حق سے دستبردار ہو کر مجھے ہی بخش دیا تھا۔ جو آج بھی میری گراں قدر متاع ہے۔ اور

لباس عالم آخرت کا جز بنانے کے لئے بحفاظت رکھا ہوا ہے۔ فقیر قادری کو اس نعمت گراں بہا کا حصول، سرکار مفتی اعظم کی غلامی میں داخلہ اور حصول خلافت۔ ۲۳ جمادی الآخر ۱۳۹۹ھ جون ۱۹۸۹ء کو ہوا۔ فالحمد اللہ الوہاب علی نعمہ وکرمہ وفضلہ العظیم۔

دس سالہ قیام ہالینڈ کے دوران آفات ومصائب کے متعدد طوفان سامنے آئے۔ مگر الحمد للہ میرے آقا نعمت کا بے پایاں کرم ہے کہ ہر حال میں میری پشت پناہی فرماتے رہے۔ اوران حضرات کی پشت پناہی، عزم وثبات قدمی، بلند حوصلگی اور بالآخر کامیابی کا ذریعہ بنتی ہے۔

اندھیری رات میں گر ان کی یاد ساتھ نہ دے
کہاں اٹھیں یہ قدم اور کہاں ملے منزل

ہالینڈ اور بلجیم کے اندر سلسلۂ عالیہ رضویہ کی اشاعت ہو رہی ہے۔ کئی خانوادوں کو بریلی شریف بھیج کر داخل سلسلہ کرایا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے حرمین طیبین کی سرزمین پر جانشین مفتی اعظم حضرت علامہ اختر رضاں خاں قادری دامت برکاتہم کے دامن سے وابستگی حاصل کی ہے اور ایک بار کے سفر ہالینڈ کے دوران جانشین مفتی اعظم نے ''قادریت ورضویت'' کے انوار سے اس خطہ تاریک کو خود رونق بھی بخشی ہے۔

رہے یہ جاری قیامت تک ان کا فیض عام
جہاں میں پھولے پھلے باغ رضوی ونوری

(بدر)

آخری دیدار:۔ اسٹرڈم میں (ICN) اسلامک سینٹر نیدرلینڈ کی عملی تگ ودو نقطۂ عروج پر تھی۔ اور وطن ہند میں بھی کئی ضروری کام میرے سفر کا مطالبہ کرتے رہے۔ اسی دوران میرے مرشد طریقت کی کشش نے یہاں کے کاموں سے دل اچاٹ کر دیا اور یک بیک میں نے وطن کا رخت سفر باندھا۔ پہلے سیدھے گھوسی پہنچا۔ پھر برادران گرامی مولانا

محمد احمد مصباحی و مولانا عبدالمبین نعمانی کے ہمراہ بریلی شریف حاضر ہوا۔ نبیرۂ اعلیٰ حضرت مولانا ریحان رضاں خاں علیہ الرحمہ کے ذریعہ مرشد طریقت کی زیارت نصیب ہوئی۔ نقاہت حد سے زیادہ تھی۔ اہل ارادت و محبت کا دن رات تانتا بندھا رہتا تھا۔ معالجین نے لوگوں سے ملنے جلنے پر پابندی لگا رکھی تھی۔

خود راہ بنالے گا بہتا ہوا پانی ہے

کے مانند جانبازان مفتی اعظم زیارت اور قدمبوسی حاصل ہی کر لیتے تھے۔ اس وقت حضرت پر اکثر استغراق کی کیفیت رہتی۔ زبان ہمہ دم محوذ کر رہتی۔ جب بھی ہوش میں آتے نماز کے بارے میں پوچھتے۔ مجھے نماز پڑھنی ہے۔ کیا میں نے نماز ادا کی۔؟ یا اللہ میری نماز۔ اس عرصہ میں مخلوق خدا شب و روز ٹوٹی پڑتی تھی۔ محلہ سوداگران میں مخلوق خدا کا تانتا لگا رہتا تھا۔ شیخ و شاب، علماء و فضلاء و عوام تمنائے دیدار لئے چلے آتے تھے۔

نصف شب کے قریب ہم نے اس آفتاب ولایت کا دیدار کیا ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور ان کے لرزتے لبوں کی دعائیں لیں۔ کسے خبر تھی کہ یہ دیدار ہی ان کا آخری دیدار ہے۔ اور اب اس عالم میں نگاہیں ان کے جلوؤں سے محروم رہیں گی۔ دوسرے روز ہم لوگ مبارکپور لوٹ آئے۔

اور وہ چلے گئے:۔ ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ کی تاریخ مسلمانان برصغیر کے لئے غم واندوہ کی یہ خبر لائی کہ شب میں ایک بج کر چالیس منٹ پر شہزادۂ اعلیٰ حضرت سرکار مفتی اعظم کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۱۵ محرم الحرام کو اپنی بیٹھک کے اندر نماز مغرب سے فارغ ہو کر اہل خانوادہ کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا کہ دارالعلوم اہل سنت شمس العلوم سے مولانا عاصم اعظمی، مولانا رضوان احمد شریفی کا فرستادہ حضرت کے وصال اور ۱۹ محرم دو بجے نماز جنازہ کی خبر لایا۔ سنتے ہی بجلی سی گر پڑی۔ اوسان خطا ہو گئے۔ گھر میں جا کر والدہ ماجدہ کو خبر دی اور اجازت لے کر فوراً

روانہ ہوگیا۔ بس سے اعظم گڑھ روڈ پر پہنچا تو شب کو دس بجے وہاں ہزاروں مشتاقان مفتی اعظم کو آمادۂ سفر دیکھا۔ مبارک پور، محمد آباد، گھوسی، خیر آباد، چریا کوٹ، شہر اعظم گڑھ اور دیگر قصبات وقریات کے مسلمان سواریوں کے انتظار میں سرگرداں نظر آئے۔

بہر حال ایک بس میں جگہ ملی اور ہم لوگ لکھنؤ جا پہنچے برادران گرامی مولانا محمد احمد مصباحی، مولانا عبدالمبین نعمانی، مولانا عارف اللہ قادری، مولانا نصر اللہ قادری، مولانا قاری شفیق مبارکپوری، مولوی محمد محفوظ ہولندی اور راقم الحروف ہمراہ ہی تھے۔ لکھنؤ سے بھی مناسب وقت پر سواری مل گئی اور بارہ بجے تک ہم لوگ پھر سرزمین بریلی پر وارد ہو گئے۔ چند روز پہلے تو صرف محلّہ سوداگراں عشاق مفتی اعظم سے بھرا پڑا تھا۔ اور آج تو شہر بریلی کا وسیع و عریض دامن بھی انسانی سیلاب سے تنگ ہو رہا ہے۔

یہ کس کی روئے منور کی جلوہ باری ہے
نظارہ کرنے کو پیر و جواں سبھی نکلے

(بدر)

لاکھوں سوگوار آنکھوں نے اس آفتاب ولادت کو زیر زمین چھپتے دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک عہد کی داستان دفن ہوگئی۔ تقوی اور پارسائی کا معیار اپنے کردار کے دامن میں رکھنے والا چلا گیا۔ مگر ایک روشن تاریخ چھوڑ کر۔ ایک شمع بجھ گئی مگر ہزاروں چراغ جلا کر۔ انسانی قلوب واذہان میں ایمان وتقوی کے نور بکھیرنے والے مرتے کہاں ہیں۔ وہ تو وفات پا کر زندہ وجاوید ہو جاتے ہیں۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

تجلیات مفتی اعظم ہند مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

☆☆

حضرت نوری بریلوی کی شاعری احادیث کی روشنی میں

(مولانا محمد حسین ابوالحقانی رضائے مصطفیٰ کولہا بہار)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الشعر بمنزلة الكلام حسنه كحسن الكلام وقبحه كقبح الكلام ۔ (الأدب المفرد)

مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے کہ شعر مثل کلام کے ہے۔ اچھا شعر اچھا کلام ہے اور برا شعر برا کلام ہے، قرآن عظیم میں ان شعراء کی مذمت کی گئی ہے جن کے کلام کذب پر مشتمل ہوتے تھے خواہ موزوں ہوں یا غیر موزوں۔ مگر وہ شعراء جن کے کلام توحید ربانی اور فضائل سید الکونین پر مشتمل ہوتے تھے، سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سراہا ہے اور ان پر نظر کرم فرمایا ہے۔ بخاری شریف میں اس طرح کے بہت سے اشعار موجود ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن عظیم کے معانی سمجھنے میں اگر دقت ہو تو اہل عرب کے اشعار میں اسے تلاش کیا کرو اس سے معانی سمجھنے میں آسانیاں ہوں گی۔

مفتی اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کی شاعری بھی خالص عبادت ہے۔ ہر شعر توحید ربانی اور فضائل سید المرسلین پر مشتمل ہے۔ خود فرماتے ہیں۔

گلہائے ثنا سے مہکتے ہوئے ہار　　سقم شرعی سے ہیں منزہ اشعار
عطا فرما دے ساقی جام نوری　　لبالب جو چہیتوں کو دیا ہے
ثنا لکھنی ہے محبوب خدا کی　　خدا ہی جن کی عظمت جانتا ہے

سنا نوری غزل اس کی ثناء میں ثناء جس کی ثنائے کبریا ہے

پورا دیوان سامان بخشش پڑھ جایئے۔ اکثر شعر آیات واحادیث کا ترجمہ نظر آئیں گے۔ اور ایسا محسوس ہوگا کہ تازہ بہ تازہ کلام لکھا گیا ہے یہ بھی مفتی اعظم کی ایک کرامت ہے نمونۂ چند اشعار احادیث کی روشنی میں سماعت فرمائیں۔

(۱) سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ عطاء اللہ کرتا ہے اور میں بانٹا کرتا ہوں۔ (مشکوٰۃ)

مفتی اعظم فرماتے ہیں۔۔۔

انت القاسم ربك معطی تم ہی نے سب کو نعمت دی
دے دو مجھ کو میرا حصہ صلی اللہ علیک وسلم
صاحب دولت تم ہی تو ہو قاسم نعمت تم ہی تو ہو
تم ہو سارے جگ کے داتا صلی اللہ علیک وسلم

۲۔ بخاری شریف میں ہے کہ بروز قیامت بندے حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک پہونچیں گے۔ اور سب کی بارگاہ میں عرض کریں گے ہماری بخشش کرائیں سارے انبیائے کرام جواب دے دیں گے اور فرمائیں گے نفسي نفسي إذهبو إلى غيري، اخیر میں خاتم الأنبیاء کی بارگاہ میں پہنچیں گے۔ تو شافع یوم النشور فرمائیں گے۔ اِنّی لھا۔ میں تمہارے لئے ہوں، ادھر آؤ، ادھر آؤ۔

مفتی اعظم فرماتے ہیں

آدم سے تا حضرت عیسیٰ سب کی خدمت میں ہو آیا
نفی سب نے ہی فرمایا صلی اللہ علیک وسلم
میرے آقا میرے مولیٰ آپ سے سن کر انی لہا
دم میں ہے دم میرے آیا صلی اللہ علیک وسلم

(۳) مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت ولادت طیبہ اپنی امت کو فراموش نہیں فرمایا اور فرمایا۔ رب ھب لی امتی، اور جب وقت وصال آیا تو سرکار نے جبرئیل امین سے فرمایا۔ پہلے میرے رب سے جاکر میری طرف سے عرض کرو کہ میرے مولیٰ میرے وصال کے بعد میری امتی کا کیا حال ہوگا۔ (احیاء العلوم)

مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

وقت ولادت تم نہیں بھولے وقت رحلت یاد ہی رکھے
اپنے بندے تم نے شاہا صلی اللہ علیک وسلم

آؤ آؤ میری خبر کو واروں تم پر قلب و جگر کو
میں بھی ہوں تمہارا بندہ صلی اللہ علیک وسلم

(۴) حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے اپنی جان کے سوا کائنات میں سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ سرکار نے فرمایا! اے عمر۔ ابھی ایمان نامکمل ہے۔ عرض کیا! یا رسول اللہ آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں، سرکار نے فرمایا۔ الآن، یعنی اب ایمان مکمل ہوا۔ (بخاری شریف)

مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

جان ایماں ہے محبت تیری جان جاناں
جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلماں ہوگا
نور ایماں کی مشعل رہے روشن پھر تو
روز و شب مرقد نوری میں اجالا ہوگا

(۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت کریمہ تھی کہ اگر کسی کو کچھ دینا ہوتو نعم فرماتے، اور اگر دینا منظور نہ ہوتا تو لا نہیں فرماتے۔ بلکہ خاموش ہو جاتے۔ (الامن والعلیٰ)

سنو گے لا نہ زبان کریم سے نوری یہ فیض وجود کے دریا بہانے آئے ہیں

(۶) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ إن اللہ ما أوقع ظلّك على الأرض۔ الــخ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے محبوب کا سایہ زمین پر نہیں رکھا۔ بے سایہ کے پیدا کیا تا کہ کسی انسان کا قدم آپ کے سایہ پر نہ پڑنے پائے۔ (مدارک)

مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

تو ہے نور خدا پھر سایہ کیسا کہیں بھی نور کا سایہ پڑا ہے
تو ہے ظل خدا واللہ باللہ کہیں سائے کا بھی سایہ پڑا ہے

(۷) حضور سرور کونین فرماتے ہیں۔ یخرج بشفاعتہ۔ میری شفاعت سے میرا غلام جہنم سے نکال لیا جائے گا اور بعض غلام ایسے ہوں گے کہ

یسمون الجہنمین:۔ جہنمیوں کی فہرست میں نام درج ہو چکے ہوں گے۔ فرشتے انھیں مقید کر کے جہنم کی طرف لے جا رہے ہوں گے۔ اسی اثناء میں شفیع بن کر آجاؤں گا اور غلاموں کے ہاتھ پاؤں کی زنجیریں کھلوا کر اپنے دامن کرم میں چھپالوں گا۔ (خلاصہ حدیث)

مفتی اعظم فرماتے ہیں۔

مجھ سے عاصی کو جو بے داغ چھڑالائیں گے اہل محشر سے جو دیکھے گا وہ حیراں ہوگا
کوئی منھ میرا تکے گا کہ یہ وہ عاصی ہے جس کو ہم جانتے تھے داخل میزاں ہوگا
ماجرا دیکھ کے یہ ہوگا کسی کو سکتہ اک تعجب سے وہ انگشت بدنداں ہوگا
ان کی حیرت پہ کہوں گا کہ تعجب کیا ہے خود خدا ہوگا جدھر سرور ذیشان ہوگا

(۸) حدیث قدسی ہے۔ رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے محبوب میں نے دنیا والوں کو آپ کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر آپ کا پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا۔ تو میں کسی کو نہ پیدا کرتا۔ (انوار محمدیہ)

یہ کون و مکاں یہ زمین و زماں سب بنے تیری خاطر تو وجہ بنا ہے

تمہارے ہی دم کی ہیں ساری بہاریں — تمہارے ہی دم سے یہ نشو و نما ہے

(۹) حدیث قدسی ہے۔ رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ کلهم يطلبون رضائي وأنا أطلب رضاك۔ روز محشر سب میری رضا چاہیں گے اور اے محبوب میں آپ کی رضا چاہوں گا۔

مفتی اعظم فرماتے ہیں

یہ چاہت ہے محبوب تیری خدا کو — تو جو چاہے وہ بھی وہی چاہتا ہے
کچھ ایسا سنوارا ہے تجھ کو خدا نے — کہ تو ہی خدائی کا دولہا بنا ہے

(۱۰) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ به اخذ واعطي ۔(حدیث قدسی) دونگا محبوب کے ذریعہ سے اور قبول کروں گا محبوب کے وسیلہ ہی سے دعا ہو یا عبادت کے بے وسیلۂ محبوب مردود ہے۔

مفتی اعظم فرماتے ہیں

دامن محبوب چھوڑے مانگے خود اللہ سے
ایسے مردک کو خدا سے مدّعا ملتا نہیں

وصل مولیٰ چاہتے ہو تو وسیلہ ڈھونڈ لو
بے وسیلہ نجدیو ہرگز خدا ملتا نہیں

ماخوذ از تجلیات مفتی اعظم ہند مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

☆☆☆

مفتی اعظم ہند اور شدھی تحریک

(علامہ عبدالرحمٰن خان مدیر ماہنامہ اعلیٰحضرت بریلی شریف)

ابھی اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کو اس دار فانی سے کوچ کیے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ سرزمین ہند پر ایک نئے ایمان سوز فتنے نے سر ابھارا اس فتنے کی آگ نے درجنوں اضلاع اور ان کے مواضعات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا وہ فتنہ تھا۔

شدھی تحریک : کا فتنہ جس کا طوفان بلا تاخیر ''شردھانند'' نامی آریہ کی قیادت میں شہر آگرہ سے اٹھا اور متھرا میرٹھ، بلند شہر، بھرت پور، بندرابن، علی گڑھ، ہاتھرس، ایٹہ، بہرائچ گڑ گانواں، اٹاوہ، جسونت نگر، مین پوری، اودے پور میواڑ، بڑودہ، بنارس، کانگڑہ فیروز پور، فرید کوٹ، پنجاب، چھپرہ، سیوان اور جے پور جیسے بہت سے اضلاع نیز اڑیسہ و بنگال کے کئی شہروں اور ان کے مواضعات پر چھاتا چلا گیا۔

شدھی تحریک کیا ہے : ؟ یہ مسلمانوں کو مذہب اسلام سے برگشتہ کرنے کی ایک مشرکانہ مہم ہے مسلم راجپوتوں کو ہندو بنانے کا منصوبہ بند پروگرام ہے اس فتنہ ارتداد شدھی تحریک کی مہم میں تمام راجہ مہاراجہ شریک تھے راجہ دھراج ناہر سنگھ شاہ پور، بھیلواڑہ، راؤ گوپال سنگھ رئیس اعظم کھروا اجمیر، راجہ صاحب سلوٗ سیتا رام سنگھ رئیس اعظم بکائن علی گڑھ عملا سرفہرست تھے اور ہر طرح سے مسلم راجپوتوں کو ہندو دھرم میں لانے کی انتھک کوشش کر رہے تھے کبھی مسلمانوں کو دولت و ثروت کا لالچ دیا جاتا، کبھی اسلام کے خلاف جھوٹی کہانیاں گڑھ کر مسلمانوں کو سنائی جاتی، کبھی انھیں خوفزدہ کر کے ڈرا دھمکا کر ہندو دھرم قبول کرنے پر آمادہ کیا جاتا کبھی بیمار مسلمانوں کا مفت علاج کر کے انھیں اپنی طرف مائل کیا جاتا کبھی ان کے ساتھ کھان پان روا رکھ کر متاثر کیا جاتا غرضیکہ ہر طرح سے

انھیں اسلام چھوڑنے کی ترغیب دی جاتی اور کسی طرح سے وہ راضی نہ ہوتے تو پھر یہ آریہ سماجی رہنما لاٹھیاں بندوقیں تلواریں لے آتے اور ان پر ظلم وتشدد کرتے بے جا دباؤ ڈالتے اور شدید جرمانہ ڈال کر انھیں مرتد ہونے پر مجبور کرتے اسی طرح کی کئی سالہ مسلسل کوششوں کا یہ روح فرسا غم انگیز اور جانگسل نتیجہ سامنے آیا کہ تقریباً ساڑھے چار لاکھ راجپورت مسلمان ہندو مذہب اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

عظیم مجاہد عظیم کارنامہ : اس دور بلا خیز میں ضرورت تھی اسلام کو کسی ایسے عظیم مجاہد کی جو فاروق اعظم کا مظہر بن کر باطل کے قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے جو سرکار حسینؓ کا نائب صادق بن کر تحفظ اسلام اور بقائے مذہب کے لئے اپنے خون کا ایک ایک قطرہ دینے کے لئے تیار ہو جائے جو محمود غزنوی کا عزم وحوصلہ اور ہمت مردانہ لیکر اٹھے اور یہ آریہ کے کفری سومناتھ کو توڑ کر عظمت اسلام کا پرچم لہرا دے سارے ہندوستان میں خاموشی تھی کہیں سے کوئی بھی ساڑھے چار لاکھ مسلمانوں کے ارتداد کا درد لے کر اٹھتا ہوا نظر نہیں آرہا تھا۔

خانقاہوں کے ذمہ داران محو خواب غفلت تھے کہیں بیداری ''احساس'' کی کوئی لہر نظر نہیں آرہی تھی سارے مدارس ساکت تھے کہیں سے اس فتنہ ارتداد شدھی تحریک کے خلاف صدائے حق بلند نہیں ہو رہی تھی دیوبند اور ندوہ کے تمام نام نہاد علماء اپنے اپنے منھ میں خموشی کا قفل چڑھائے ہوئے گوشہ نشیں تھے ہاں وہ بریلی شریف کا عظیم رہنما و رہبر تھا جس کے سینے میں قوم کا درد تھا ملت کا احساس تھا، دین کا پاس تھا، وہ اپنے ہاتھوں میں عزم وہمت کی تلوار اور حق وصداقت کا آفتاب لیکر اٹھا جو باطل کی ظلمتوں کو قتل کرتا ہوا اور متاثرہ شہروں کے راجپوتوں کو نور صداقت کی بھیک بانٹا ہوا گزر گیا۔

جمال روئے منور کی تابشوں سے حضور تجلیات کا سورج اگا دیا تم نے

سرکار مفتی اعظم ہند نے اپنی تحریک ''تحریک انسداد'' کا آغاز ۱۹ جنوری ۱۹۲۳ کو کیا

چنانچہ آپ نے دس نامور علماء کرام علیہ الرحمہ والرضوان جن میں شیر بیشۂ اہلسنت حضرت مولانا مفتی محمد حشمت علی خانصاحب ابو البرکات حضرت مولانا سید احمد صاحب قادری الموڑی، صدر الافاضل حضرت علامہ مفتی سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی حضرت مولانا قطب الدین برہمچاری کے اسمائے گرامی شامل ہیں کی ایک نورانی جماعت لے کر بلند شہر آگرہ، میرٹھ اور دیگر متاثرہ اضلاع کا دورہ کیا ہیڈ کوارٹر آگرہ کو بنایا حضور مفتی اعظم ہند نے اس دورہ تبلیغ میں عبادت خدائے واحد کی ترغیب وترہیب کے لئے مختلف علاقوں میں وفود روانہ کئے ان وفود کی ذمہ داری مسلم راجپوتوں کو اسلام سے قریب کر کے احکام دین کا پابند بنانا تھا اور مجمع عام میں آریہ سماجیوں سے مناظرہ کر کے اسلام کی صداقت اور ہندو دھرم کا بطلان واضح کرنا تھا۔

حضور مفتی اعظم ہند نے مسلم راجپوتوں کے علاقوں میں اپنی ذاتی رقم سے دینی مدارس قائم کئے مدرسین کی تنخواہیں طلباء کی کتابیں اپنی جیب خاص سے عطا فرمائیں۔

ہندی رسم الخط میں لٹریچر شائع کیا اور مفت تقسیم فرمایا نمازیوں کے لئے کپڑوں کا مسجدوں کا مصلوں، فرشوں اور دیگر اشیاء ضروریہ کا بغیر چندہ کے اپنی جیب خاص سے انتظام فرمایا، غرباء ومفلسین میں روپیہ پیسہ سبزی دال، غلہ وغیرہ انتہائی فراوانی کے ساتھ تقسیم فرمایا۔

حضور مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام کے خلاف دشنام طرازیوں کا جواب دینے کیلئے شردھانند اور اس کے ساتھیوں کا تعاقب کیا اور عام اجتماعات میں ان کو مسکت و دنداں شکن جواب دے کر رسوا و خوار کیا جگہ جگہ آریہ سماجیوں کو مناظرہ کے لئے چیلنج کیا گیا چونکہ آریہ سماجی کئی کئی بار مناظرہ میں شکست سے دوچار ہو چکے تھے اس لئے اب وہ مناظرہ سے کترانے لگے تو اس کا اثر مسلم راجپوتوں پر بہت اچھا مرتب ہوتا ادھر مسلسل شکست کا منہ دیکھتے دیکھتے آریہ سماجیوں کی ہمت بھی جواب دینے لگی تھی وہ مایوس ہونے لگے سرکار

مفتی اعظم ہند اور ان کے انصار و معاونین کی پر خلوص تبلیغ اسلام نے باطل کو سرنگوں کر دیا اور اسلام کی حقانیت مسلم راجپوتوں پر سورج کی طرح آشکارا کر دی (حیات مفتی اعظم)

صعوبتوں کا سامنا: اس تحریک کے دوران فتنہ ارتداد شدھی تحریک کے طوفانی سیلاب کو روکنے کے لئے آپ کو بے پناہ صعوبتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا دور دراز راجستھانی مواضعات میں جہاں سڑکیں اور سواریاں تو درکنار ہموار راستہ تک نہیں تھے وہاں آپ نے تبلیغی سفر کئے۔ مئی جون کی شدید گرمیوں میں لوہے کی طرح تپتے ہوئے صحراء پر نوکیلے ریگزاروں سے آپ کو تبلیغ اسلام اور حفاظت دین کے لئے کئی کئی میل تک پیدل بھی چلنا پڑا ناز و نعم کے پروردہ تیس سال کی جوان العمری میں دھوپ کی تمازت سے جلتے ہوئے کہ اوپر سے سورج آگ برسا رہا ہے اور نیچے سے ریگستانی صحرا پیروں کو جلا رہا ہے پتھر انگاروں کی طرح تپ رہے ہیں ریت کے ذرے گرمی کی شدت سے سرخ ہو گئے ہیں پورا صحرا آگ میں جل رہا ہے دور دور تک سایہ کا نام و نشان تک نہیں چرندے پرندے اپنے آشیانوں میں منہ چھپائے بیٹھے ہیں مگر امام احمد رضا کا یہ ۳۰ سالہ نوجوان سینے میں ملت کا درد لئے ہوئے اپنے خدا اور رسول جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و خوشنودی کے لئے سفر کر رہا ہے ہوا کے تیز تند تھپیڑے ریت کے ذروں کو اڑا اڑا کر آنکھوں میں داخل کر رہے ہیں مگر آپ مصروف سفر ہیں پیدل چلتے چلتے آپ کے مبارک پیروں میں ورم بھی آیا جسے آپ نے اپنے مذہب کے لئے نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور یہیں تک نہیں بلکہ چلتے چلتے آپ کے تلووں میں چھالے بھی پڑے جو ٹوٹ ٹوٹ کر بہنے لگے مسلسل سفر کے باعث راجستھانی صحراء کے ذرات ریگ چھالوں کے زخموں میں نمک کی طرح لگ لگ کر تکلیف میں اضافہ کرتے رہے مگر پیروں کا ورم، تلووں کے چھالے آپ کو فریضہ تبلیغ سے نہ روک سکے۔

سنگ ریزوں کی چبھن کا مجھے احساس کہاں

میں تو منزل کے مناروں پہ نظر رکھتا ہوں

دھوپ کی تمازت سے پھول جیسا چہرہ کمھلا جاتا مگر پھر بھی آپ خنداں و تبسم کناں رہتے دیگر ارکان تحریک کو اس کا احساس تک نہ ہونے دیتے آپ اپنے پیروں کا ورم اور زخم دیکھتے تو آپ کو اپنے آقا و مولیٰ سرور کون و مکاں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سفر طائف یاد آ جاتا جس کے تصور سے آپ کے مقدس پیروں کا درد رفع ہو جاتا آپ اپنے محبوب کی یادوں کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زن ہو جاتے اور کمال عشق و عقیدت کے ساتھ عرض کرتے۔

یہ اک جان کیا ہے اگر ہوں کروڑوں
ترے نام پر سب کو وارا کروں میں
کروں تیرے نام پہ جاں فدا
نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا
کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

بے مثال کامیابی:

سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی تقریباً ڈھائی سالہ جدو جہد مسلسل اور سعی پیہم نے وہ عظیم و بے مثال کارنامہ انجام دیا جس کی نظیر تلاش بسیار کے باوجود بھی نظر نہیں آتی جو کام دنیا کی تمام انجمنیں متحدہ طور پر عرصہ دارز میں بھی انجام نہیں دے سکتی تھیں وہ آپ نے مختصر سی مدت میں چند حضرات کے تعاون واشتراک سے انجام دے دیا۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

آپ کی پر خلوص تبلیغ سے مسلم راجپوتوں میں اسلام کا غلبہ ہوا آریوں کو پے در پے

ناکامیوں کا شکار ہونا پڑا ساڑھے چار لاکھ وہ مرتد جو اسلام سے پھر گئے تھے۔ دوبارہ داخل اسلام ہوئے مزید برآں خاصی تعداد میں ہندو بھی تعلیمات اسلام سے متأثر ہو کر آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے (دبدبہ سکندری رامپور، ۱۱ جون ۱۹۲۳ء

حضور مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مولیٰ کی عنایت و تائید کے طفیل فتنہ ارتداد شدھی تحریک کی سرکوبی کرنے میں ایسی عظیم کامیابی حاصل کی کہ فتنہ آپ کے دم قدم کی برکتوں کے اثر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو گیا اور اسلام کا پرچم صداقت مسلم راجپوتوں کے گھروں میں لہرانے لگا۔

اس عظیم کامیابی پر دنیا حیرت زدہ تھی لوگوں نے جس کام کو ناممکن سمجھا تھا حضور مفتی اعظم ہند نے اسے ممکن تر کر دکھایا۔

متاع زندگی جس نے لٹا دی عشق احمد میں
خدا کی رحمتوں کے پھول برسیں ان کی تربت پر

فیضان مفتی اعظم ص ۱۷۰

☆☆☆

خورشید ہدایت

(مولانا یٰسین اختر رضوی المجمع الاسلامی مبارکپور حال مقیم ریاض سعودی عرب)

ہندوستان کا وہ علاقہ جسے آجکل اتر پردیش کہا جاتا ہے اس کی مردم خیز سرزمین سے بڑے بڑے نامور علماء وفضلاء ادباء وشعراء اور محققین ومورخین پیدا ہوئے ہیں۔ جن کی دینی' علمی مذہبی' اصلاحی' سماجی اور سیاسی خدمات کو تاریخ میں نمایاں مقام ملا ہے اور یہاں سے اٹھنے والی ہر آواز اور ہر ایک تحریک نے اہل ملک کو اپنی جانب متوجہ کیا بیشتر مذہبی و سیاسی امور و معاملات میں اسے مرکزیت حاصل رہی اور بے شمار مسائل میں اس نے پورے ملک کی قیادت اور رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ رام پور، بدایوں، بریلی، خیر آباد، جونپور، لکھنؤ اور الہ آباد جیسے تاریخی شہر مسلمانوں کے تہذیبی، تمدنی اور مذہبی گہوارے رہے ہیں اور ان کی نمائندہ حیثیت سے تعلیم یافتہ طبقہ اچھی طرح واقف اور باخبر ہے۔

علاقہ روہیل کھنڈ اپنی شجاعت و بہادری میں ممتاز اور نہایت مشہور تھا۔ سلطنت مغلیہ کے عہد میں سعادت یار خاں بن سعید اللہ خاں (جاگیردار شیش محل لاہور و صاحب منصب شش ہزاری دہلی) کو اسے فتح کرنے کی مہم سپرد ہوئی۔ چنانچہ انہیں کے ہاتھوں یہ علاقہ فتح ہوا اور صوبہ دار بریلی کا فرمان شاہی ان کے حق میں صادر ہوا۔ انکے بعد ان کے صاحبزادے محمد اعظم خاں کئی گاؤں کے جاگیردار اور ایک عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے آپ کا میلان شجاعت کے ساتھ دینداری کی طرف زیادہ تھا۔ پھر آپ کے فرزند ارجمند حافظ کاظم علی خاں تحصیلدار بدایوں میں یہ رنگ اور نکھر آیا۔

مگر خانوادہ علم وفضل کی حیثیت سے اس کی شہرت کا باعث مولانا رضا علی خاں بریلوی (بن حافظ کاظم علی خاں) متولد ۱۲۲۴ھ متوفی ۱۲۸۲ھ ہوئے چنانچہ مشہور مورخ مولانا

رحمٰن علی خاں ممبر کونسل ریاست ریواں اپنی مشہور تاریخ میں لکھتے ہیں۔

مولوی رضا علی خاں بریلوی

ابن محمد کاظم علی خاں بن محمد اعظم شاہ ابن محمد سعادت یار خاں بہادر از اجلۂ علمائے بریلی ملک روہلی کھنڈ از عائلہ افاغنہ بہرہیچ است۔ بزرگانِ شان پیش سلاطین دہلی بہر عہدہ ہائے جلیلہ بمنصب شش ہزاری سرفراز و ممتاز بودند...... بعمر بست و سہ سالگی از اکتساب علوم متداولہ فراغ یافتہ مشارالیہ اماثل واقران گشت خصوصاً در علم فقہ مہارت کاملہ داشت تذکیر وتاثیر وے مشہور ومعروف است باجملہ لینت کلام وسبقت سلام وزہد وقناعت وحلم وتواضع وتجرید از خصائص وے تواں شمرد۔ الخ (ص ۶۴

تذکرہ علماء ہند مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۴ء)

خاندانی شجاعت و بہادری کا جوہر بھی آپ کے اندر بے مثال تھا۔ چنانچہ ایک مورخ آپ کے بارے میں لکھتا ہے آپ جنگ آزادیٔ ہند کے عظیم رہنما تھے۔ عمر بھر فرنگی تسلط کے خلاف برسرپیکار رہے آپ ایک بہترین جنگ جو اور بیباک سپاہی تھے لارڈ ہسٹنگ آپ کے نام سے کانپتا تھا۔ جنرل ہڈسن جیسے برطانوی جنرل نے آپ کا سر قلم کرنے کا انعام پانچ سو روپے مقرر کیا تھا مگر وہ اپنے مقصد میں عمر بھر نا کام رہا جب آپ نے برطانوی حکام کے خلاف جہاد میں حصہ لیا تو انگریزوں نے آپ کے احاطہ میں نقب زنی کرا کے ۲۵ عدد گھوڑے چوری کرا لئے، کیونکہ اپنے تمام گھوڑے تحریک آزادی کے کارکنوں کو انگریزوں پر شب خوں مارنے کے لئے مفت دیتے تھے اور آپ کی حویلی اکثر مجاہدین کی پناہ گاہ تھی۔ یہاں تک کہ مجاہدین کے کھانے کا بھی آپ خود ہی انتظام فرماتے۔ (جنگ آزادی نمبر ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی شمارہ جولائی ۱۹۷۵ء)

مولانا نقی علی خاں (بن مولانا رضا علی خاں) متولد ۱۲۴۶ھ متوفی ۱۲۹۷ھ جنہیں شیخ الحرم سید احمد زینی وحلان شافعی قاضی القضاۃ سے سند حدیث اور مولٰنا سید آل رسول

مارہروی (تلمیذ مولٰنا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) م ۱۲۹۶ھ سے جمیع سلاسل کی اجازت و خلافت حاصل تھی انکے بارے میں مولانا رحمٰن علی رکھتے ہیں

خالق تعالیٰ ویرا بعقل معاش و

معاد ممتاز اقران آفریدہ بود۔ علاوہ

شجاعت جبلی بصفت سخاوت وتواضع

واستغنا موصوف بود۔ وعمر گراں مایہ خود

باشاعتِ سنت وازالۂ بدعت بسر بردہ

(ص ۲۴۴ تذکرہ علماء ہند)

ان کے نامور اور بلند اقبال فرزند شہید عرب وعجم مولانا احمد رضا قادری فاضل بریلوی متولد ۱۸۵۶ء ۱۲۷۲ھ متوفی ۱۹۲۱ء ۱۳۴۰ھ کے بارے میں حکیم عبدالحیٔ رائے بریلوی لکھتے ہیں۔

واشتغل بالعلم علیٰ والده ولا زمه مدة طویلة حتیٰ برع فی العلم وفاق اقرانه فی کثیر من الفنون لا سیما الفقه والا صول۔ (ص ۳۸ نزھۃ الخواطر جلد ثامن مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۷۰ء) اور مولوی ابوالحسن علی ندوی رقمطراز ہیں۔

وکان عالما متبحرا کثیرا المطالعة واسع الاطلاع له قلم سیال وفکر حافل فی التالیف (ص ۴۰ نزھۃ الخواطر)

آگے چل کر ان کی فقہی بصیرت کا اعتراف کرتے ہوئے یوں لکھا ہے۔

یندر نظیره فی الاطلاع علی الفقه الحنفی وجزئیاته (۱۴۱ ایضا)

مولانا احمد رضا قادری فاضل بریلوی نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی تھی کہ اے رب کریم۔ مجھے ایسی اولاد سے سرفراز فرما جو عرصہ دراز تک تیرے دین اور تیرے بندوں کی خدمت کرے ایک بار جبکہ آپ اپنے مشائخ سلسلہ کے آستانے پر (مارہرہ مطہرہ ضلع

ایٹہ) حاضر تھے وہیں خواب دیکھا کہ ان کے گھر فرزند تولد ہوا ہے اور آپ نے خواب ہی میں اس کا نام آل رحمٰن رکھا اسی دوران مولانا سید شاہ ابوالحسن نوری مارہروی م ۱۳۲۴ھ نے بعد نماز عصر اچانک آپ سے فرمایا مولانا صاحب بریلی میں آپ کے گھر ایک صاحبزادے کی ولادت ہوئی ہے مجھے خواب میں بتایا گیا ہے کہ اس کا نام آل رحمٰن رکھا جائے جب میں بریلی آؤں گا تو اس بچے کو ضرور دیکھوں گا۔ دوسرے روز بریلی سے ولادت کی خبر پہونچی تو شاہ ابوالحسین نوری میاں نے ابوالبرکات محی الدین جیلانی نام تجویز فرمایا۔ محمد کے کے نام پر عقیقہ کیا گیا اور مصطفیٰ رضا کے عرف سے مشہور روز گار ہوئے۔

سید شاہ نوری میاں جب بریلی تشریف لائے تو اس وقت کل عمر چھ ماہ تھی اسی وقت آپ نے پیشنگوئی فرمائی کہ یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کریگا اور خدا کی مخلوق کو اس کی ذات سے بہت فیض پہونچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے اس کی نگاہِ کیمیا اثر سے لاکھوں گمراہ انسان دین حق پر واپس آئینگے اور یہ فیض کا دریا بہائے گا۔ یہ جملے ارشاد فرماتے ہوئے آپ کے دہن میں اپنی مبارک انگلیاں ڈالکر مُرید فرمایا اور اسی وقت جملہ سلاسل کی اجازت و خلافت سے نوازا اور اس طرح سید شاہ نوری میاں نے مولانا مصطفیٰ رضا نوری کو اپنی فیض بخشیوں سے گویا نور علی نور بنادیا۔

حضرت فاضل بریلوی نے اپنی نگرانی میں آپ کی تعلیم و تربیت کا انتظام فرمایا۔ مولانا رحم الٰہی مظفر مونگیری، ۱۳۶۱ھ (تلمیذ مولانا سید عبدالعزیز انبیٹھوی، ۱۳۳۴ھ تلمیذ علامہ عبد الحق خیر آبادی، ۱۳۱۶ھ اور مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی (تلمیذ مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی ۱۳۳۴ھ) آپ کے خصوصی اساتذہ کرام ہیں۔

مولانا محمود احمد قادری مظفر پوری تحریر کرتے ہیں مولانا ظفر الدین (بہاری) ومولانا سید شاہ عبدالرشید (عظیم آبادی) دارالافتاء (بریلی) میں کام کررہے تھے۔ ایک دن آپ

دارالافتاء میں پہونچے۔ مولانا ظفر الدین صاحب فتویٰ لکھ رہے تھے مراجع کے لئے اٹھ کر فتاویٰ رضویہ الماری سے نکالنے لگے، حضرت مفتی اعظم ہند نے فتاوی رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہیں، مولانا نے فرمایا اچھا تم بغیر دیکھے لکھدو تو جانوں میں نے فوراً لکھ دیا۔ وہ رضاعت کا مسئلہ تھا۔ یہ آپ کا پہلا جواب تھا یہ واقعہ ۱۳۲۸ھ کا ہے۔ اصلاح کے لئے اعلیٰحضرت (فاضل بریلوی) کی خدمت میں پیش کیا۔ صحت جواب پر امام اہلسنت بہت خوش ہوئے اور صح الجواب بِعَونِ اللّٰہِ العَزیزِ الوَّھابِ لکھکر دستخط ثبت فرمایا اور ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن محمد عرف مصطفےٰ رضا کی مہر مولانا حافظ یقین الدین (بریلوی) سے بنوا کر عطا فرمائی (ص ۲۲۳۔۲۲۴ تذکرہ علمائے اہلسنت مطبوعہ کانپور ۱۹۷۱ء ۱۳۹۱ھ

حج وزیارت حرمین شریفین کی سعادت دوبار آپ کو تقسیم ہند سے قبل حاصل ہوئی تیسری بار ۱۹۷۱ء ۱۳۹۱ء میں اس شان کے ساتھ عازم حرمین شریفین ہوئے کہ باوجود یکہ بہت سے علماء کرام کے نزدیک حج کے لئے فوٹو جائز ہے مگر آپ کی عزیمت کی بنیاد پر بین الاقوامی رائج الوقت عمل کے خلاف بغیر فوٹو کے پاسپورٹ حاصل ہوا اور سفر حج کے دوران جہاز میں کوئی ٹیکہ وغیرہ بھی نہ لگوا کر احتیاط وتقویٰ کی اس دور میں ایک روشن مثال قائم کردی اور ضعف ونقاہت کے باوجود جس نشاط اور مستعدی اور شیفتگی و وارفتگی کے ساتھ مناسک حج ادا کئے وہ ہم سب کے لئے قابلِ رشک ہے مولانا خالد علی خاں بریلوی اور مولانا عبدالہادی افریقی بریلی سے مکمل طور پر شریک سفر رہے۔ یہ حضرات ارض حجاز کے ایماں افروز اور رقت انگیز واقعات بتلاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عاشق وارفتہ جگر ہے جو مکہ مکرمہ کے اماکن مبارکہ اس کی شاہراہوں اور مدینہ کے مقامات مقدسہ اور اس کی روح پرور گلیوں اور اس کے درودیوار پہ اپنا سب کچھ نثار کرنے کی آرزو میں تڑپ رہا ہے اور دیوانہ وار ہر طرف اس کی نگاہیں اٹھ رہی ہیں۔

خانوادۂ رضویہ جو عشق و محبت رسول کی سرشاری میں ممتاز اور شہرہ آفاق ہے اس کے آپ سراپا نمونہ تھے۔ کیونکہ آپ کا دل بھی کشتۂ تیغ ابروئے محمد تھا (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں۔

چارہ گر ہے دل تو گھائل عشق کی تلوار کا
کیا کروں میں لیکے پھاہا مرہم زنگار کا
از سر بالین من بر خیز اے ناداں طبیب
ہو چکا تجھ سے مداوا عشق کے بیمار کا

جانِ ایماں ہے محبت تری جانِ جاناں
جس کے دل میں یہ نہیں خاک مسلماں ہوگا
آہ پورا مرے دل کا کبھی ارماں ہوگا
کبھی دل جلوہ گہ سرورِ خوباں ہوگا

میرا گھر غیرت خورشیدِ درخشاں ہوگا
خیر سے جانِ قمر جب کبھی مہماں ہوگا
ظلمتِ قبر کا کیا خوف مجھے اے نوری
جب مرے قلب میں ایمان کا لمعاں ہوگا

سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہایت گہرا تعلق خاطر اور والہانہ قلبی لگاؤ تھا چنانچہ انکی شان میں عرض گزار ہیں۔

ترا جلوہ نورِ خدا غوثِ اعظم
ترا چہرہ ایماں فزا غوثِ اعظم

خدا ساز آئینہ حق نما ہے
ترا چہرہ پر ضیاء غوث اعظم
جھلک روئے انور کی اپنی دکھا کر
تو نوری کو نوری بنا غوث اعظم

کھلا میرے دل کی کلی غوثِ اعظم
مٹا قلب کی بے کلی غوثِ اعظم
قدم گردنِ اولیاء پر ہے تیرا
تو ہے رب کا ایسا ولی غوث، اعظم
خدا ہی کے جلوے نظر آئے جب بھی
تری چشمِ حق بیں کھلی غوث اعظم

تجلی نورِ قدم غوثِ اعظم
ضیائے سراج الظلم غوثِ اعظم
ترا حل ہے تیرا حرم غوثِ اعظم
عرب تیرا، تیرا عجم غوثِ اعظم
کرم آپ کا ہے اعم غوثِ اعظم
عنایت تمہاری اتم غوثِ اعظم
چلا ایسی تیغِ دو دم غوثِ اعظم
کہ اعداد کے سر ہوں قلم غوثِ اعظم
یہ دل یہ جگر ہے یہ آنکھیں یہ سر ہے

جہاں چاہو رکھو قدم غوث اعظم
تمہارے کرم کا ہے نوری بھی پیاسا
ملے یم سے اس کو بھی نم غوث اعظم

الحاج حافظ نواب رحمت نبی خاں بریلوی، (ساکن کملا نہرو مارگ سول لائن بریلی)
بیان فرماتے ہیں کہ انہیں مدتوں سے ایک شیخ کامل کی تلاش تھی متعدد خانقاہوں اور مقامات مقدسہ کی زیارت کو گئے لیکن ان کا دل کہیں جم نہ سکا مرشد طریقت بھی قادری سلسلہ کا ہونا چاہئے تھا اس لئے تلاش شیخ میں بے قرار ہو کر بغداد معلی پہنچے کہ وہاں کے سجادہ نشین سے بیعت ہو جائیں مگر عقیدت کیش مسافر کو جس طرح کے رہنما اور راہبر کی ضرورت تھی وہ یہاں بھی میسر نہ آ سکا اور انکا دل مطمئن نہ ہوا اور جب اضطراب دل حد سے سوا ہوا تو محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں ان کے مچلتے ارمانوں کو قرار بخشا اور ہونے والے مرشد کامل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ''جاؤ ان سے بیعت ہو جاؤ یہ میرے نائب ہیں۔'' چنانچہ ۱۹/ذوالحجہ ۱۳۸۵ھ کو آپ نے حضرت مفتی اعظم ہند کی بارگاہ میں حاضری دی اور بیعت وارادت کا شرف حاصل کیا یہ سچا واقعہ جناب نواب رحمت نبی خاں نے رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ میں جبکہ میں خانقاہ رضویہ بریلی سے ان کے دولت کدہ پر حاضر ہوا تو بیان کیا اور اسے اپنی ایک کتاب میں تحریر بھی فرمادیا ہے۔

سادات کرام سے بھی بے پناہ عقیدت تھی تیسرے سفر حج ۱۳۹۱ھ میں آپ کو معلوم ہوا کہ خانوادۂ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک بزرگ حضرت سید عبدالمعبود الجیلانی البغدادی جن کی عمر اس وقت ایک سو انچاس سال کی تھی وہ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہیں۔ آپ بصد شوق ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کمرے میں پہونچے سید صاحب استقبال کے لئے اٹھنے لگے تو آپ نے ان کا قدم چوم لیا۔ اور پھر احتراماً عام لوگوں کی صف میں بیٹھنا چاہا مگر انہوں نے آپ کو اپنی مسند سے قریب بغل میں بٹھالیا۔ سید صاحب

نے اثناء گفتگو میں ارشاد فرمایا بفضلہٖ تعالیٰ میں نے ۸۰ حج کیے ہیں۔ اعلیٰحضرت شیخ احمد رضا قادری سے بریلی میں میری ملاقات بھی ہوئی ہے وہ مجھ سے عمر میں تیس سال چھوٹے تھے یہ واقعہ آپ کی ولادت سے قبل کا ہے۔ اس کے بعد سید صاحب نے حضرت فاضل بریلوی کی دینی و علمی خدمات پر روشنی ڈالی اور پھر یہ خواہش ظاہر کی کہ شیخ احمد رضا قدس سرہ کی یہ نعت شریف۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

کسی کو یاد ہو تو سنائے۔ چنانچہ مولانا عبدالہادی افریقی و دیگر حضرات نے ترنم سے پڑھا تو ساری فضا جذب و عشق کے عطر و عنبر سے مہلک اٹھی۔ دو زانو بیٹھ کر سید صاحب نے سر جھکا کر پوری نعت سماعت فرمائی اور آخر میں بزبان عربی اپنی ایک نعت شریف سنا کر حاضرین کو محظوظ فرمایا۔

احترام سادات کا ایک دوسرا واقعہ بھی نہایت ایمان افروز ہے انتقال کی شب جبکہ لوگ تیمارداری میں مصروف تھے ایک سید صاحب بھی وہاں تھے اور وہ بھی خدمت میں لگے ہوئے تھے کہ اچانک آپ نے آنکھ کھولی اور فرمایا یہاں کوئی سید صاحب ہیں؟ مجھے خوشبو محسوس ہو رہی ہے لوگوں نے عرض کیا جی حضور! فلاں سید محمد حسین صاحب ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدمت کر کے مجھے گنہگار نہ بنائیں آپ صرف میرے حق میں دعائے خیر فرمائیں اور بس!

احترام نسبت کا یہ عالم تھا کہ دوسرے سفر حج میں جب آپ غار ثور کی زیارت کے بعد غار حراء کے قریب پہونچے تو اپنا عمامہ مبارکہ، جبہ، صدری، کرتا سب اتار کر زمین پر رکھدیا۔ اس وقت سوزش عشق سے آپ کا قلب تپاں تھا اور آنکھوں سے اشک رواں غار کے اندر گئے تو اس کی پاک مٹی بدن پر ملنے لگے اور اس کے ذرات سے اپنی پیشانی کو اس

طرح چمکایا کہ کہکشاں کا جمال اور آفتاب نمیروز کی شعائیں بھی اس کی تابانیوں پر قربان ہونے لگیں۔اور چہرۂ مبارک لطافت ورعنائی اور طلعت وزیبائی کا ایک خوبصورت موقع بن گیا۔

ایک بار مواجہہَ اقدس میں صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے بعد حرم شریف کے ایک خادم سے جھاڑو لے کر درود وسلام پڑھتے ہوئے اس مبارک سرزمین کو بہارا۔اس وقت کے آپ کے جذب وشوق کا کیف وسرورنا قابل بیان ہے۔آپ نے ایک بار لغت پاک میں فرمایا تھا۔

خدا خیر سے لائے وہ دن بھی نوریؔ
مدینہ کی گلیاں بہارا کروں میں

اس کو سچ کر دکھایا۔

اس سفر میں آپ نے مکہ معظّمہ میں ان علماء حرمین سے بھی ملاقات کی جنہوں نے حضرت فاضل بریلوی سے ان کے وقت میں حرمین طیبین میں ملاقات واستفادہ کیا تھا۔یہ حضرات سید یحییٰ عمان علیہ الرحمہ کے تلامذہ میں سے ہیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں (۱) سید امین قطبی (۲) سید عباس علوی (۳) سید محمد نور۔ان تینوں حضرات نے حضرت فاضل بریلوی کے دور کے حالات وواقعات بتلائے ان کے علم وفضل کی تعریف وتوصیف کی،اور حضرت مفتی اعظم سے خلافت حاصل کی۔

خاندانی بزرگوں کی طرح آپ کی نعتیہ شاعری بھی بڑے پائے کی ہے اخلاص قلب اور عشق صادق جو معنوی لحاظ سے نعتیہ شاعری کے اجزائے ترکیبی ہیں وہ آپ کے اندر بدرجہ اتم تھے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

طبق پر آسماں کے لکھتا میں نعتِ شہ والا
قلم اے کاش مل جاتا مجھے جبریل کے پر کا

جو آب و تابِ دندانِ منور دیکھ لوں نوریؔ
مرا بحر سخن سر چشمہ ہو خوش آب گوہر کا

وصف کیا لکھے کوئی اس مہبطِ انوار کا
مہر و مہ میں جلوہ ہے جس چاند سے رخسار کا

عرش اعظم پر پھریرا ہے شہ ابرار کا
بجتا ہے کونین میں ڈنکا مرے سرکار کا

دو جہاں میں بٹتا ہے باڑا اسی سرکار کا
دونوں عالم پاتے ہیں صدقہ اسی دربار کا

جاری ہے آٹھوں پہر لنگر سخی دربار کا
فیض پر ہر دم ہے دریا احمد مختار کا

فق ہے چہرہ مہر و مہ کا ایسے منہ کے سامنے
جسکو قسمت سے ملے بوسہ تری پیزار کا

کعبہ و اقصیٰ و عرش و خلد ہیں نوریؔ مگر
ہے نرالا سب سے عالم جلوہ گاہِ یار کا

قفسِ جسم سے چھٹتے ہی یہ پراں ہوگا
مرغِ جاں گنبد خضرا پہ غزل خواں ہوگا

جانِ ایماں ہے محبت تری جانِ جاناں
جسکے دل میں یہ نہیں خاک مسلماں ہوگا

نورِ ایماں کی مشعل رہے روشن پھر تو
روز و شب مرقد نوریؔ میں چراغاں ہوگا

اپنے والد ماجد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آپ نے بھی فقہ وافتاء میں کمال حاصل کیا۔ایک لاکھ سے زائد فتاویٰ آپ کے قلم سے نکلے جن کے کچھ نمونے فتاویٰ مصطفویہ اول و دوم میں موجود ہیں۔ ہندو پاک کے طول و عرض میں سیکڑوں اہل نظر فقیہ و مفتی اپنے الجھے ہوئے مسائل آپ کی خدمت میں لے جاکر حل کراتے اور ہر پیدا ہونے والے مسئلے میں فیصلہ کے لئے نگاہیں آپ ہی کی طرف اٹھتی تھیں۔فیلڈ مارشل جنرل ایوب خاں کے دور میں پاکستان کی ایک سرکاری رویت ہلال کمیٹی کے بارے میں مولانا سید ریاست علی قادری (کراچی) کی کتاب مفتی اعظم ہندو مدظلہ سے ماخوذ ایک مسئلہ ملاحظہ فرمائیں جس سے عالم اسلام میں آپ کی مرکزیت و مرجعیت واضح ہو جاتی ہے۔

ایک مرتبہ عید کے موقع پر ۲۹ ر رمضان المبارک کو اس کمیٹی کے چند افراد ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند دیکھنے گئے ان لوگوں کو چاند نظر آ گیا اور انہوں نے اس کی اطلاع حکومت کو دیدی جس کے نتیجے میں حکومت نے رویت ہلال کا اعلان کر دیا۔بعض علماء کی مخالفت کی بناء پر دنیائے اسلام کے بیشتر ممالک کے مفتیان کرام سے فتویٰ مانگا گیا اور ایک استفتاء مفتیٔ اعظم ہند (بریلی شریف) کی خدمت میں بھی روانہ کیا گیا دنیا کے تمام مفتیوں نے رویت ہلال کمیٹی (پاکستان) کی تائید کی مگر مفتی اعظم ہند نے اس کے خلاف یہ فتویٰ صادر فرمایا۔

چاند کو زمین سے دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا شرعی حکم ہے اور جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں شرعی شہادت پر قاضی حکم دے گا۔چاند کو سطح زمین یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ملی ہو دیکھنا چاہئے رہا جہاز سے دیکھنا تو یہ غلط ہے کیونکہ چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا ہے اس لئے کہیں چاند ۲۹ ر کو اور کہیں ۳۰ تاریخ کو نظر آتا ہے اور جہاز سے چاند دیکھ کر رویت کا اعلان درست ہوتا تو مزید بلندی پر جانے کے بعد چاند ۲۷ اور ۲۸ تاریخ کو بھی نظر آ سکتا ہے تو کیا ۲۷ اور ۲۸ تاریخ کو چاند دیکھ کر یہ حکم دیا جا سکتا ہے کہ اگلے روز عید یا بقر

عید جائز ہے اسطرح جہاز سے چاند دیکھ کر یہ فتویٰ صادر کرنا کہ ۲۹ رکا چاند دیکھنا معتبر ہے بھلا کس طرح صحیح ہوگا:

یہ تحقیقی فتویٰ چونکہ دوسرے مفتیوں کی رائے کے خلاف تھا اس لئے نہایت تہلکہ خیز ثابت ہوا تقریباً سارے پاکستانی اخبارات نے اسے جلی سرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔حکومت پاکستان نے ۲۷، ۲۸ رتاریخوں میں اگلے ماہ ہوائی جہاز سے اس کی تصدیق کرائی تو مزید بلندی پر ان تاریخوں میں بھی چاند نظر آ گیا۔تب سے ہوائی جہاز سے چاند دیکھنے کا سلسلہ منسوخ ہوگیا اور رویت ہلال کمیٹی ہی توڑ دی گئی اور حضرت مفتی اعظم کی دقتِ نظر اور فقیہانہ بصیرت کو گویا عالمی سطح پر ہر ایک نے تسلیم کرلیا۔اس کے علاوہ موجودہ پیدا شدہ حالات کے پیش نظر سیکڑوں مسائل پر حضرت کے محققانہ فتاویٰ موجود ہیں اور جنہیں پوری دنیا کے اہلسنت و جماعت تسلیم کرتے ہیں۔

مطبوعہ تصنیفات و تالیفات آپ کی بہت زیادہ نہیں مگر جو ہیں ان سے آپ کے بے پناہ علم وفضل اور ذہانت وطباعی و دوراندیشی وژرف نگاہی کا اندازہ ہوتا ہے چند کتابیں یہ ہیں۔

(۱) فتاویٰ مصطفویہ اول و دوم (یہ دونوں حصے مکتبہ رضا بیسل پور پیلی بھیت سے شائع ہوئے ہیں باقی حصص زیر طبع ہیں۱۲) (۲) الملفوظ اول تا چہارم (۳) حاشیہ الاستمداد (۴) الموت الاحمر (۵) ہشتاد بید و بند (۶) وقعات السنان (۷) ادخال السنان (۸) طرق الہدیٰ والارشاد (۹) مسائل سماع (۱۰) القول العجیب (۱۲) الحجۃ الباہرۃ (۱۳) طرد الشیطان (۱۴) تنویر الحجہ (۱۵) وقایۃ اہل السنہ (۱۶) مقتل کذب وکید (۱۷) کشف ضلال (۱۸) سیف الجبار (۱۹) نور العرفان (۲۰) سامان بخشش (مجموعہ کلام) (۲۱) الطاری الداری تین حصے۔

آپ کے اندر ایمانی جرأت ایسی تھی کہ بلا خوف لومۃ لائم ہر صحیح بات بر ملا کہتے اور

اس میں کسی طرح کی مداہنت اور بے جا رعایت کے قائل نہ تھے جب کوئی خلاف شرع کام دیکھتے فوراً ٹوکتے بے داڑھی والا مسلمان سامنے آتا تو اس کو سختی کے ساتھ داڑھی رکھنے کی تاکید کرتے محافل میلاد اور جلسوں میں کوئی نعت خواں غلط شعر پڑھ دیتا جس میں شرعی سقم ہوتا یا کوئی خطیب و واعظ مسئلہ یا روایت بیان کرتا تو فوراً وہیں مجمع عام میں اس کی اصلاح کرتے اس سے توبہ کراتے۔ اگر کوئی ننگا سر سامنے آتا۔ اس کو بھی برداشت نہ فرماتے۔ اس طرح کے نہ جانے کتنے واقعات پیش آئے جن سے قریب رہنے والے ہزاروں علماء و عوام بخوبی واقف ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد کہ مسلمان اور ہندو دونوں ایک دوسرے کے خلاف سخت مشتعل تھے اور برصغیر ہند میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی جارہی تھی اور صبح و شام خوف و ہراس کے گزر رہے تھے بالخصوص ان علاقوں میں جہاں مسلمان نقارۂ رحیل بجا کر اپنا رخت سفر باندھ رہے تھے ایسے ہنگامہ خیز دور میں آپ مسجد میں ہی نماز ادا کرنے جاتے، اور لوگوں کے منع کرنے کے باوجود اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کرتے اور وقت پر مسجد پہنچ جاتے۔ دنیا آج بھی جا کر دیکھ سکتی ہے کہ محلہ سوداگران بریلی میں صرف آپ کا ایک خاندان آباد ہے بقیہ سب ہندو ہیں جن میں کثیر تعداد نارتھیوں کی ہے۔

آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے عظیم الشان دینی خدمات انجام دی ہیں۔ ہمیشہ گمراہوں کو راہ ہدایت دکھاتے رہے اور اپنے چند جملوں سے قلوب کی تسخیر کا آپ وہ کارنامہ انجام دیتے جو اوروں کی سیکڑوں تقاریر پر بھاری ہوتے۔ آپ کی دلکش اور مقدس صورت دیکھ کر بے شمار غیر مسلم آپ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور ہزاروں بدعقیدہ آپ کی صورت زیبا دیکھ کر آپ کے تبلیغی جذبے سے متاثر ہو کر بدعقیدگی سے تائب ہوئے۔

بیعت و ارشاد کے سلسلے میں تو اپنے دور میں آپ بے مثیل و بے نظیر تھے اور ایسا عارف

کامل و مرد مومن جس کی نگاہِ حق بیں شریعت وطریقت کے اسرار ورموز اور ان کی تہ تک فوراً پہنچ جائے اور جس کے دامن کرم سے وابستہ مریدوں کی تعداد ایک کروڑ سے زائد اور دلوں پر اس کی سلطانی وحکمرانی مسلم ہو اس کی مثال عالم اسلام میں ہمیں کہیں نظر نہیں آتی۔

افسوس کہ عرب وعجم کا یہ فقید المثال مرشد وشیخ طریقت شب پنجشنبہ ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء ایک بجکر چالیس منٹ پر مسلمانان عالم اور کروڑوں عقیدت مندوں کو اچانک داغ مفارقت دے گیا۔ بی بی سی لندن، آل انڈیا ریڈیو پاکستان ریڈیو اور اخبارات ورسائل نے اس المناک و وحشت ناک حادثہ کی خبر ساری دنیا میں پھیلا دی۔ جس سے مسلمانوں پر ایک بجلی سی گر پڑی اور سوداگروں کے قافلے بریلی کی جانب چل پڑے کاروں، بسوں، ٹرینوں اور ہوائی جہازوں سے علماء وفضلاء مختلف ممالک کے سفراء ونمائندگان حکومت تقریباً دس لاکھ کی تعداد میں جمع ہو گئے۔ تین بجکر بیس منٹ پر بعد نماز جمعہ اسلامیہ کالج بریلی کے وسیع وعریض میدان میں حضرت مولانا سید مختار اشرف صاحب مدظلہ سجادہ نشین سرکار کلاں کچھوچھہ مقدسہ ضلع فیض آباد نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے بعد خانقاہ عالیہ رضویہ میں حضرت فاضل بریلوی کے پہلو میں آپ کو سپرد لحد کیا گیا۔ جہاں کے انوار وتجلیات کا چشم سر سے مشاہدہ کر کے زبان خلق پکار اٹھی۔

نصیب تیرا چمک اُٹھا دیکھ تو نوری
عرب کے چاند لحد کے سرہانے آئے ہیں

ماہنامہ استقامت کانپور ۱۹۸۳ء

☆☆☆

ماہ رضا

دور حاضر کے عظیم قائد ولی کامل اور عارف باللہ کی سوانح حیات

(مضمون تصوف وقار صدیقی)

چاند نے جب زمین کی طرف اترنا شروع کیا تو وہ زمین سے کئی گنا زیادہ بڑا تھا مگر وہ جس رفتار سے کرۂ ارض سے قریب تر ہورہا تھا اس کا حجم گھٹ رہا تھا روشنی بڑھ رہی تھی یہاں تک کہ اتنا مختصر ہوا کہ وہ آسانی سے پیکرِ علوم و معارف کی گود میں سما گیا۔

یہ خواب مجدد وقت امام اہلسنت مبلغ عشق رسول اعلیٰحضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے مارہرہ میں ۲۵ رجمادی الثانی ۱۳۱۰ھ کی منور رات میں دیکھا تھا خواب کی جزئیات سمٹ کر تعبیر بنیں تو آپ نے بیدار ہو کر دوگانۂ شکر ادا کیا اور دو رکعتوں میں سورۂ رحمٰن کی تلاوت مکمل کی دعا کے بعد آپ نے اس بیٹے کا نام آل رحمٰن رکھنے کا فیصلہ کیا جس کی ولادت کی روشن بشارت خواب میں دی گئی تھی۔

اُسی دن مصر کے قطبِ عالم حضرت شاہ آلِ رسول کے جانشین عالی مقام قدوۃ السالکین حضرت شاہ ابوالحسین نوری نے آپ کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک مبارک و مسعود فرزند عطا فرمادیا ہے نومولود کا نام آل رحمٰن رکھئے۔ میں پہلی فرصت میں بریلی آکر آپ کے بیٹے کی روحانی امانتیں اس کے سپرد کردوں گا۔

اعلیٰحضرت اسی دن مارہرہ سے بریلی پہنچے بیٹے کو سینے سے لگایا اور پیشانی چوم کر کہا۔

''خوش آمدید ولی کامل''۔

اعلیٰحضرت کو بیٹے کی ولادت پر سب سے پہلی مبارکباد استاذ الاساتذہ حضرت مولانا شاہ رحم الٰہی منگلوری نے پیش کرتے ہوئے کہا کسی کوشش کے بغیر ایک مادۂ تاریخ زبان پر آ گیا ہے جو بلند اقبال شہزادے کے سالِ ولادت کو ان کے تابناک مستقبل کے ساتھ ظاہر کرتا ہے۔

اعلیٰحضرت نے مادۂ تاریخ ولادت سنکر فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کی زبان مبارک پوری کرے مگر میں تو دین کا ادنیٰ خادم ہوں اور میری دلی تمنا یہ ہے کہ میرا بیٹا بھی دین کی خدمت کو ہی اپنا شعار بنائے۔

اعلیٰحضرت نے محمد کے نام پر بیٹے کا عقیقہ کیا حالانکہ آل الرحمٰن نام تجویز کیا جا چکا تھا۔

اسم محمد کی برکتوں اور سعادتوں کا کوئی شمار نہیں کر سکتا مگر ان برکتوں اور سعادتوں کے ساتھ اعلیٰحضرت کی نگاہِ بصیرت نے اسم محمد پر عقیقہ کرتے ہوئے کچھ اور بھی دیکھ لیا تھا اور لوحِ محفوظ کا یہ راز اس وقت آشکارا ہوا جب مفتی اعظم نے ۹۲ سال کی عمر میں وصال فرمایا اور عمر کو اسم محمد کا عدد پایا گیا۔

۱۸ رذی الحجہ ۱۳۱۰ھ کو حضرت شاہ ابوالحسین نوری حسبِ وعدہ مارہرہ سے بریلی تشریف لائے اور محمد آل رحمٰن کو گود میں لے کر دیر تک یکسوئی سے دیکھتے رہے پھر پیشانی چوم کر کہا مولانا یہ تو مادرزاد ولی ہے! برکتوں کے اعتبار سے ابوالبرکات اور مرتبۂ فنائیت میں محی الدین جیلانی ہے۔ اس انکشاف کے بعد حضرت شاہ ابوالحسین نوری نے اپنی انگشت شہادت محمد آل رحمٰن ابوالبرکات محی الدین جیلانی کے منہ میں ڈالی تو وہ شیر مادر کی طرح چوسنے لگے اور چاروں سلاسل ولایت کے بحر بیکراں سے سیراب ہو گئے۔ حلقۂ بیعت میں لے کر اور قادری نسبت کا دریائے فیض بنا کر حضرت شاہ ابوالحسین نوری نے ابوالبرکات کو اعلیٰحضرت کی گود میں دیتے ہوئے کہا مبارک ہو آپ کی یہ قرآنی آیت وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ

اَهلِیٰ کی تفسیر ہو کر آپ کی گود میں آ گئی ہے۔

"آل رحمٰن۔ محمد۔ ابوالبرکات۔ محی الدین جیلانی۔ مصطفےٰ رضا"۔

اس نام پر اگر غور کیا جائے تو سب سے پہلے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب کسی میں محاسن کی کثرت ہوتی ہے تو اس کا ہر نام تشنۂ توصیف محسوس ہوتا ہے اور ذوق ستائش کسی جامع الصفات شخصیت کو مختلف ناموں سے پکارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس نام میں پہلی نسبت رحمٰن الرحیم سے ہے۔ دوسری نسبت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہے، تیسری نسبت سیدنا غوث الاعظم سے تیسری نسبت کے بعد عزیمت میں امام اہلسنت اعلیٰحضرت کی نسبت ملحوظ رکھی گئی ہے یہ اہتمام تو اکابرین ملت کی بالغ نظری نے کیا تھا مگر لاکھوں افراد نے جب اس سرچشمۂ ہدایت سے قریب آ کر استدادۂ فیوض کیا وہ بھی اپنے جذبۂ ستائش پر قابو نہ پا سکے آج وہ مختلف ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے اسمائے صفات کا پرتو انہی پر ڈالتا ہے جو اسکی بارگاہ میں مقبول ہو جاتے ہیں۔

مصطفےٰ رضا جب سخن آموزی کی منزل عبور کر چکے تو اعلیٰحضرت نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ حامد رضا سے کہا میری مصروفیات سے تم باخبر ہو تم اپنے بھائی کو قرآن پڑھاؤ بڑے بھائی اپنے چھوٹے بھائی سے عمر میں ۱۸ر سال بڑے تھے۔

چند دن میں ہی بڑے بھائی کو اندازہ ہو گیا کہ چھوٹا بھائی سراپا ذہانت ہے وہ بڑی محبت اور لگن کے ساتھ انکو پڑھانے لگے اور صرف تین سال میں تکمیل تلاوت ہو گئی۔ اعلیٰحضرت نے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا شاہ رحم الٰہی کو بلا کر کہا۔ "مصطفےٰ رضا کو آج سے آپ اور مولانا بشیر احمد علیگڑھی پڑھا سکیں گے اور آپ کی محنتیں انشاءاللہ سرخرو ہوں گی۔"

میں اپنے لئے یہ بڑا اعزاز سمجھتا ہوں کہ آپ نے مستقبل کے مجدد کی تعلیم کے لئے مجھے منتخب فرمایا ہے لیکن مجھے یہ بھی یقین ہے کہ حقیقی تعلیم و تربیت آپ ہی فرمائیں گے کیوں کہ صاحبزادے صاحب جو آثارِ بزرگی میں ابھی سے دیکھ رہا ہوں وہ حیرت انگیز ہیں۔ تعلیم کا

باقاعدہ آغاز ہوا تو آپ کی ذہانت کا سب کو اعتراف کرنا پڑا ہر سبق ایک بار پڑھ کے یاد کرلیا کرتے تھے ایک دن آپ مسجد میں بند کتاب سامنے رکھے بغور اُسے دیکھ رہے تھے کہ مولانا بشیر احمد وہاں پہنچ گئے اور آپ کے اُس عالم کو دیکھ کر دریافت کیا بند کتاب کو دیکھنے سے کیا فائدہ حاصل کررہے ہو آپ نے کھڑے ہو کر سلام کیا اور کہا میں اس امکان کا جائزہ لے رہا تھا کہ بند کتاب بھی پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں۔"

پھر آپ کس نتیجے پر پہنچے؟ مولانا بشیر احمد نے دوسرا سوال کیا۔

"بند کتاب بھی کھلی کتاب کی طرح پڑھی جاسکتی ہے"۔ آپ نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

مولانا بشیر احمد نے اس جواب سے لطف اٹھاتے ہوئے کہا آپ میں یہ صلاحیت ہونا ہی چاہئے آپ پر غوث اعظم کا سایہ رحمت ہے۔ مولانا بشیر احمد نے جب اس واقعہ کا تذکرہ مولانا رحم الہیٰ منگلوری سے کیا تو انہوں نے کہا ابھی تو نہ جانے کیا کیا انکشافات اور ہوں گے۔ صاحبزادے صاحب کے احوال کو راز رکھنے کی کوشش کیجئے میں بھی اب تک بعض حیرت انگیز خصوصیات دیکھ چکا ہوں مگر میں نے آپ کو نہیں بتایا اب جبکہ آپ صاحبزادے کی روحانی قوت سے آگاہ ہو چکے ہیں اس لئے میں آپ کو صرف ایک ایسا واقعہ بتاتا ہوں جس نے مجھے پہلی بار چونکا دیا تھا۔

ایک دن میں درس دے رہا تھا مگر ذہن بار بار گھر کی طرف چلا جاتا تھا کیوں کہ جب میں مدرسے کے لئے گھر سے چلا تھا اس وقت میرے چھوٹے بیٹے کو شدید بخار تھا اور ہوش میں نہیں تھا درس کا تقاضا تھا کہ میں درس ہی کی طرف متوجہ رہوں بچے کے لئے دل تڑپ رہا تھا اس ذہنی کشمکش کے نتیجے میں، میں اپنی شگفتگی کو برقرار نہ رکھ سکا جو دورانِ درس میرا معمول تھا۔ میں نے بچے کی حالت کا ذکر طلبہ سے نہیں کیا تھا مگر صاحب زادے نے نہ صرف یہ کہ اس تبدیلی کو محسوس کرلیا بلکہ ذہنی انتشار کا سبب بھی دریافت کرلیا اور مجھ سے کہا

اگر اجازت ہوتو میں آپ کے گھر جا کر بیمار کی خیریت معلوم کر آؤں میں نے اضطراری طور پر انہیں جانے کی اجازت دے دی اور اس وقت یہ بھی نہ سوچ سکا کہ میرے بیٹے کی علالت کا حال صاحب زادے کو کیسے معلوم ہوگیا۔ بہرکیف آپ جب واپس آئے تو بتایا الحمدللہ بخار اتر چکا تھا۔ آپ کے فرزند خود دودھ طلب کر کے پی چکے ہیں جب میں گھر پہنچا تو اہلیہ نے بتایا کہ جب صاحبزادے صاحب آئے تھے آپ کے بیٹے کی حالت پہلے سے زیادہ خراب ہو چکی تھی میں نے انہیں دیکھتے ہی کہا تھا کہ وہ آپ کو فوراً بلا لائیں مگر انہوں نے میری بات نظر انداز کر کے کچھ پڑھنا شروع کیا اور پھر جیسے ہی بیمار پر دم کیا اس کے مسامات سے پسینہ پھوٹ پڑا اور چند لمحوں میں بخار اتر گیا بیٹے نے آنکھیں کھول کر ماں کی طرف دیکھا اور کہا مجھے بھوک لگ رہی ہے مجھے کچھ کھانے کو دو۔''

ایک مرتبہ ایک طالب علم نے آپ سے پوچھا: آپ کی یادداشت اتنی اچھی کیوں ہے کہ کبھی کچھ بھولتے ہی نہیں۔ آپ حافظے کو تقویت پہنچانے کے لئے کیا کیا کھاتے ہیں؟

حافظہ غذا سے نہیں عطا سے تعلق رکھتا ہے اگر حافظہ غذا سے تقویت پاتا تو کوئی صاحب ثروت غبی نہ ہوتا۔ بارگاہِ علیم سے وابستگی پیدا کرو۔ وہیں سے سب کچھ ملتا ہے۔

''خداداد ذہانت' لگن'' اعلیٰحضرت کی توجہ' اساتذہ کی محنت اور شیخ مکرم کی عنایات کے نتیجے میں آپ کم سنی ہی میں درسی علوم کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔

۱۳۲۸ھ میں جب آپ کا سن مبارک ۱۸ سال تھا آپ کسی کام سے دارالافتاء میں پہنچے تو وہاں مولانا ظفر الدین اور مولانا عبدالرشید فتویٰ دینے کے لئے رضاعت کے کسی مسئلے پر تبادلۂ خیال کر رہے تھے بات کچھ الجھی تو مولانا ظفر الدین اٹھے تاکہ الماری سے فتاویٰ رضویہ نکال کر اس سے روشنی حاصل کریں آپ نے حیرت سے پوچھا۔ کیا فتاویٰ رضویہ دیکھ دیکھ کے جواب لکھا جاتا ہے؟

جی ہاں......! جب الجھ جاتے ہیں تو فتاویٰ رضویہ ضرور دیکھ لیتے ہیں۔ ہزاروں مسائل

ہیں انہیں کہاں تک ذہن میں محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ہر مسئلے کا ہر مفتی اپنی یادداشت سے جواب دیکر مطمئن ہو جائے؟

میں اپنے بزرگوں کے علم کا وارث ہوں۔ فتویٰ کوئی کتاب دیکھے بغیر بھی دیا جا سکتا ہے لائیے کیا استفتاء ہے۔ میں اس کا جواب لکھتا ہوں"۔

مولانا ظفر الدین نے کاغذ آپ کو دے دیا تو آپ نے قلم برداشتہ جواب لکھ کر ان کے حوالے کر دیا اور جب فتویٰ اصلاح کیلئے اعلیٰحضرت کے پاس پہنچا تو جواب کی صحت دیکھ کر خوشی سے آپ کا چہرہ کھل اٹھا اور "صح الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب" لکھ کر دستخط فرمادیئے فتویٰ نویسی کے اس حسن آغاز پر اعلیٰحضرت نے بیٹے کو ایک مہر بنوا کر انعام میں دی جس پر "ابوالبرکات محی الدین جیلانی آلِ رحمٰن محمد عرف "مصطفےٰ رضا" تحریر تھا یہ مہر دینی شعور کی سند تھی اصابت فکر کا اعلان تھا۔

اعلیٰحضرت کی نگرانی میں تقریباً ۱۲ سال تک آپ نے فتویٰ نویسی کی تبلیغ دین کی تربیت حاصل کی روحانیت کے اعلیٰ مدارج طے کئے۔ مارہرہ کی حاضریاں جلوہ ساماں بنتی رہیں۔ آپ پر پہلا دور عزلت نشینی کا گزرا۔ بے ضرورت کسی سے کلام تک نہ کرتے تھے اور جو گفتگو ہوتی وہ بھی مختصر ہوتی۔ مجاہدات کے صبر آزما مراحل طے کرنے کے بعد منزل "ترک ترک" میں قدم رکھا تو لب خاموش نے پھول برسانا شروع کر دیئے۔ خلوتوں کی طرح محفلیں بھی مہکنے لگیں۔ روشنی کا ایک نیا دائرہ پھیل کر گمراہیوں کے اندھیروں کا جگر چاک کرنے لگا۔

اعلیٰحضرت جس عظیم مقصد کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے جب اس کی تکمیل ہو گئی تو مژدۂ وصال حق آ گیا۔ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو سفر آخرت سے کچھ پہلے اپنے چھوٹے بیٹے سے کہا سورۂ یٰسین سناؤ۔ والد محترم کے حکم کی تعمیل میں آپ نے تلاوت شروع کی تو وداعی لمحات کے احساس سے آواز گلوگیر ہو گئی۔ تلاوت سنکر گھر کے تمام افراد پر رقت طاری

ہوگئی۔ سلے ہوئے ہونٹ اور برستی ہوئی آنکھیں غم کے ماحول کو شدید سے شدید تر بنا رہی تھیں۔ اعلیٰحضرت نے تکمیل تلاوت کے بعد آنکھیں کھول کر مغموم چہروں پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر فرمایا: میں تم سے جدا ہو رہا ہوں مگر آنے والا لمحہ لمحہ وصال ہے۔ اس لمحۂ وصال کی تمنا میں ایک عمر تڑپ تڑپ کر گزاری ہے لوگو! مجھے مبارک باد دو۔ میری مسرتوں کو اشک آلود نہ کرو۔ یہ حامد رضا اور مصطفیٰ رضا تمہیں میرے فراق کو محسوس نہ ہونے دیں گے۔ یہ دونوں میرے ظاہر و باطن کا آئینہ ہیں۔ اللہ حافظ۔

اعلیٰحضرت کا جب وصال ہوا تو مصطفیٰ رضا کی عمر ۲۹ سال تھی۔ اور حامد رضا کی عمر ۴۷ سال تھی دونوں بھائیوں میں ایک مثالی محبت تھی اور یہ محبت ایک طرف شفقت اور ایک طرف ادب کا کامل نمونہ تھی۔ مسند افتاء پر حضرت مصطفیٰ رضا مفتی اعظم بن کر ابھرے۔ علم کے ایسے جوہر دکھائے کہ علمائے وقت نے انہیں اپنا پیشوا مان لیا۔ مگر مفتی اعظم کے فیوض کی کئی جہتیں تھیں اور ہر جہت آپ کی یکساں توجہ سے بہت پر کشش بن گئی تھی درس و تدریس کی نگرانی، دارالعلوم منظر اسلام اور مظہر اسلام کا انتظام و انصرام طلبہ کی فلاح و بہبود کی دیکھ بھال۔ ادارۂ تصنیفاتِ رضا کی نگرانی مسندِ افتاء پر جلوہ افشانی، تصنیف و تالیف کی مصروفیتیں، عبادت و ریاضت کا انہماک' جماعتِ اہلسنت کی تنظیم۔ دشمنانِ اسلام سے ہر محاذ پر معرکہ آرائی' بلا تفریق مذہب و ملت خدمت خلق اور اس کے ساتھ ہی لاکھوں مریدوں کی تربیت کی ذمہ داری۔ ایک ذات میں بیک وقت کتنے اوصاف جمع ہو گئے تھے اس کا شمار بھی آسان نہیں۔

مفتی اعظم خلق کی حاجت روائی کے لئے بڑی کثرت سے تعویذ لکھتے تھے اور لوگوں کو بہت فائدہ پہنچتا تھا۔ ان کے لکھے ہوئے تعویذ آج بھی لاکھوں گلوں اور بازوؤں کی زینت ہیں مگر یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ تعویذ اولیاء اللہ کے چہرے کے نقاب ہوتے ہیں۔ مشکل کشا ان کی نظر ہوتی ہے انکی دعائیں کارساز ہوتی ہیں مگر فائدہ اٹھانے والا تعویذ

کو چومتا ہے آنکھوں سے لگاتا ہے ہند سے اور حروف کی سعادتوں کے خیال میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور بیشتر اس کی نظر اس سرچشمہ فیض تک نہیں پہنچ پاتی جس کی وجہ نے مرادوں کے گلشن کو سیراب کیا ہے۔اولیائے کاملین حتی المقدور اپنے احوال باطن کو راز رکھتے ہیں۔مفتی اعظم مصطفےٰ رضا جامع شریعت وطریقت تھے۔شریعت پر طریقت کا اور طریقت پر شریعت کا حجاب تمام عمر ڈالے رہے۔علماء انکی علمی تجلیوں سے خیرہ تھے اور عالم دین کی حیثیت سے ان کے سامنے سرنیاز خم کرتے تھے مشائخ،فقراء اور مجذوب انہیں اپنے زاویہ نظر سے دیکھتے تھے۔جلوۂ ہزار رنگ نے سب کو مختلف انداز سے اپنا گرویدہ بنایا تھا مگر مادرزاد ولی پر ہمیشہ ولایت ہی کا غلبہ رہا۔ولی اپنے اخلاق کے حسن سے پہچانا جاتا ہے اس کا انکسار اس کی بزرگی کا اعلان کرتا ہے حقانیت کی ہمہ جہت پاس داری اور حق کی مسلسل تبلیغ سے حق آشکار کرتا ہے۔مسائل پر ہر وہ شخص گفتگو کرسکتا ہے جو علم رکھتا ہے۔حق وباطل میں خط امتیاز کھینچ سکتا ہے مگر دلوں میں حق کا نفوذ مشائخ،علماء ہی کر سکتے ہیں۔

مفتی اعظم کا سب سے بڑا کارنامہ ہی یہ ہے کہ وہ مجمع البحرین تھے اور علم وعرفان کے سنگم پر دریائے فیوض وبرکات کا پاٹ حدِ نظر سے بہت آگے تک پھیل گیا تھا۔آپ کے شب وروز پر جہاں تک نظر ڈالئے ایسا لگتا ہے کہ وہ ایک ایک لمحے کی قدر وقیمت سے آشنا تھے اور وقت کا بہترین مصرف انکے تصرف میں تھا۔آپ کی ہدایت کے دائرے نے تقریباً نصف کرۂ ارض کو آغوش میں لے لیا تھا۔عرب وعجم میں آپ کی عظمت کا سکہ ہمیشہ ہی چلتا رہے گا۔

ان کی عظمت کا پوچھنا ہی کیا — صورۃً غوث سیرۃً ہیں رضا

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے عرس میں شرکت کے لئے آپ دہلی تشریف لے گئے تو کوچہ چیلان میں قیام کیا وہاں ایک بدعقیدہ ملا آپ سے علم غیب کے مسئلے پر الجھ پڑا صاحب خانہ اشفاق احمد نے آپ سے مودبانہ گزارش کی ''حضور یہ کج بحث ہیں ان پر

کسی کی بات کا اثر نہیں ہوتا''۔ مفتی اعظم نے اپنے میزبان سے کہا'' یہ اس وقت تمہارے گھر پر تشریف لائے ہوئے ہیں ان کے متعلق تمہیں کوئی سخت بات نہ کہنا چاہئے۔ مولوی صاحب نے آج تک کسی کی بات سنی ہی نہیں اس لئے اثر بھی قبول نہیں کیا یہ تو صرف اپنی بات سناتے رہتے ہیں اور وہ بھی ان سنی کر دی جاتی ہیں۔ آج میں ان کی باتیں توجہ سے سنوں گا حاضرین بھی خاموشی سے سنیں مولوی سعید الدین انبالوی سے سوا گھنٹے تک یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا جب وہ تھک کر خاموش ہو گئے تو آپ نے فرمایا'' اگر کوئی دلیل تم اپنے موقف کی تائید میں بیان کرنا بھول گئے ہو تو یاد کر لو۔'' مولوی صاحب پھر جوش تقریر میں آ گئے اور پھر آدھے گھنٹے تک بولنے کے بعد کہا'' پس یہ بات اچھی طرح ثابت ہو گئی ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا۔'' تم اپنے باطل عقیدے سے فوراً توبہ کر لو۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اللہ تعالیٰ نے غیب کا علم عطا فرمایا تھا آپ اس کے رد میں وہ سب کچھ کہہ چکے ہیں جو کہہ سکتے تھے اب اگر زحمت نہ ہو تو میرے دلائل بھی سن لیں۔''

مولوی صاحب نے برہم ہو کر کہا میں نے تم جیسے لوگوں کی ساری دلیلیں سن رکھی ہیں۔ مجھے سب معلوم ہے کہ تم کیا کہو گے۔

آپ نے بڑے تحمل سے کہا'' مولوی صاحب بیوہ ماں کے حقوق بیٹے پر کیا ہیں''؟

'' میں غیر متعلق سوال کا جواب نہیں دوں گا مولوی نے تیز آواز میں کہا''۔

اچھا تم میرے کسی سوال کا جواب نہ دینا میرے چند سوالات سن تو لو۔ میں نے ڈیڑھ پونے دو گھنٹے تک تمہارے دلائل سنے ہیں۔

آپ کی بات سنکر مولوی صاحب بادل ناخواستہ خاموش ہو گئے تو آپ نے دوسرا سوال کیا۔

کیا کسی سے قرض لے کر روپوش ہو جانا جائز ہے؟

کیا اپنے معذور بیٹے کی کفالت سے دست کش ہو کر اسے بھیک مانگنے کے لئے چھوڑا جا سکتا ہے؟

کیا حج بدل کے اخراجات کسی سے لے کر حج...... ابھی آپ نے اپنا سوال مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ مولوی صاحب نے آگے بڑھ کر قدم پکڑتے ہوئے کہا۔ بس کیجئے حضرت مسئلہ حل ہو گیا۔ یہ بات آج میری سمجھ میں آ گئی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا اور نبی مکرم کے پاس علم غیب ہونا ہی چاہیئے ورنہ منافقین مسلمانوں کی تنظیم کو تباہ و برباد کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو میرے متعلق ایسی باتیں بتا دی ہیں جو یہاں کوئی نہیں جانتا تو بارگاہ علیم سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا انکشافات نہ ہوتے ہوں گے۔

مولوی صاحب اسی وقت تائب ہو کر مفتی اعظم سے بیعت ہو گئے۔ مناظرے کو افہام و تفہیم کی سطح تک لے آنا بے مقصد گفتگو کو با مقصد بنا دینا صرف اولیاء اللہ کی خصوصیت ہے وہ شخص جو کسی دلیل کو سننا گوارہ نہ کرتا تھا مفتی اعظم نے اس کے سامنے ایسی دلیل پیش کی جو سطحی علم رکھنے والے کبھی پیش نہ کر سکتے تھے۔

ایک دفعہ رام پور سے کچھ لوگ بریلی آپ سے بیعت کے لئے آ رہے تھے انکے ساتھ ایک بدعقیدہ آدمی بھی اس نیت سے ساتھ ہو لیا کہ وہ آپ کی خدمت میں پہنچ کر انوکھے سوالات سے آپ کو پریشان کر کے لطف اٹھائے گا۔ بریلی اسٹیشن پر، جب وہ دروازے پر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کا ٹکٹ غائب ہو گیا ہے اس نے اپنے ساتھیوں کو صورت حال سے آگاہ کیا تو انہوں نے کہا تم اپنا سامان ہمیں دے دو اور پلیٹ فارم پر رکو۔ ہم میں سے کوئی ایک پلیٹ فارم ٹکٹ لے کر ابھی آتا ہے۔ اشرف خان ابھی ٹہل ہی رہا تھا کہ ایک شخص نے اسے مخاطب کیا۔ تمہارے پاس ٹکٹ نہیں ہے میرے ساتھ آؤ میں

تمہیں باہر لے چلتا ہوں۔اشرف خان سوچ میں پڑ گیا۔اجنبی کا تعاون قبول کرے یا نہ کرے۔اجنبی نے اشرف خان کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر گیٹ کا رخ کیا اور ٹی سی کے سامنے سے ہوکر باہر پہنچ گیا۔اشرف خان کی نظر اپنے ساتھیوں پر پڑی تو اس نے انکی طرف بڑھنا چاہا۔اجنبی اشرف خان کا ہاتھ چھوڑ کر بھیڑ میں گم ہو گیا۔

رام پور کے عقیدت مند اشرف کو ساتھ لے کر محلہ سوداگران میں خانقاہ رضویہ پہنچے۔ دن کے گیارہ کا عمل تھا۔عقیدت مند آپ کی بارگاہ میں ادب سے سر جھکائے بیٹھے تھے اور آپ اس وقت تعویذ لکھ رہے تھے۔تعویذ نویسی سے فارغ ہوکر آپ نے حاضرین سے پوچھا۔''کیا کسی اور کو تعویذ لینا ہے؟ جواب سکوت میں پاکر آپ نے رحمت خاں سے پوچھا۔'' کہو رامپور کے احباب کا کیا حال ہے سب خیریت ہے حضور! میرے ساتھ چار دوست آپ سے بیعت کے لئے حاضر ہوئے ہیں حکم ہو تو پیش کروں آپ کا اشارہ پاکر پانچ آدمی آپ کے سامنے دوزانو ادب سے بیٹھ گئے۔آپ نے رحمت خاں سے کہا تم نے تو چار کے لئے کہا تھا یہ تو پانچ ہیں۔

حضور! یہ اشرف خاں ہمارے ساتھ ضرور آیا ہے مگر بیعت کے ادارے سے نہیں آیا ہے اسے سب لوگ فلسفی کہتے ہیں۔یہ آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔

آپ نے اشرف خاں سے کہا: تم مجھ سے کیا گفتگو کرنا چاہتے ہو؟

میں بے شک آپ سے گفتگو ہی کرنے آیا تھا مگر میں اب صرف بیعت کا آرزومند ہوں۔

اسٹیشن والی بات بھول جاؤ اشرف! تم ہم سے ملنے آئے تھے ملاقات کے مقاصد کچھ بھی ہوں مگر ہمارا اخلاق اس بات کو کیسے گوارا کر لیتا کہ ہمارا مہمان پریشان ہو تو اس کی مدد دوسرے کریں۔تم وہ باتیں ضرور کرو جو تم کرنا چاہتے تھے۔

حضور! مجھے آپ مل گئے تو میرا کوئی سوال تشنہ جواب نہ رہا بس اب اپنی غلامی میں لے

لیجئے۔ تاکہ فکر و نظر کی آوارگی کا عذاب ختم ہو جائے۔

آپ نے سب کو بیعت کر کے حکم دیا۔ تم لوگ اب اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ تم لوگ غوث اعظم کے دامن کرم سے وابستہ ہو چکے ہو ہر قدم تمہاری رہنمائی ہوتی رہے گی۔

اعلیٰحضرت نے محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو چراغ روشن کیے تھے ان چراغوں سے چراغاں کی کیفیت پیدا کرنے کیلئے مفتی اعظم نے ایک کامیاب جدوجہد کا آغاز کر دیا تھا۔ آپ جانتے تھے کہ بدعقیدگی کے بگولے مجتمع ہو کر آندھی بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی ستیزہ کار ہے۔ آپ نے اپنے لئے سوچ سمجھ کر ایک لائحہ عمل مرتب کیا۔

مسلک امام اہلسنت اعلیٰحضرت کی ترویج و اشاعت۔

مقام رسالت مآب کی رفعتوں کا باطل شکن پرچار۔

مسندِ افتاء سے اہلسنت کے عقائد کا علمی محاذ پر تحفظ۔

مسند رشد و ہدایت سے روحانیت کے فروغ کی سعی پیہم۔

تعویذوں سے خالی دامنوں کو مرادوں سے معمور کرنا۔

روحانی تصرفات سے دنیا میں پھیلے ہوئے مریدوں سے مربوط رہنا۔

شریعت و طریقت کے درمیان ہر فرق کو مٹانا۔

آپ کی زندگی کے بے شمار گوشے ہیں جو ہر رخ سے سرمایۂ ہدایت ہیں مگر مندرجہ بالا خصوصیات ایسی ہیں جو اظہر من الشمس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جتنی روحانی اور مادی توانائیاں عطا کی تھیں آپ نے سب اللہ تعالیٰ ہی کے دین کے لئے صرف کر دیں۔

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب
خون جگر ودیعت مژگان یار تھا

بریلی آپ کا مرکز رہا کیوں کہ بریلی سنیت کے تشخص کی اب ایک ابدی علامت ہے

اس مرکز نے بریلوی سنی کی ایک ایسی اصطلاح سے روشناس کرایا جو حق و باطل سے ممیز کرتی ہے۔آپ نے جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور غوث الاعظم کی گیارہویں کو سنیت کے شعائر میں داخل کر دیا۔اولیاء اللہ کی محبت کو جز و ایمان بنا دیا۔آج سنی اور سنی نما افراد کی پہچان دن اور رات کی طرح آسان ہوگئی ہے۔آپ سنی محاذ کے امیر لشکر تھے آپ نے سنی علماء میں مسلک حق کی ترویج کے لئے ایسی روح پھونکی کہ باطل لرزہ براندام ہو کر رہ گیا۔خطابت سے آپ کو کوئی خاص لگاؤ نہ تھا مجلس آرائی بہر کیف ایک بڑی ضرورت تھی۔مجلسوں میں آپ کے حسن بیان کے پھول کھلتے تھے۔آپ کی اثر آفرینی میں حرف و نظر کی بڑی اہمیت تھی۔بات کرتے تو دلوں میں اترتی چلی جاتی تفہیم کے اس نازک مرحلے سے گزر کر حرف حق سامع کی زندگی بنانے کے لئے فیضان نظر سے بھی کام لیتے تھے لہجے کی شگفتگی کسی پر بے اثر نظر آتی تو جلال کے تیور بھی دکھا دیتے تھے۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

آپ کی حیات مبارک جلوۂ ہزار رنگ ہے کسی طرح اختصار کی متحمل نہیں ہو سکتی۔مجھے یقین ہے کہ آپ پر مبسوط کتابیں لکھی جائیں گی اور دنیا آپ کے کمالات روحانی اور فیوض علمی پڑھ کر حیران رہ جائیگی میں اپنے اس مختصر مضمون میں اجمالی طور پر آپ کے روحانی تصرفات بیان کر رہا ہوں جو میں نے نقشہ افراد کے ذہنوں سے بھی چنے ہیں۔

ممبئی میں آپ کھتری محلے میں اپنے ایک مرید ہارون بھائی کے یہاں قیام فرما تھے آپ نے ہارون بھائی سے یہ بات تاکید سے کہہ دی تھی کہ جب وہ اپنی خواب گاہ میں چلے جائیں تو اس کے بعد کوئی خواب گاہ میں نہ آئے۔ایک دن مغرب کے بعد سے جوار دات مندوں نے آنا شروع کیا تو آتے ہی رہے۔عشاء بھی مہمان خانے میں پڑھی اور پھر سلسلہ رشد و ہدایت جاری ہو گیا۔نصف شب سے زیادہ گزر گئی تو آپ نے لوگوں کو آرام کا

مشورہ دیا اور خواب گاہ میں چلے گئے۔ ہارون بھائی کو مہمانوں کو رخصت کر کے یہ خیال آیا کہ حضرت نے کھانا نہیں کھایا ہے۔ بے ساختہ آپ کی خواب گاہ کی طرف بڑھے مگر اس خیال نے قدم پکڑ لئے کہ حضرت نے خواب گاہ میں داخل ہونے سے منع کیا ہے۔ ہارون بھائی اب نہ آپ کا حکم نظر انداز کر سکتے تھے نہ یہ گوارا کر سکتے تھے کہ آپ اُن کے گھر پر بھوکے سوئیں۔ دیر تک ایک کش مکش کا عالم رہا۔ آخر شیخ کی محبت عالم اضطرار میں گرم دودھ لے کر حکم کی سرحدوں کو پھلانگ کر خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔ ہارون بھائی نے دیکھا کہ آپ کے جسم کے تمام اعضاء کٹے ہوئے ہیں سر الگ ہاتھ الگ ایک لمحے میں ہارون بھائی نے یقین کر لیا کہ آپ کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔ دودھ کا پیالہ ہاتھ سے چھوٹ کر قالین پر گر پڑا اور ہارون بھائی چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے جب ہارون بھائی کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ آپ اُن کے سرہانے موجود ہیں اور گھر کے افراد بھی جمع ہیں۔ ہارون بھائی شدت تحیر سے گنگ رہ گئے تھے کچھ دیر پہلے جو منظر انہوں نے دیکھا تھا وہ فراموش نہیں ہوا تھا آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا ہارون نافرمانی کبھی نہیں کرنی چاہئے۔ جو دودھ تم لائے تھے وہ تو قالین نے پی لیا۔ اٹھو میرے لئے دودھ لاؤ۔

آپ نے ہارون بھائی کی کیفیت کو محسوس کر لیا تھا ان کے ظرف سے بھی آشنا تھے اس لئے فوری طور پر اپنی روحانی توجہ سے انہیں پرسکون کیا ورنہ ہارون بھائی کے دماغ کی رگیں پھٹ جاتیں ہارون بھائی آپ کے حکم کی تعمیل میں دودھ لے کر آئے اور آپ کو پیش کیا۔ آپ نے دودھ کا پیالہ لے کر گھر والوں سے کہا۔ جاؤ تم لوگ آرام کرو ہارون اب بالکل ٹھیک ہیں۔ سب چلے گئے تو آپ نے دودھ پیکر ہارون بھائی سے کہا۔ میں قتیل عشق ہوں روز جیتا ہوں روز مرتا ہوں۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

تم نے میرا ایک راز پالیا ہے مگر کسی نامحرم حال پر اس کا اظہار نہ کرنا۔ سلطان الاذکار اولیائے کاملین ہی برداشت کر سکتے ہیں سلطان الاذکار کی ضرب اگر پہاڑ پر بھی پڑے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے ہم بھی بکھرتے ہیں مگر اللہ کی آغوش کرم ہمیں سمیٹ لیتی ہے۔

آپ کا قلب اطہر جاری تھا۔ **لاالٰہ الا اللہ** کا ورد کسی اہتمام کے بغیر شب و روز سینے کو منور کیے رہتا تھا بعض خوش نصیبوں کو یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ آپ کے سینے سے کان لگا کر اس صدائے سرمدی کو سن بھی سکے ایک مرتبہ کلکتہ کے سفر میں ایک سادھو بھی آپ کے ڈبے میں تھا۔ سادھو بار بار چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی آواز کا تعاقب ہمہ تن گوش بن کر رہا ہے۔ تجسس بے کار نہ گیا وہ اٹھ کر آپ کے قریب آیا اور کہا۔ یہ کیسی آواز ہے مہاراج جو میرے دل کی دھڑکنوں کو بے قابو کر رہی ہے۔

آپ نے اپنے خادم بابو میاں کو اپنے پاس سے اٹھا کر سادھو سے بڑی شفقت سے کہا آؤ میرے پاس بیٹھو میں تمہیں اس آواز کا بھید بتاتا ہوں جو تم سن رہے ہو سادھو آپ کے پاس بیٹھ گیا تو آپ نے کہا میں جس کی پوجا کرتا ہوں اس کا نام میرے دل کی دھڑکنوں میں بس گیا ہے اور جب سے وہ نام میرے دل کی دھڑکنوں میں بسا ہے دل کی دھڑکنیں اتنی بلند بانگ ہو گئی ہیں کہ میں بھی سنتا ہوں اور سدھے ہوئے کان بھی ان دھڑکنوں کو سن لیتے ہیں۔ ہم جس فضا میں سانس لے رہے ہیں آوازوں سے گونج رہی ہے۔ ہمارے ڈبے میں بہت سے لوگ آپس میں تیز آوازوں میں باتیں کر رہے ہیں۔ ریل کے پہیے اپنا راگ چھیڑے ہوئے ہیں۔ انجن اپنا گیت الگ گا رہا ہے پٹریاں چیخ رہی ہیں ہوا سنسنا رہی ہے یہ آوازیں ہی آوازیں ہیں اور تم ان کو سن بھی رہے ہو مگر ان آوازوں کا تمہارا دل کوئی اثر قبول نہیں کر رہا ہے مگر میرے دل کی وہ دھکنیں جو میرے پاس بیٹھے ہوئے لوگ بھی سن رہے ہیں تم ان کو دور سے سنکر بے قرار ہو گئے اور میرے پاس کھنچے چلے آئے اس کی بنیادی وجہ صرف یہ ہے کہ اثر انداز ہونیوالی شے آواز نہیں ہے بلکہ آواز کی آغوش

میں جو نام مہک رہا ہے اس نے تمہیں بے کل بنا دیا ہے جس طرح پیاسا پانی کو دیکھ کر پانی کی طرف دوڑ پڑتا ہے تمہاری جنم جنم کی پیاسی آتما بھی میرے پاس تمہیں لے آئی ہے۔ تم نے اپنی پیاسی آتما کو اب تک امرت سمجھ کر زہر پلایا ہے اور تم جانتے ہو کہ زہر پیاس نہیں بجھاتا ہے۔ اگر تم نے زہر اپنے شریر کو دیا ہوتا تو مر گئے ہوتے مگر آتما زہر سے مرتی نہیں ہلکان ہوتی ہے۔ اگر تم اپنی آتما کی پیاس بجھانا چاہتے ہو تو اسی نام کا جاپ کرو جو میرے دل کی دھڑکنوں میں بسا ہوا ہے۔

سادھو نے گردن جھکا کر اپنے کان آپ کے سینے سے قریب کئے اور توجہ سے سننے لگا۔ تھوڑی دیر میں ہی اس نے کہا **لا الٰہ الا اللّٰہ** اور پھر آہستہ آہستہ **لا الٰہ الا اللّٰہ** کا ورد کرنے لگا۔ آپ نے جب توحید کے لئے اس کا دل کشادہ پایا تو کلمہ طیبہ پڑھا کر اسے داخل اسلام کر لیا۔ سادھو بھگوان داس بڑا گیانی تھا۔ تپسیا سے اپنے باطن کو سنوار کر استدراج کی منزل تک آ گیا تھا جب اس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا تو آپ کی توجہ سے ایک آن میں ولی کامل بن گیا۔ آپ نے اس کا نام عبداللہ تجویز فرما کر کہا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کہاں جا رہے ہو اور یہ بھی الحمدللہ جانتا ہوں کہ تم اب میرے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر چکے ہو مگر تم وہیں جاؤ جہاں کا مقصد لے کر اپنے استھان سے چلے تھے اور اپنا کام کر کے تم واپس نینی تال چلے جانا تمہاری دینی اور روحانی تربیت کا ہم پورا پورا خیال رکھیں گے۔

عبداللہ کلکتہ تک آپ کے ہم سفر رہے اور پھر اس ملاقات کے بعد صرف روحانی ملاقاتیں رہیں عبداللہ پانچ سال کی تربیت کے بعد حج کے لئے گئے اور دیار حبیب میں چار سال قیام کر کے وہیں داعی اجل کو لبیک کہا۔ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے احوال سے آپ نے صرف دو مریدوں کو آگاہ کیا تھا جو خود بھی آپ کے فیضان نظر سے صاحب روحانیت تھے اور افریقہ سے عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اخراجات پورے کرتے تھے۔

عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ کی آپ نے کس طرح غائبانہ تربیت کی اس سوال کے جواب کے

واسطے ہمیں آپ کی حیات مبارکہ پر ایک نظر ڈالنی ہوگی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے فاصلوں کو سمیٹ دیا تھا۔ سیر الارض کی خصوصیت سے سرفراز فرمایا تھا اور متعدد واقعات ایسے ہیں جو اس امر کی شہادت دیتے ہیں۔

بریلی سے کچھ لوگ سعادت حج بیت اللہ حاصل کرنے کے لئے گئے اور آپ کو وہاں ارکان حج ادا کرتے ہوئے دیکھا آپ کی دست بوسی کی اور اپنے لئے دعاؤں کی التماس کی مگر وہ آپ سے بچھڑ گئے اور جب وہ لوگ بریلی آئے اور لوگوں سے کہا کہ حضور بھی حج میں شریک تھے تو لوگوں کو ان کی بات کا یقین نہ آیا اور یقین آتا بھی کیسے جب آپ ان کے مشاہدے کے مطابق ایام حج میں بریلی سے باہر تشریف ہی نہیں لے گئے تھے۔ فریقین کے پاس ایقان کا نور تھا مکہ مکرمہ میں آپ کو دیکھنے کے بعد یہ بات نہیں مان سکتے تھے کہ آپ بریلی میں تھے اور بریلی میں آپ کو دیکھنے والے یہ کیسے باور کر سکتے تھے کہ آپ حج ادا کرنے گئے ہوئے تھے۔ فریقین کا اختلاف جب آپ کے سامنے بیان کیا گیا تو آپ نے دونوں فریقوں کی تائید کر کے یہ بات اچھی طرح واضح کر دی کہ اہل اللہ کے لئے یہ امر دشوار نہیں ہے کہ وہ بیک وقت دو جگہ موجود ہوں۔

جے پور میں مولانا ضیاء الدین کے صاحب سجاد نے آپ کی دعوت کی تو آپ نے قبول فرمالی۔ سجادہ نشین صاحب دعوت دے کر چلے گئے تو آپ کے ایک غریب مرید عاشق علی نے آپ کی خدمت میں آکر پوچھا۔ حضور کا جے پور میں کب تک قیام ہے؟ آپ نے کہا ہم کل اجمیر شریف روانہ ہو جائیں گے۔

عاشق علی نے مسرور ہوتے ہوئے کہا۔ تو حضور شام کا کھانا میرے غریب خانے پر تناول فرمالیں تو بڑا کرم ہوگا۔

آپ نے اس کی دعوت بھی قبول کر لی اور جب وہ خوشی خوشی واپس چلا گیا تو مریدوں نے کہا۔ "حضور آج شام آپ مولانا ضیاء الدین کے سجادہ نشین صاحب کی دعوت بھی قبول

کر چکے ہیں۔"

آپ نے مریدوں سے مسکراتے ہوئے فرمایا کیا تم نے یہ بات بتا کر میری معلومات میں اضافہ کرنا چاہا ہے؟

آپ کے اس سوال کے سب نے شرم وندامت سے اپنی گردنیں جھکا لیں۔ دوسرے دن ریلوے اسٹیشن پر جب لوگ آپ کو خدا حافظ کہنے آئے تو ان میں عاشق علی بھی تھا اس کے چہرے مسرتوں کے رنگ قوس وقزح کی طرح بکھرے ہوئے تھے ہجوم کی وجہ سے اسے دست بوسی کا موقع نہیں مل رہا تھا مگر اس نے آپ تک پہنچنے کی کوشش جاری رکھی کافی جدوجہد کے بعد وہ جب آپ کے قریب پہنچا تو اس نے بلند آواز سے کہا "حضور! صبح آپ کے جاتے ہی میرا بیٹا واپس آ گیا تھا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا"۔ اللہ بڑا کار ساز ہے۔ عاشق علی نے آپ کی دست بوسی کی تو فرطِ مسرت سے اس کی آنکھیں برسنے لگیں۔ آپ جب ارادت مندوں کو اشک بار چھوڑ کر روانہ ہو گئے تو لوگوں نے عاشق علی کو گھیر لیا اور پوچھا کیا صبح سرکار تمہارے یہاں تھے؟ عاشق علی نے کچھ دیر خاموش رہ کر کہا کل رات عشاء سے قبل سرکار میرے غریب خانے پر تشریف لے آئے تھے میں نے سرکار کو تنہا دیکھ کر پوچھا کہ میرے بھائی کیوں نہیں آئے؟

"وہ ایک دوسری جگہ مدعو ہیں اس وقت وہیں ہیں"۔ آپ کا یہ جواب سنکر میں نے کہا۔ حضور آپ آ گئے تو سب آ گئے۔ حضور نے عشاء کے بعد کھانا تناول فرمایا۔ میرے بہت سے احباب بھی موجود تھے آپ نے دیر تک ان سے گفتگو کی بعض کو تعویذ دیئے بعض کو دعائیں۔ جب احباب رخصت ہو گئے تو حضور نے فرمایا۔ تم نے اپنے مفقود الخبر بیٹے کی واپسی کے لئے کوئی تعویذ طلب کیوں نہیں کیا؟

حضور مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے غلاموں کے دکھوں سے آگاہ رہتے ہیں اور الحمد للہ کہ میرا یقین اب اور بھی پختہ ہو گیا ہے۔ حضور میری بات سنکر خاموش ہو گئے۔ گذشتہ رات

حضور نے عبادت میں گذاری اور نماز فجر کے بعد ناشتہ کیے بغیر تنہا جانے لگے تو میں نے عرض کیا میں ابھی یکہ لے کر آتا ہوں مگر آپ اسلام علیکم کہہ کر چلے گئے اور میری اس وقت یہ کیفیت تھی جیسے زمین نے میرے پیر پکڑ لئے ہوں آپ کے ساتھ جانے کی خواہش کے باوجود مین اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا اور نہ جانے کتنی دیر تک خالی الذہن کھڑا رہا اور پھر اس وقت ہی ذہنی صلاحتیں بیدار ہوئیں جب پندرہ سال سے بچھڑا ہوا بیٹا آ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ میرے گھر کی ویرانیاں مسکرانے لگیں سب گھر والے جمع ہو گئے۔ کچھ دیر تک بچھڑے ہوئے آپس میں مل کر روتے رہے اور جب اچانک میسر آنیوالے خوشی کے لمحے جذبات میں ہلچل مچا کر گزر گئے تو میں نے اپنے بیٹے واصف علی سے کہا اب تم مجھے بتاؤ گھر سے کیوں چلے گئے تھے کہاں کہاں رہے اور واپسی کی کیا صورت ہوئی؟

واصف علی نے کچھ دیر اپنی یادداشت کو مرتب کیا اور کہا اجمیر شریف میں غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں لوگ جے پور سے جا رہے تھے میرے دل میں بھی حاضری کا شوق پیدا ہوا اور ٹکٹ لئے بغیر ہی ٹرین مین بیٹھ گیا نہ ٹرین میں کوئی ٹکٹ پوچھنے آیا نہ پلیٹ فارم سے باہر نکلنے میں کوئی دشواری پیش آئی۔ زائرین کے ریلے کو ٹکٹ کلیکٹر قابو میں نہ رکھ سکا تھا۔ اجمیر شریف پہنچ کر میں نے درگاہ شریف میں حاضری دی۔ حاضری کے بعد بے پناہ ہجوم میں مجھے تنہائی کا احساس ستانے لگا نہ میرے پاس پیسے تھے نہ رہنے کو جگہ نہ کوئی آشنا میں نے ادھر ادھر گھوم کر کوئی آشنا چہرہ تلاش کرنا چاہا تو ناکامی ہوئی۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے میں اس وقت اکبری مسجد میں تھا یہاں سب ایک دوسرے سے بے نیاز تھے مگر ایک بزرگ نے میری کمر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر کہا۔ صاحبزادے اپنے والدین کی اجازت کے بغیر تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیئے تھا تم بھی پریشان ہو اور وہ بھی، عرس میں تمہاری حاضری ہو چکی اب تم گھر لوٹ جاؤ تمہاری جیب میں اتنی رقم موجود ہے کہ اب تمہیں کوئی پریشانی نہ ہو گی اور ہاں اگر تم نے میری بات پر عمل نہ کیا تو بہت پچھتاؤ گے۔

میں ان سے یہ کہنے ہی والا تھا کہ میری جیب خالی ہے مگر وہ اپنی بات مکمل کرتے ہی ایک سمت بڑھ گئے اور بھیڑ میں نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے بڑی بے یقینی سے اپنے پہلو کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہ خالی نہ تھی جیب سے ہاتھ نکالا تو میری چٹکی میں دس دس کے پانچ نئے نوٹ تھے۔ مجھے نوٹ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور میں نے اس بات پر کوئی خاص توجہ نہ دی کہ نوٹ کہاں سے آئے اور نصیحت کرنے والے بزرگ کون تھے۔ میں نے درگاہ بازار میں جا کر پہلے کھانا کھایا۔ ہوٹل سے باہر نکلا تو جے پور کے دولڑکے مل گئے پھر ان کے ساتھ تفریح میں مصروف ہو گیا۔ چار دن میں سب پیسے ختم ہو گئے اور جب ساتھیوں نے یہ دیکھا کہ میری جیب خالی ہو چکی ہے تو وہ بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ اب میں پھر پریشان ہو گیا ماں باپ شدت سے یاد آنے لگے۔ میں سولہ کھمبے کی طرف جا نکلا وہاں فقیر دھوئیں کے مرغولے بنا کر قلندرانہ نعرے لگا رہے تھے وہاں ایک ادھیڑ عمر کا فقیر مجھ سے ملا جس کی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ تھیں اس نے مجھ سے کہا۔ بچہ میرے ساتھ آ تیرے سارے دکھ دور ہو جائیں گے۔ میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ لنگر خانے کی گلی میں پہلے اس نے مجھے کھانا کھلایا اور پھر مجھے لے کر دولت باغ میں پہنچا وہاں ایک جگہ دوب پر مجھے اپنے سامنے بٹھا کر اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں مجھے اس کی آنکھوں سے وحشت ہو رہی تھی مگر میرے بس میں یہ بات نہ تھی کہ اپنی نگاہوں کا زاویہ تک بدل سکوں مجھے جلد ہی دماغ سے نیند کی ایک لہر ابھرتی ہوئی محسوس ہوئی جو آہستہ آہستہ میرے تمام اعصاب پر چھا گئی۔ جب میں جاگا تو اس نے کہا۔ اب تم ہمیشہ میرے ساتھ رہو گے اور وہی کرو گے جس کا میں تمہیں حکم دوں گا۔ اس کی یہ بات سنکر میں نے اس شخص کے لئے پہلی مرتبہ دل میں شدید نفرت محسوس کی مگر میں نے دیکھا کہ میں اس کے خلاف سوچ تو سکتا ہوں مگر اس کا حکم نہیں ٹال سکتا مجھے اس نے ایسی زنجیروں میں کس دیا تھا جو نہ حرکات و سکنات میں مانع تھیں نہ مجھے نظر آتی تھیں نہ کوئی اور انہیں دیکھ سکتا تھا اس فقیر کا نام

جاموت تھا ہندوستان بھر میں وہ مجھے لئے گھومتا پھرا،کل رات میں جاموت کے ساتھ کلکتہ میں تھا سرائے کی اس کوٹھری میں جس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ اچانک ایک بزرگ نمودار ہوئے اور جاموت سے کہا "بدبخت اس آدمی کو تو نے قید کر رکھا ہے اور اس کے ماں باپ اس کے لئے بے قرار ہیں۔ جاموت نے یہ دیکھ لیا تھا کہ کوٹھری کا دروازہ بند ہے۔ اور بند دروازے سے آنے والا کوئی معمولی شخص نہیں ہوسکتا اس لئے اس نے مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا میں اس سے محبت کرتا ہوں اگر میں اسے آزاد کر کے اس کے ماں باپ کو خوش کردوں تو مجھے اس کی جدائی میں رونا پڑے گا۔ میں اپنی مسرتیں دوسروں میں تقسیم کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ بزرگ نے جاموت کی یہ بات سنکر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ کوٹھری میں ایک دیا ٹمٹا رہا تھا اس کی مدہم روشنی اس وقت محسوس ہی نہ ہوئی جب شعلہ بار نگاہوں کا تصادم ہوا۔ اس تصادم نگاہ کے نتیجے میں جاموت کی چیخ سنائی دی ہائے میری آنکھیں، بزرگ نے مجھ سے فرمایا آنکھیں بند کرلو اور جب میں کہوں آنکھیں کھول لو اسی وقت آنکھیں کھولنا میں ان کے حکم کے مطابق آنکھیں بند کیں اور حکم کے تحت ہی جب آنکھیں کھولیں تو خود کو رام نواس باغ میں پایا اب وہاں سے میں سیدھا گھر آ گیا۔

ارادت مندوں نے عاشق علی سے جب واصف علی کا احوال سنا تو جھوم اٹھے۔ انکے سر فخر سے اونچے ہوگئے کیوں کہ وہ ایسے عظیم المرتبت مرشد کے زیر سایہ آ چکے تھے جو غوث الاعظم دستگیر کا مظہر کامل تھے۔

الہ آباد کے حاجی تقی کراچی سے پینسٹھ سال کی عمر میں فریضہ حج ادا کرنے گئے تو وہاں کی پُرنور فضاؤں میں انہیں اپنے شیخ مکرم کا چہرہ پرنور قدم قدم پر یاد آیا۔ مناسک حج ادا کرتے ہوئے شیخ مکرم کی ہدایتیں ذہن پر ابھرتی چلی جارہی تھیں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو روضہ رسول کریم پر صلوۃ وسلام پیش کرنے کے بعد سب سے پہلی درخواست یہی کی"۔ آپ کی محبت کو جس نے میرا ایمان کامل بنادیا ہے ان کی زیارت کو

آنکھیں ترس رہی ہیں اگر ان کی زیارت ہو جائے تو ان سے آپ کے جلوؤں کی بھی بھیک مانگ لوں اس دعا کے بعد تمام دعائیں اشکوں میں ڈھل گئیں۔

مسجد نبوی سے عصر کی نماز پڑھ کر حاجی تقی نکلے تو دیکھا مفتی اعظم سامنے سے چلے آ رہے ہیں دوڑ کر ان کی دست بوسی کی معانقے سے سرفراز ہوا تو آپ نے فرمایا مسجد چلو یہ وقت باہر جانے کا نہیں ہے مسجد میں ایک جگہ قبلہ رو بٹھا کر حاجی تقی سے کہا آنکھیں بند کر لو تا کہ دیدۂ باطن کھل جائے۔ حاجی تقی نے حکم کی تعمیل کی تو دیکھا کہ بغداد شریف میں غوث الاعظم کے مزار اقدس کے سامنے موجود ہیں۔ ابھی مزار غوث الاعظم کو عقیدت و محبت سے دیکھ ہی رہے تھے کہ غوث الاعظم مزار اقدس سے باہر تشریف لے آئے حاجی تقی نے بڑھ کر قدم بوسی کرنا چاہی تو سرکار بغداد نے ان کا ہاتھ تھام لیا اور کہا "مصطفٰے رضا کے لاڈلے آمیں تجھے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے چلوں دوسرے لمحے میں ہم ایک عالی شان دربار میں تھے ہر طرف انوار و تجلیات کی بارش ہو رہی تھی۔ صف بصف صحابۂ کبار بیٹھے تھے اور شہ نشیں پر آفتاب ہدایت اپنی جمالی تجلیات کے ساتھ رونق افروز تھے حاجی تقی نے کچھ دیر تو سرکار کے جمالِ جہاں آرا سے کسب نور کیا اور پھر شدتِ جذبات میں یا رسول اللہ کا ایک بلند بانگ نعرہ لگایا اور اس نعرے کے ساتھ ہی جگمگاتا ہوا منظر آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اپنے اطراف میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا احتجاج سنا۔ کوئی کہہ رہا تھا جذبات پر قابو رکھو، کوئی کہہ رہا تھا دوسروں کے معمولات میں کیوں رخنہ ڈالتے ہو۔ کسی نے کہا یہ کلمۂ شرک ہے اور حاجی تقی دعا کرنے لگے۔

مرا نورِ بصیرت عام کر دے

حاجی تقی کو شیخ مکرم کا خیال آیا تو آنکھیں کھول کر پہلو میں دیکھا جہاں بیٹھ کر آپ نے حاجی تقی کو آنکھیں بند کر لینے کا حکم دیا تھا مگر شیخ مکرم کو وہاں نہ پا کر ہر بات ان کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ سرکارِ مدینہ کا کرم ہو چکا تھا جو تمنا کی تھی وہ پوری کر دی گئی تھی مگر حاجی تقی یہ بات

بر بنائے مشاہدہ بڑے وثوق سے کہتے تھے کہ جس نے غوث اعظم کو نہ دیکھا ہو شہزادۂ اعلیٰحضرت کو دیکھ لے ان دونوں میں ایسی کامل مشابہت ہے جیسے کسی صورت کی اپنی عکس آئینہ سے ہوتی ہے۔

مفتی اعظم کی ہمہ گیر شخصیت مینارۂ نور تھی جس سے ہر ارادت مند نے بقدر ظرف کسب ضیاء کیا۔

دامان نگہ تنگ گل حسن تو بسیار

جو چند واقعات آپ کے روحانی فیوض کے بیان ہوئے ہیں ان واقعات کو عنوانِ فکر بنا کر اگر غور کیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے کہ سلف صالحین کی جو کرامات روحانی دور تنزل میں افسانہ معلوم ہونے لگی تھیں آپ کی کرامات نے انہیں از سر نو ایسا اعتبار فراہم کیا کہ صرف مادی نقطۂ نظر رکھنے والوں کو بھی سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ منکرین فیضانِ ولایت کو بھی یقین آ گیا کہ معجزات نبوی کا پرتو جمیل کرامات اولیاء کی صورت میں جاوداں ہے۔ مادی ارتقاء اپنے وسیع تر امکانات کے باوجود روحانی تصرفات کے تجزیے سے عاجز ہے۔

رانچی میں آپ کے ایک مرید مولوی محمد صالح کی بیوی کو جب ڈاکٹروں اور طبیبوں نے لاعلاج قرار دیدیا تو ان کا ذہن مایوسیوں کے اندھیرے میں بھٹکنے لگا، رات دیر تک بے قراری میں کروٹیں بدلتے رہے۔ پچھلی رات آنکھ لگی تو پیرو مرشد کو خواب میں دیکھا وہ فرما رہے تھے "مولوی صاحب ہمیں تم نے بھلا دیا مگر ہم تمہیں کیسے فراموش کر سکتے ہیں۔ ہمارے تمہارے تعلقات کی سرحدیں تو عالم آخرت سے ملتی ہیں۔ ڈاکٹروں اور طبیبوں نے اگر تمہاری اہلیہ کو لاعلاج قرار دیدیا ہے تو اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ تمہاری بیوی اچھی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالٰی بڑا صاحب قدرت ہے۔ اب تم اپنی بیوی کا کوئی علاج نہ کرنا ایک ہفتے میں جب وہ بالکل تندرست ہو جائے تو اسے لے کر ان ڈاکٹروں اور

طبیبوں کے پاس ضرور جانا جو لا علاج قرار دے چکے تھے۔

مولوی محمد صالح صبح بیدار ہوئے تو انہیں خواب اچھی طرح یاد تھا اور وہ اس خواب کی صحت پر شک بھی نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ یہ ایک بشارت تھی جو معتبر حوالے سے انہیں ملی تھی۔ بشارت کے مطابق صرف ایک ہفتے میں بیگم مولوی محمد صالح نے غسل صحت کیا اب انہیں دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ تین سال تک بیمار رہی ہیں۔ شیخ مکرم کے حکم کے مطابق جب مولوی محمد صالح نے ڈاکٹروں اور طبیبوں سے بیوی کا معائنہ کرایا تو وہ حیران رہ گئے انہیں اپنا شعور طبابت ناقص نظر آنے لگا سب نے پوچھا تھا کہ کیا دوا دی کس سے علاج کروایا مگر جواب میں یہ بات سنکر نہ کسی طبیب کو دکھایا نہ کوئی دوا دی بلکہ صرف اپنے شیخ مکرم کے حکم کی تعمیل کی تو انہیں ماننا پڑا کہ دعا' دوا پر ہر طرح تفوق رکھتی ہے دوا کا تعلق بالواسطہ مسبب سے ہے اور دعا کا تعلق براہِ راست مسبب سے ہے۔

آپ کی متعدد کرامات میڈیکل سائنس کے لیے چیلنج ثابت ہوئی ہیں مادیت نے کئی بار روحانیت کی بارگاہ میں سجدۂ اعتراف عظمت کیا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں ایک دن آپ مسجد رضا میں ارادت مندوں کے جھرمٹ میں فروکش تھے کہ ایک عورت اپنے ایسے مفلوج بیٹے کو لے کر حاضر خدمت ہوئی جو نہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا تھا نہ بات کرنے کے قابل تھا اور مزید برآں ذہنی اعتبار سے بھی ناکارہ تھا بچے کی ماں نے رو رو کر حضرت سے التماس دعا کی تو آپ نے لڑکے سے کہا ''اٹھ'' مگر اس پر اس حکم کا کوئی اثر نہ ہوا آپ نے پھر کئی بار لڑکے سے کہا اٹھ مگر اس نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی چنانچہ آپ نے جلال میں آ کر لڑکے کے گال پر ایک طمانچہ مارا حاضرین یہ منظر دیکھ کر ششدر رہ گئے مگر دوسرے ہی لمحے طمانچے کے نتیجے میں جب بچہ کھڑا ہوا ماں کہتے ہوئے ماں کی طرف لپکا تو ہر طرف ایک مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

کرامت ولایت کی خوشبو ہے جہاں ولایت ہوتی ہے کرامت ضرور ہوتی ہے محلہ سواد

گران بریلی کا ایک ہندو جس کا ایک پیر مفلوج تھا وہ رات دن دیکھتا تھا کہ لوگ آپ کی خدمت میں آرہے ہیں اور بامراد لوٹ رہے ہیں اس نے کئی بار آپ کی خدمت میں جانے کا ارادہ کیا مگر کبھی ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ ایک دن آپ مسجد سے گھر کی طرف چلے جارہے تھے تو وہ اپاہج راستے میں لکڑی کے سہارے کھڑا ہوا ملا۔ آپ جب اس کے قریب پہنچے تو رک کر اس کے مفلوج پاؤں پر دم کیا اور آگے بڑھ گئے۔ مفلوج ہندو یقین و عدم یقین کی ملی جلی ذہنی کیفیت کے ساتھ لکڑی کے سہارے اپنے گھر پہنچ کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں ہی اس نے محسوس کیا کہ منقطع دوران خون مفلوج پیر میں اپنی راہ ہموار کر رہا ہے۔ وہ فرط مسرت میں چارپائی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پورے گھر میں بغیر سہارے کے دوڑنے لگا۔

ابر کرم جب برستا ہے تو سب پر ہی برستا ہے آپ کے تمام مذاہب کے لوگ فیض حاصل کرتے تھے ٹھریا موضع بریلی سے گاؤں والے ایک لڑکی کو آپ کی خدمت میں لائے جس کی آنکھ پھول کر بھیانک انداز میں حلقۂ چشم سے باہر نکل آئی تھی اور یہ آنکھ بصارت سے بھی محروم ہو چکی تھی لڑکی کے باپ نے روتے ہوئے آپ سے التجا کی ''حضور! میں تباہ ہو گیا دیکھئے تو سہی اس حالت میں اسے کون قبول کرے گا خدا کے لئے اسے اچھا کر دیجئے مجھ سے اس کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔''

آپ نے لڑکی کی آنکھ کو بغور دیکھتے ہوئے زیر لب کچھ پڑھا اور آنکھ پر دم کیا اور پھر سب نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ پھولی ہوئی آنکھ آہستہ آہستہ حلقۂ چشم میں سمٹ گئی۔ گاؤں والے تو اسی بات پر خوش تھے کہ لڑکی کو بدصورتی سے نجات مل گئی تھی مگر آپ نے انہیں یہ مژدہ بھی سنایا ''اسے لے جاؤ اس کی آنکھ میں بینائی بھی آجائے گی اور آپ نے جو مژدہ سنایا تھا چند دن میں ہی ایک حقیقت بن گیا۔

غوث الاعظم کی نسبت کاملہ ہی کا یہ اعجاز ہے کہ حضرت مفتی اعظم سے بے شمار کرامات

کا ظہور ہوا مگر آپ کی حیات طیبہ خود بھی ایک کرامت تھی۔

آپ کی قرب وسیلۂ قرب خدا تھا' آپ کو دیکھ کر خدا شناسی کا ذوق بیدار ہوتا تھا۔ آپ کی باتیں سن کر دینی شعور میسر آتا تھا آپ کی نشست و برخاست سے آدابِ تواضع مرتب ہوتے تھے آپ کی آنکھیں میخانۂ عرفاں تھیں آپ کی پیشانی افقِ سعادت تھی۔ چہرۂ اقدس تجلیات کا آئینہ تھا رفتار صراط مستقیم کی نشان دہی کرتی تھی مہکتے ہوئے دن جگمگاتی ہوئی راتیں آپ کا خیر مقدم کیا کرتی تھیں آپ اپنے خیال کے ساتھ صفر پر قدرت رکھتے تھے ہر حال میں مریدوں کی دستگیری اور نگہداری کرتے تھے تمام فاصلے آپ کی روحانی توجہ عبور کر لیتی تھی۔!

ماہتاب ہدایت نے ۹۲ سال تک ویران دلوں کی آبیاری کی آپ کے دامن کرم سے وابستگی رکھنے والوں کی تعداد لاکھوں تک ہے اور اہل ارادت کا تو شمار ہی ممکن نہیں۔ مریدوں اور ارادت مندوں کی یہ کثرت اس بات کا کھلا اعلان ہے کہ غوثیت اپنے ہر مرحلۂ فیض میں عالم گیر ہوتی ہے اور قبول عام کا معیار ہر حال میں برقرار رہتا ہے۔

ملک الموت جب پیغام وصال یار لے کر آیا تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی استعداد اور صلاحیت عطا فرمائی تھی وہ سب اسی کی راہ میں صرف کر کے آپ سرخرو ہو چکے تھے آپ نے اہل ارادت سے فرمایا کہ جو سعید روحیں مجھ سے بیعت کرنے کی آرزو رکھنے کے باوجود مجھ تک نہیں پہنچ سکی ہیں میں نے آج انہیں بھی بیعت کر لیا ہے اس غائبانہ بیعت کا بہت سے افراد کو علم بھی ہو چکا ہے اور باقی افراد کو بھی ایک نہ ایک دن یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ ان کا ہاتھ بھی میرے ہاتھ میں ہے۔

۱۳ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۱ر نومبر ۱۹۸۱ء کو طلوع ہونے والا یوم چہار شنبہ اہل ارادت کے لیے سخت تشویش کا دن تھا آپ کی نقاہت اور بڑھ گئی تھی۔ آپ نے مگر اپنے طرز عمل سے بے قراروں کو حوصلہ دیے رکھا اپنے سفر آخرت کی اطلاع بھی دی تو اس طرح

کہ اضطرب خلق اعتدال کی حدیں نہ پھلانگ سکے۔ اپنی توانائیاں سمیٹ کر فرمایا" نماز نو محلّہ مسجد میں ہو گی" پھر ایک طویل وقفۂ سکوت کے بعد فرمایا کیا کسی نے نماز کے لئے کہہ دیا جمعہ کی نماز نو محلّہ مسجد میں پڑھوں گا۔"

آپ ہمیشہ مسجد میں نماز ادا کرتے تھے مگر بدھ کے دن ظہر اور عصر کے لئے جب آپ مسجد نہ پہنچے تو لوگوں کے دل اس احساس سے دھڑکنے لگے کہ آپ کی طبعیت زیادہ ناساز ہو گئی ہے اسی لئے خلاف معمول نمازیں گھر پر ہی ادا فرمائی ہیں، مغرب کی اذان ہوئی تو آپ نے تیمارداروں سے کہا آپ سب مسجد میں جا کر مغرب ادا کریں" لوگ چلے گئے تو آپ نے فرمایا مجھے اٹھاؤ تازہ وضو کروں گا آپ کی حالت دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے مگر تین افراد نے سہارا دے کر اٹھایا اور وضو گاہ تک لے گئے ہاتھ پیروں پر لرزہ طاری تھا بیٹھا بھی نہیں جا رہا تھا ایک صاحب نے وضو کرانے کے لئے تو لوٹا اٹھایا تو ان سے کہا لوٹا رکھ دو وضو میں خود کروں گا اور پھر بدقت تمام وضو کیا اور مصلے پر کھڑے رہے کہ سہارے کی ضرورت پڑے تو سنبھال سکیں مگر نماز آپ کیلئے سر چشمۂ توانائی تھی اس طرح ادا کی جیسے آپ بیمار ہی نہ ہوں مگر جب دعا سے فارغ ہو گئے تو لوگوں کو سہارا دے کر اٹھانا پڑا۔ آپ کو بستر پر لٹا دیا گیا ابھی کچھ دیر ہی گذری تھی کہ آپ نے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی مگر جسم نے ارادے سے تعاون نہ کیا تو لیٹ گئے اور پھر آپ نے رجال الغیب اور ان جنوں کو بیعت کیا جو دنیا کے دور دراز علاقوں سے آئے تھے حاضرین بیعت ہونے والوں کو تو نہ دیکھ سکے مگر آپ کو دیکھ رہے تھے آپ کا ہاتھ اٹھا ہوا تھا بالکل اس انداز سے جس انداز سے آپ کسی کو بیعت کیا کرتے تھے آپ بار بار فرما رہے تھے میں نے تمہارا ہاتھ غوث اعظم کے ہاتھ میں دیا تم بھی کہو میں نے اپنا ہاتھ سیدنا غوث اعظم کے دست مبارک میں دیا" بیعت ہونے والے کو جیب سے تعویز بھی نکال کر دیتے جاتے تھے جیب سے جب ہاتھ نکلتا تھا اس میں تعویز موجود ہوتا تھا مگر جب ہاتھ غیر مرئی مرید کو تعویذ دے کر اٹھائے تو

ہاتھ خالی ہو جاتا تھا۔

عشاء کی نماز بستر پر ہی ادا فرمائی اور خاموشی سے آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے تاکہ معمولات مکمل کرلیں نصف شب گزر گئی تو آنکھیں کھول کر بڑے ضبط سے مغموم چہروں پر نظر ڈالی اور پھر بطور وصیت فرمایا۔ سنت مصطفےٰ پر ہر حال میں عمل پیرا رہنا کہ یہی راہ نجات وکامرانی ہے۔

بہ مصطفےٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ است
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

پھر کچھ توقف کے بعد فرمایا ہر کڑے وقت میں حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل پڑھتے رہنا۔ ان دو اہم وصیتوں کے بعد پہلے سورۂ ملک کی تلاوت فرمائی اس کے بعد آیۃ الکرسی پڑھ کر کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے سفر آخرت کا آغاز فرمایا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ماہتاب ہدایت شہزادۂ اعلیٰحضرت مجدد وقت حامی اہلسنت آج بظاہر نظروں کے سامنے نہیں ہیں مگر انکی پھیلائی ہوئی روشنی انہیں کے قرب کی نشان دہی کرتی ہے آپ نے جو علم وعرفاں کے چراغ روشن کئے ہیں ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ماہنامہ استقامہ کانپور، ۱۹۸۳ء

☆☆

مفتی اعظم کا مقام عزیمت

(عبدالمجید خان الرضوی اشرفیہ مبارکپور)

حق گوئی و حق پرستی اور عشق رسول کی سرشاری انہیں اپنے اسلاف کے ورثہ میں ملی تھی

قطب وقت آفتاب ولایت ماہتاب علم وفضل حضرت الشاہ مصطفےٰ رضا خاں قادری رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ (متولد ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء) عالم اسلام کے ممتاز ارباب علم وفضل اور اصحاب رشد و ہدایت میں سے ہیں۔ دنیوی عزت وجاہ کی اگرچہ آپ نے خواہش نہیں کی لیکن دنیا نے اپنی عزتوں اور شوکتوں کو ہمیشہ آپ کی خدمت میں پیش کیا اور بہ ہزار منت وسماجت انہیں قبول کر لینے کی درخواست کی لیکن آپ نے ان پر ایک نگاہ غلط انداز بھی نہ ڈالی اور اسلاف کرام کے روایتی استغناء و بے نیازی کی یاد تازہ کرتے رہے۔

آپ کے والد ماجد مجدد اعظم امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا طباع ذہین فقیہ ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا آپ کے فتاویٰ کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں۔

حافظ کتب الحرم سید اسماعیل خلیل کو جب اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے اپنے عربی فتاویٰ ارسال کئے تو انہوں نے جواب میں لکھا۔ **واللہ اقول والحق اقوال لوراھا ابو حنیفہ النعمان لاقرعینہ ولجعل مونعھا جملۃ الاصحاب** (تو بھی بخدا کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ ان فتاویٰ اگر ابو حنیفہ نعمان دیکھ لیتے تو یقیناً اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے اور اس کے مؤلف کو اپنے شاگردوں میں شامل کر لیتے۔ (صفحہ ۲۵۸ **الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ** مطبوعہ لاہور)

سراج الفقہاء حضرت علامہ سراج احمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مولوی نظام الدین فقیر احمد پوری وہابی جو تفقہ میں اپنے ہمعصر علماء دیو بند وغیرہ میں اپنے جیسا کسی کو فائق نہیں جانتا تھا فتاویٰ رشیدیہ کے اس فتویٰ پر کہ حدیث صحیح کے مقابل قول فقہاء پر عمل نہ کرنا چاہئے۔اس کے سامنے میں نے رسالہ الفضل الموھبی فی معنی اذا صحیح الحدیث فھو مذھبی مصنفہ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی اوراق منازل حدیث کے سنائے تو اس نے کہا یہ سب منازل حدیث مولانا احمد رضا خاں کو حاصل تھے افسوس کہ میں مولانا کے زمانہ میں رہ کر بے خبر، بے فیض رہا۔

پھر میں نے اسی وہابی عالم کو رسائل رضویہ سے چند مسائل فقہ کے جوابات سنائے تو کہنے لگا کہ علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا احمد رضا خاں کے شاگرد ہیں یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں (ص ۴۴ سوانح سراج الفقہاء، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور)

بستر علالت سے ۱۳۳۹ھ میں تحریک ترک موالات جس میں مسلم زعماء نے ہوش سے زیادہ جوش اور اعتدال سے زیادہ اشتعال کے ہاتھ میں اپنی لگام دے دی تھی اس کے خلاف ایک تاریخی اور معرکۃ الآراء شاہکار تصنیف المحجۃ الموتمنۃ فی ایات الممتحنہ کی شکل میں وہ تاریخی فتویٰ صادر فرمایا جس سے سیاسی حلقوں میں ایک طوفان برپا ہو گیا، اور پورے ملک میں ہل چل مچ گئی۔

آپ کے دادا حضرت مولانا شاہ علی نقی بریلوی علیہ الرحمہ ان مخصوص اصحاب کمال میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علوم ظاہر و باطن کی جامعیت عطاء فرمایا۔

آپ کے جد امجد حضرت مولانا شاہ رضا علی خاں نے فرنگی تسلط کے خلاف مجاہدین آزادی کے ساتھ تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ جنرل ہڈسن نے آپ کا سر قلم کرنے کا پانچ سو روپے انعام رکھا تھا مشہور مورخ ملی سن لکھتا ہے جب کہ برطانوی حکام تمام ہند پر قبضہ کرنے کی ہر چند کوشش کر رہے تھے تو اس وقت فضل حق خیر آبادی، احمد اللہ شاہ مدراسی

امام بخش صہبانی اور رضا علی بریلوی جیسے مولوی برطانوی تسلط کے خلاف اپنی پوری کوشش کر رہے تھے۔

ملی سن مزید لکھتا ہے بریلی کے اندر لوگوں میں برطانوی حکام کے خلاف جو یورش پھیلی اس کے تمام تر زردار بخت خاں اور اس کے ساتھی بریلوی ملا شاہ رضا علی ولد حافظ کاظم علی تھے جو بریلی کے عوام کو برطانوی حکام کے خلاف اکسانے کے نہ صرف مجرم ٹھہرے بلکہ انہوں نے بریلی کے عوام کو برطانوی حکام کے خلاف مقابلہ کرنے پر بے حد افروختہ کیا اگر ملا رضا علی بریلوی اپنے عقیدت مندوں سمیت ہمارا مقابلہ نہ کرتا تو بریلی شہر پر ہمارا قبضہ ہونا بالکل آسان تھا۔ (اشرفیہ مبارکپور فروری ۸۲ء)

اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں سے جن کے ذریعے وہ اس دنیا میں اپنے بندوں کو سعادت بخشتا ہے ایک بڑی نعمت آباء صالحین کے لئے یہ ہے کہ اولاد صالح عطاء فرمائے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی خاندان میں عرصہ تک علم وصلاح کے جاری وساری رہنے کے لئے ضروری ہے کہ ان دونوں نعمتوں سے فیض یاب ہو آباء کو اولاد صالح اور اولاد صالح کو آباء صالح نصیب ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ النورانی کو ایسے خاندان میں پیدا کیا جس میں کئی پشتوں سے سلسلہ علم وارشاد قائم وجاری ہے اور جس کے اسلاف کرام کے اعمال صالحہ کا پاک ورثہ یکے بعد دیگرے اخلاف تک منتقل ہوتا آیا ہے جن کی حق گوئی اور حق پرستی اور عشق رسول میں سرشاری وجاں نثاری اور مغروران تخت وتاج بندگان مال وجاہ کے مقابلے میں استغناء و بے نیازی انہیں اپنے اسلاف کے ورثہ میں ملی تھی۔

ایمرجنسی کے زمانے میں جب کہ بہت سارے ارباب علم واصحاب خرقہ وسجادہ کی تصویریں اپنے اصلی بھیس میں نظر آتی تھیں اور یہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ بڑے بڑے مدعیان علم وزہد کو بھی راہِ حق میں استقامت نصیب نہ ہوئی۔

اصحاب عزیمت واستقلال سے کوئی زمانہ خالی نہ رہا ہر دور میں خدا ترس اور بے خوف و بے باک علماء حق نے حق وصداقت کی آواز بلند کی ہے اور انہیں مخصوص ہستیوں میں حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی ذات بابرکات تھی کہ حکومت کی کاسہ لیسی سے زندگی بھرا لگ تھلگ رہی ہے جنہوں نے علم حق کی عزت ودولت کو دنیاوی شان وشوکت سے سرنگوں اور ذلیل وخوار ہونے سے بچایا۔ جب دیکھا کہ زمانہ کی اور وقت کی حکومت دنیا سازوں اور دین فروشوں کی طرف جھک گئی تو آپ نے قلمی جہاد کیا۔ اور بتایا کہ اے حکومت کے ہاتھوں ناموس علم ودین بیچنے والے ضمیر فروشو! آؤ سرزمین بریلی میں صاحب صدق وصفا کو دیکھو نیاز مندان حق ناز ونعمت اور دنیوی مزے کی طرف نہیں ٹوٹتے ہیں بلکہ بوریائے فقر پر قانع رہ کر غیرت دین ومذہب کی پاسبانی کرتے ہیں۔

یہ وہ وقت تھا جب کہ علماء دیوبند نے بڑے بڑے ڈرامے کئے ہیں، چنانچہ ایمرجنسی کے زمانے ۱۹۷۷ء میں قاری محمد طیب صاحب میرٹھ میں پیر دروازہ تشریف لے گئے بڑی دلیری اور طمطراق سے مجمع عام کو فرمایا میں دہلی جارہا ہوں مجھے کوئی گرفتار کرے، حاضرین یہ جرات مندانہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے کہ یہ زمانہ قیامت نما اور یہ ہمت مردانہ۔ اور اس سے قبل دارالعلوم دیوبند سے ایک فتوئی شائع ہوا جس میں دو ایات قرآنی ذکر کر کے لکھا تھا کہ آیات کی رو سے نسبندی حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ اب آگے ان کی عیاری ملاحظہ فرمائیں۔

چند ہی دنوں بعد جب کہ مذکورہ فتوؤں کی بنا پر متعدد مقامات پر مثلاً مظفر نگر وغیرہ شہروں میں ہزار ہا مسلمان گولی کا نشانہ بن گئے۔ بہت سی عورتیں بیوہ ہوگئیں، ہزار ہا بچے شفقت پدری سے محروم ہوگئے تو خفیہ مصلحت کی بناء پر قاری محمد طیب صاحب نے حق بات سے رجوع فرمایا یعنی نس بندی کی حرمت کا فتوئی دے کر اس کے جواز کا بیان دے دیا بایں طور پر آپ کا بیان ٹیپ کر کے ریڈیو پر نشر کیا گیا جس کو ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے

شہروں میں قصبات میں دیہات میں، تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ ہر طبقے نے سنا کہ آپ فرماتے ہیں میں علماء کرام سے درخواست کروں گا کہ اب تک منفی پہلو پر غور فرمایا ہے اب مثبت پہلو پر بھی غور فرمائیں یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔

(دیباچہ البشیر، شرح نحو میر، مکتبہ الجیلان محلہ کوٹ غربی سنبھل، مراد آباد)

اب دیوبند کے ابن الوقت دارافتاء سے نکل رضوی دارالافتاء میں آیئے۔ یہاں سے حضرت مولانا ساجد علی خاں صاحب علیہ الرحمہ نے نسبندی کے زمانہ قیامت خیز میں جب کہ زبان وقلم پر تالے لگادیئے گئے تھے ہر شخص لرزاں وترساں نظر آتا تھا اس زمانے میں اس مرد مجاہد نے بلاخوف وخطر کلمة الحق عندالسلطان الجابر جهاد پر عمل کرتے ہوئے فتویٰ شائع کردیا کہ نسبندی حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے۔

بریلی کے کلکٹر صاحب بہادر نے طلب فرمایا تو مع مفتی صاحبان تشریف لے گئے، صاحب بہادر نے کرخت لہجہ میں پوچھا کہ آپ نے اندرا حکومت کے خلاف فتویٰ شائع کردیا۔

مرد مجاہد نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ حکومت الہیہ کی جانب سے ہم مامور ہیں ہم نے اپنا فرض منصبی ادا کردیا۔ اب آپ اپنا فرض منصبی ادا کرسکتے ہیں۔

یہ جواب سن کر صاحب بہادر نے معروف اقدام کا ارادہ کیا جس کو ایک ہم نشیں صاحب یہ کہہ کر رکوادیا کہ سارے ہندوستان میں آگ لگ جائے گی جو بجھائے نہ بجھ سکے گی۔ (البشیر)

شہزادہ امام احمد رضا مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری بریلوی قدس سرہ کی تصدیق وتحریک پر شائع ہونے والا فتوی ایمرجنسی کے دور ہی میں کلکتہ، بمبئی اور ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گیا تھا، چنانچہ سنٹرل گورنمٹ کی طرف سے حکام بریلی کو یہ آرڈر دے دیا گیا تھا کہ آپ کو گرفتار کرلیا جائے مگر سی، آئی، ڈی نے رپورٹ دی

کہ ہندوستان کے طول وعرض میں آپ کے کروڑوں مریدین اور معتقدین ہیں جن میں سخت اضطراب و بےچینی اور ہنگامہ وشور برپا ہو جائے گا اس مصلحت کے تحت یہ حکم واپس لے لیا جائے انہیں چھیڑنا اپنے اوپر قہر خداوندی نازل کرنا ہے۔

چونکہ بریلی کے حکام وعوام کے سامنے بلیک آؤٹ کا وہ عبرتناک واقعہ تھا ۱۹۷۱ء میں جب کہ سورج غروب ہوتے ہی ہندوستان کے سارے شہر شہر، خموشاں معلوم ہوتے تھے، روشنی پر یہاں تک پابندی لگادی گئی تھی کہ اگر کوئی شخص سگریٹ پیتے ہوئے نظر آجاتا تو اس پر جرمانہ عائد کیا جاتا تھا۔ ہر دس قدم پر پولس کھڑی رہتی اگر کہیں سے روشنی آجاتی تو پولس پتھراؤ کرتی اور فوراً گرفتار کر لیتی۔

مگر اس شمع محفل کے معمول میں کچھ فرق نہ آیا اپنی مرضی کے مطابق اسی انداز میں روشنی کئے ہیں حجرۂ نوری میں پروانے شمع کے اردگرد ہیں، رشد و ہدایت بیعت وخلافت اور درود وظائف جاری ہیں بریلی شہر کی پولس جانتی تھی کہ انہیں چھیڑنا کسی طرح مناسب نہیں ہے اس لئے وہ خاموش تھی۔

انہیں ایام میں اس حلقہ میں ایک نیا داروغہ آیا اس نے اپنے دنیاوی منصب کے غرور میں آپ کی شان میں گستاخی کرنی چاہی پولس والوں نے بارہا سمجھایا اور روکا لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا بالآخر گستاخی کر ہی دی۔

وہاں سے تھانہ پر واپس آیا تو اس کے دل میں ایک ایسی ہیجانی کیفیت پیدا ہوئی کہ اسے کسی طرح کا سکون ہی نہیں ملتا، دوسرے روز چھٹی لے کر گھر آیا۔ وہاں بھی اسے سکون نہ ملا، بیوی سے کسی معاملہ میں جھگڑا کیا اور خود ہی گولی مار کر اپنے آپ کو ہلاک کر لیا۔

حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز کی حیات مبارکہ کا یہ واقعہ نہایت اہم ہے اور اس سے ان کی حق پرستی اور بے لوث زندگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ پرشور و نازک وقت تھا بڑے بڑے دعویداروں کے قدم ڈگمگا گئے تھے، مگر سچ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیام حق

کے لئے جن اہل اللہ کا شرح صدر کر دیتا ہے ان کی استقامت کو کوئی طاقت متزلزل نہیں کر سکتی، الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم و لاھم یحزنون ۔

سچ یہ ہے کہ ہر عہد اور ہر دور میں جس قدر بربادیاں ہوئیں علماء ہی کے ہاتھوں ہوئیں وقت اور زمانہ کی شکایت بے سود ہے۔ ایسے نام نہاد علمای کا وجود ہر زمانہ میں فتنہ و آزمائش اور انتشار کا سبب رہا ہے۔

لیکن! یہ حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ النورانی کی ذات گرامی تھی جن کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہیں آئی اور اپنی پاک نفسی، حق گوئی و بیباکی اور اخلاص و صداقت کی قوت سے ہزاروں لاکھوں طالبان حق کے دلوں کو کھینچ لیا۔ مدت العمر اپنی بوریا فقر پر قانع رہے اور دنیا فانی کی دلفریبیاں کبھی آپ کی جمیعت خاطر کو پراگندہ نہ کر سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ اعلان حق اور امر بالمروف و نہی عن المنکر میں آپ تیغ بے نیام تھے، اور کسی حال میں نصیحت و موعظت تذکیر وارشاد حق کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے بالخصوص ایسے نام نہاد بے عمل مدعیان علم سے سخت نفرت و بیزاری کا اظہار فرماتے تھے جو عشق مال و متاع اور جھوٹی شہرت و ناموری میں سرگشتہ رہتا، اور ادعاء شخصیت و تقدس کو اپنی دکان آرائی اور دنیا طلبی کا وسیلہ بناتے، اور حکومت کے سربرآوردہ لوگوں کو اپنا قبلہ و کعبہ سمجھنے لگے۔

ایک بار حضور مفتی اعظم ہند کے در دولت پر حاضری دینے کے لئے یوپی کے گورنر اکبر لی خاں حیدرآبادی اور نہ جانے کتنے وزراء و اعلیٰ حکام و افسران اپنے اپنے دنیوی جاہ و حشمت کے ساتھ آئے مگر ان کے لئے کوئی اہتمام تو بڑی بات ہے ان سے ملنا بھی گوارہ نہ فرمایا کیوں کہ وہ دنیاوی شوکت کا مظہر بن کر آئے تھے، اور حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ اس جاہ و جلال دنیوی کو بہ نظر حقارت دیکھتے جو ضمیر فروشی و دین فروشی کے بدلے حاصل کیا گیا ہو اور جن لوگوں نے آلودگیوں اور آلائشوں کے جن دھبوں کو نقش و نگار عزت سمجھ کر

اپنے دامن میں جگہ دی ہے ان کی ناپاکی کا داغ اور نجاست کا دھبہ برسرعام ظاہر کرتے۔

عشق کی صداقت اور قلب کی پاکیزگی کے ساتھ ان کی دعوت وتذکیر میں ایسی تأثیر تھی کہ لاکھوں مسلمان آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور آپ کے طور طریقے کچھ ایسے عاشقانہ تھے اور والہانہ تھے کہ صحابہ کرام کے خصائص ایمانی کی یاد تازہ کرتے تھے۔

حضور مفتی اعظم ہند کی کتاب زندگی پڑھ کر ایک عجیب عالم وجد ومحویت طاری ہو جاتا ہے اور بے اختیار دل چاہتا ہے کہ ساری باتوں کو چھوڑ کر صرف انہیں کا ذکر کرتے اور سنتے رہیں۔ اس عاشق رسول کے ذکر میں جب آج یہ تاثیر ہے تو نہ معلوم آپ کے پاک صورتوں اور پاک صحبتوں کی رعنائیوں ودلربائیوں کا حیات طیبہ میں کیا حال رہا ہوگا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

دل کے عشق اور باطن کے سوز وگداز نے ان کے کلام میں کچھ ایسی تأثیر پیدا کر دی تھی کہ زبان سے الفاظ تیر نشتر بن کر نکلتے، اور سننے والے دل تھام کر رہ جاتے، کیا ہی سیہ باطن اور سنگ دل کیوں نہ ہوتا لیکن ان کی زبان سے مبارک کلمات سن لیتا تو ایسا خود رفتہ ہو جاتا کہ وہیں سے اپنے دل کی حالت بدل دیتا۔

کچھ لوگ اس معاملہ میں متفکر ہیں کہ آخر دنیا ان کی طرف کیوں کھنچی چلی آئی۔ لیکن انہیں سوچنا چاہئے کہ جس طرح بینائی رکھنے والا اپنی آنکھوں کو عمل بصارت سے روک نہیں سکتا۔ اسی طرح بزرگان دین علماء حق اعلان حق سے مجبور ہیں کہ خدا کی عطا کردہ زبان حق کاٹ کر پھینک نہیں سکتے۔ اور بیان حق کا قدرتی خاصہ یہ ہے کہ دلوں کو دوسری طرف سے موڑ کر اپنی طرف کھینچ لے۔ ایک داعی حق اور واصل باللہ اگر دنیا سے کہہ دے کہ میرے پیچھے مت آؤ جب بھی وہ اسی کے پیچھے دوڑے گی، کیوں کہ جذب وانجذاب کا قانون باطل نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح آسمانوں میں بھی ان کے ناموں کی پکار ہوتی ہے جیسا کہ حدیث پاک اس حقیقت کی طرف اشارہ کررہی ہے کہ **اذا احب اللہ العبد قال لجبریل انی احب فلانا فاحبہ فیحبہ جبریل ثم ینادی جبریل فی اہل السماء ان اللہ قداحب فلانا فاحبوہ فیحبہ اہل السمآء ثم یضع لہ القبول فی الارض .**

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اس کو دوست رکھو، پس جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبریل علیہ السلام آسمان والوں میں اس کی منادی کرتے ہیں کہ رب تبارک وتعالیٰ فلاں بندے کو عزیز رکھتا ہے تم بھی اسے چاہو، تو تمام آسمان والے بھی اس کو چاہنے لگتے ہیں، اور اپنا محبوب بنالیتے ہیں، پھر جب آسمان پر اس کی محبوبیت کا اعلان ہوجاتا ہے تو زمین والوں کے دل اس کی محبت کے لئے کھل جاتے ہیں اور ہر طرف مقبولیت ومحبوبیت اس کو حاصل ہوتی ہے۔

مگر آج کل جبہ ودستار میں کچھ ایسے چہرہ نظر آنے لگے ہیں کہ ان کی نفس پرستی اور حق فراموشی دنیا کیلئے ایک لعنت بن گئی ہے اور جن کی ملت فروشی پوری قوم کے لئے ناسور بن گئی ہے۔ نوع انسانی کی کوئی بدتر سے بدتر اور گمراہ سے گمراہ قسم بھی اس سے زیادہ دنیا کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے حتیٰ کہ جنگل کا ڈاکو اور کمین گاہوں کا رہزن بھی اس سے زیادہ کسی اہل ایمان کے لئے مہلک نہیں ہوسکتا۔ پس جب کہ ان علماء کے خصائل ورذائل کا یہ حال ہے تو اس کے بعد ان کی عوام کے لئے فسق وفجور اور ظلم وزیادتی کا کون سا درجہ باقی رہ گیا۔ یہی وہ کتمانِ حق تھا جو علماء یہود پر مسلط ہوگیا تھا کہ وہ علمائے دیوبند کی طرح اپنی جاگیروں کو برقرار رکھنے کے لئے حق کو چھپاتے پھرتے تھے، اسی طرح آج حکومت وقت کی حمایت میں کیسے کیسے حیلوں اور فریبوں سے کام لے کر حکومت کی نظر میں مقبولیت حاصل کی۔

آج سے تقریباً سات آٹھ سال قبل چند نام نہاد مسلمانوں نے شریعت اسلامیہ میں رود و بدل یعنی ترمیم مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ کھڑا کیا اور بمبئی وغیرہ میں ان کے متعدد جلسے بھی ہوئے اور اس کے خلاف اہل سنت و جماعت نے بھی اعلیٰ پیمانے پر کئی جلسے اور مظاہرے کیئے، اس موقع پر مسلم پرسنل لاء کا ذکر آیا تو حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز نے فرمایا۔

ہم نے حکومت کو آگاہ و خبردار کیا ہے کہ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے ترمیم قانون شریعت اسلامیہ کا مطالبہ کیا جارہا ہے کیوں کہ جو شریعت میں ترمیم و تبدیل وغیرہ کرانا چاہتا ہے وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔ (پندرہویں صدی ہجری اور منصب تجدید ۳۳،۳۴ مطبوعہ، بریلی)

اس پرفتن و پرآشوب دور میں جس بے باکی اور جسارت اسلامی کا اظہار فرمایا ہے اور مسلمانوں کی رہنمائی فرما کر ضلالت و گمراہی کے گڑھے سے نکالا ہے یہ انہیں کا حصہ ہے۔

آ ئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضور مفتی اعظم ہند کے علم و عمل اور بزرگی و تقدس کے جو شواہد تاریخ میں موجود ہیں اگر ان میں ایک بھی ہمارے سامنے نہ ہوتا اور صرف ایک تاریخی واقعہ کہ انہوں نے ایمرجنسی کے موقع پر ہندی حکومت کی اعلانیہ مخالفت کرتے ہوئے نسبندی کے خلاف فتوی صادر فرمایا ہے تو یہی آپ کی عندیم النظیر جرأت وعزیمت کا شاہکار ہوتا، اور مسلمانان ہند کے لئے یہی ایک مجاہدانہ کردار آپ کی عظمت جاودانی کے لئے ایک روشن ثبوت اور روقیع ترین ضمانت ہے کیسا پرآشوب و پرامتحان دور تھا جو آپ کے حصہ میں آیا حکومت کے خلاف کسی چھوٹی سی چھوٹی بات کا بھی زبان و قلم سے نکالنا موت کی دعوت اور تباہی کا بلاوا تھا، ایمرجنسی نے سب کی زبانوں کو گنگ اور گردنوں کو نیچی کر دیا تھا۔

ان تمام حالات کو سامنے رکھ کر غور کیجئے کہ اس عہد پر آشوب میں کس طرح سکوت عن الحق کا سناٹا تھا اور قبول باطل اور اطاعت ظلم کی منحوسیت چھائی ہوئی تھی حکومت ہند کے ایمر جنسی قانون نے کلمہ حق کی آواز سے ساری فضائے ہند کو خالی کر دیا تھا ایسے عزم شکن اور ایمان آزما وقت میں حضور مفتی اعظم ہند نے حکومت وقت کی طاقت کو خاطر میں نہ لا کر قدم آگے بڑھایا اور پورے ہندوستان کو اپنے اعلانِ حق کی برکتوں سے مالا مال کیا۔ انہوں نے نہ صرف حکومت وقت کی مخالفت میں صدائے حق بلند کی، بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ ان مظالم کا نتیجہ حکومت کی تباہی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: افضل الجهاد كلمة الحق عندالسلطان الحابر

درحقیقت یہ درجہ عزیمت باذن اللہ ہے جس کو قرآن نے وان ذلک لمن عزم الامور سے تعبیر کیا۔ اور آپ انہیں لوگوں میں سے ہیں جن کا نور علم وعمل مشکوۃ نبوت سے ماخوذ۔ اور جن کا قدم طریق منہاج نبوت پر واقع ہوا ہے، اور انبیاء کرام کی اصلی وراثت انہیں میں منتقل ہوئی ہے۔

سب سے بڑا متقی انسان وہ سمجھا جاتا ہے، جس کے قدم جہاد القلب واللسان سے پیچھے نہ ہٹیں اور جو صرف اپنے نفس کی نجات کی جگہ امت مسلمہ بلکہ نوع انسان کی نجات کا درد رکھتا ہو، مقام عزیمت ورفعت کا یہ وہ فرق ہے جو ایک صاحب دل نے خانقاہ کے گوشہ عزلت سے نکل کر شیخ سعدی کو بتلایا تھا۔

گفت آں کلیم خویش بدر می برد ز موج
ایں سعی می کند کہ برآورد غریق را

حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز کو اس عہد کی سلطانی وفرمانروائی حاصل تھی۔ اور آپ کو برکات وفیضان کا وافر خزانہ ملا تھا، سبھی اپنے اپنے چراغ اسی شمع ہدایت سے روشن

کرتے تھے، اور تمام رہروان منزل مقصود آپ ہی کے کاروان فضل و کرامت کی بانگ درا پر اپنے اپنے قدم اٹھاتے تھے اور آپ کی جرأت و جسارت ایمان راہ کی ساری صعوبتوں کا خاتمہ کر دیتی تھی، حقیقت یہ ہے کہ یہ رفعت و عظمت آپ کے کسی دوسرے معاصر میں نظر نہیں آتی اس لئے اسے فضل ربانی اور انعام خداوندی کہا جا سکتا ہے بس

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

ماہنامہ استقامت ڈائجسٹ کانپور ماہ مئی ۱۹۸۳ء

☆☆☆

مفتی اعظم ہند کے افادات علمیہ

(مولانا فروغ احمد اعظمی استاذ دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی)

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ مصطفےٰ رضا خاں نوری بریلوی قدس سرہ العزیز ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء بن اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز ایک ایسی عبقری شخصیت کا نام جنھوں نے اپنے دور میں رشد وہدایت تبلیغ ودعوت اور اصلاح امت کا فریضہ کچھ اس طرح انجام دیا کہ جس سے قرون اولیٰ کے ان مردان حق خاصان خدا، اولیائے کرام اور مصلحین ومبلغین اسلام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جن کا نفس نفس اخلاص وللٰہیت کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی انجام دہی میں گزرا اور ان کا ہر ہر عمل خدمت دین اور ہدایت مسلمین کے جذبے کا مظہر رہا مفتی اعظم ہند علم وعمل کا پیکر اور طہارت وتقویٰ کا سراپا تھے اور وہ سب کے لئے یہی پسند بھی کرتے تھے کہ ہر عالم وعامی مسلمان دین کی تعلیمات سمجھے اور سمجھ کر سچا اور باعمل مومن بن کر زندگی گزارے وہ ایمان وعقیدہ اعمال واخلاق اور حقوق ومعاملات ہر ایک شعبے میں انحراف وکجروی اور بے اعتدالی کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور اس پر فوراً ٹوکتے اور مخلصانہ اصلاح فرماتے خواہ سامنے کوئی بھی ہو اپنا ہو یا غیر، مسلم ہو یا غیر مسلم ہم عقیدہ ہو یا بد عقیدہ، عالم ہو یا عامی، امیر ہو یا غریب مرد ہو یا عورت۔

مفتی اعظم ہند تقریر وخطابت کے عادی نہ تھے مگر اپنے رسوخ علم اور غایت فضل وکمال کی وجہ سے مرجع عوام ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے علماء فضلائے عصر بھی آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے اور اپنے دور میں سند اور اتھارٹی سمجھے جانے والے یہ معاصر علماء فقہا تفسیر حدیث، فقہ اصول منطق، فلسفہ، نحو، صرف اور معانی وبیان وغیرہ علوم وفنون کے

ہر طرح علمی وفنی اشکالات اور فقہی مشکلات ان کے سامنے پیش کرتے تھے اور مفتی اعظم ہند انھیں چٹکی بجا کر حل فرما دیتے اور اپنے افادات و اصلاحات سے نواز کر مطمئن فرماتے کسی کو کوئی خلاف شرع کام کرتے یا کہتے پاتے تو از خود تنبیہات فرماتے، دوران تقریر و شعر خوانی شرعی چوک غلطی اور بے احتیاطی پر بروقت گرفت فرماتے وہ زبان و بیان کا بھی خاص خیال فرماتے اور حسب ضروت اصلاح فرماتے

ان کا سایہ ایک تجلی ان کا نقش پا چراغ

وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

مفتی اعظم کے علمی افادات سے استفادہ کرنے والوں میں دار الافتاء کے ممتاز مسند نشین درسگاہ کے باکمال و مشہور ترین اساتذہ و مدرسین خانقاہ کے مرشدین اسٹیج کے خطباء و مقررین اور اعلیٰ درجہ کے دانشوران و مفکرین شامل ہیں۔

آپ کے افادات جہاں آپ کے فتاویٰ اور دیگر درجنوں تصنیفات میں بکھرے ہوئے ہیں وہیں آپ کے افادات دار الافتاء درسگاہ نجی محفلوں اور سیرت کے جلسوں میں سامنے آئے ہیں جن کا بڑا حصہ اب تک قید تحریر میں نہیں آسکا مفتی اعظم کے فیض یافتگان میں سے بیشتر حضرات ابھی باحیات ہیں انھیں چاہیے کہ بلا تاخیر توجہ دے کر ان افادات کو ضبط تحریر میں لائیں ورنہ یہ عظیم علمی سرمایہ ضائع ہو جائے گا۔

مفتی اعظم ہند کے دو نامور خلفاء اور میدان افتاء و تدریس کی مایہ ناز بالغ نظر شخصیات استاذی خال معظم، نائب مفتی اعظم شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب قبلہ امجدی دامت برکاتہم القدسیہ اور استاذی بحر العلوم علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی مدظلہ العالی اور دیگر حضرات نے کچھ افادات کا ذکر کیا ہے ہم ان بزرگوں کے حوالے سے ان افادات کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

علوم خمسہ

مفتی محمد اعظم صاحب ٹانڈوی شیخ الحدیث دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف و مفتی رضوی دار الافتاء فرماتے ہیں:

ایک بار جب کہ میں رضوی دار الافتاء مین بیٹھا مشکوٰۃ شریف کا مطالعہ کر رہا تھا کیوں کہ مجھے یہ کتاب پڑھانے کو دی گئی تھی حدیث جبرئیل میں جہاں قیامت کو ان پانچ علوم میں بتایا گیا ہے جنھیں بے بتائے کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے میں اس حدیث کو کئی بار پڑھا چکا تھا، علوم خمسہ طلبہ کو سمجھا چکا تھا بمالہ و ماعلیہ لیکن مجھے خود سمجھانے کے باوجود حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ سے اس حدیث کو سمجھنے کا شوق ہوا میں حضرت مفتی اعظم علیہ لرحمہ سے دریافت کیا کہ حضور! اس حدیث میں پانچ علوم کے مخلوق کو علم ذاتی نہ ہونے کی تخصیص کی۔ تو پانچ ہی کیوں تخصیص کی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ علوم خمسہ کی تخصیص کی گئی یہاں تخصیص کہاں ہے؟ میں متنبہ ہوا اور سمجھ گیا کہ حضرت نے مجھے اس بات پر تنبیہ کی کہ آپ کو تخصیص نہیں کہنا چاہیے تھا کہ تخصیص علم معانی و بیان میں خاص صورت میں ہوتی ہے خاص کلمات کے ذریعہ، مثلاً نفی اور استثناء کے ذریعہ اور کلمہ انما کے ذریعہ اور تقدیم وغیرہ کے ذریعہ اور یہاں ایسی کوئی صورت نہیں مجھے یہاں تخصیص نہیں بولنا چاہیے تھا۔ اس کے فوراً بعد حضرت مفتی اعظم نے فرمایا: یہ کہیے علوم خمسہ کی تخصیص بالذکر کی گئی ہے اس تنبیہ سے میں نے حضرت مفتی اعظم کے مبلغ علم کی بلندی اور تعمق نظر وفکر کو خوب سمجھ لیا اور میں نے اندازہ لگالیا کہ حضور مفتی اعظم کا درس نظامی پر گہرا مطالعہ ہے اگرچہ مفتی اعظم کہلاتے ہیں مگر مدرس اعظم بھی ہیں پھر حضرت نے وہ بتایا جو میں جاننا چاہتا تھا حضرت مفتی اعظم نے فرمایا: بیشک عالم کے کسی ذرے کا علم مخلوق کو بے عطائے الٰہی حاصل نہیں کہ علم ذاتی خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حدیث شریف کا یہ

مطلب ہرگز نہیں کہ پانچ چیزوں کا علم ذاتی مخلوق کو نہیں اوران پانچ کے سوا معاذ اللہ علم ذاتی مخلوق کو ہے اصل میں پانچ کی تخصیص ذکر کے ساتھ اس لئے کی گئی کہ اس زمانے میں کاہن قائف نہیں تھے کہ اللہ عزوجل انہیں ان چیزوں کا علم عطا فرمائے جب انہیں اللہ تعالیٰ نے بتایا نہیں اور وہ ان علوم کے جاننے کے مدعی تھے تو ان کے دعویٰ سے نکلتا تھا کہ انہیں ان چیزوں کا علم ذاتی ہے تو قرآن وحدیث میں ان کا رد کیا گیا کہ اللہ رب العزت کے بے بتائے یہ جو دعویٰ کررہے ہیں اور یہ کاہن وغیرہ نہیں جانتے یہ ہے وجہ تخصیص بالذکر کی۔

یہ ایک حدیث خاص حضرت نے مجھے سمجھائی اور پتہ نہیں کتنی بار فتاویٰ سناتے اور دکھاتے وقت تفسیر وحدیث اور فقہ وغیرہ کی کتابوں کے مطالب سمجھائے اور بتائے۔

(۱) مقدمہ مفتی اعظم اور ان کے خلفاء، ۴۶، ۴۷

مقاماتِ انّ مکسورہ

جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی کے استاذ مولانا عبدالخالق رضوی کا بیان ہے ۱۹۷۳ء میں ایک روز بعد نماز عشاء میں مولانا بلال احمد رضوی اور مولانا محمد ہاشم یوسفی، رضوی دار الافتاء میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی خدمت میں تبرکاً بخاری شریف پڑھنے کے لئے حاضر ہوئے حضرت مفتی اعظم نے بخاری شریف کی حدیث۔ إنما الاعمال بالنیات۔ کمال شفقت سے پڑھائی عبارت پڑھتے وقت حضرت کا رعب علمی کچھ اس طرح غالب آیا کہ زبان سے اِنما کے بجائے أنما نکل گیا حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے ارشاد فرمایا:

أنما نہیں انما متعدد مقامات پر آتا ہے۔

(۱) القول مصدر سے جتنے افعال مشتق ہوں جیسے قال إنها بقرة

(۲) اسم موصول کے بعد جیسے جاء رجل الذی إنه قائم

(۳) ابتدائے کلام میں جیسے إن اللہ غفور رحیم

(۴) جس کی خبر میں لام تاکید آئے جیسے إنک لمن المرسلین

(۵) جوابات قسم میں جیسے والعصر إن الانسان لفی خسر

سورج اپنے دائرہ میں چلتا ہے

ایک مرتبہ شمس العلماء علامہ قاضی شمس الدین جونپوری مصنف قانون شریعت اور صدر العلماء علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی مصنف بشیر القادری رحمہا اللہ المولیٰ اور کچھ دوسرے علماء کرام کی موجودگی میں بارگاہ مفتی اعظم میں چاند سورج وغیرہ کے متعلق گفتگو کے دوران حضرت مفتی اعظم نے فرمایا:

زمین وآسمان دونوں ساکن ہیں اور چاند سورج چلتے ہیں اس پر علامہ میرٹھی نے عرض کیا:

قرآن مجید میں ہے۔ والشمس تجری لمستقر لها ۔ یعنی سورج چل رہا ہے اپنے مستقر میں۔ تجری سے معلوم ہوتا ہے کہ چلتا ہے اور مستقر لھا سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ ٹھہرا ہوا ہے اور ایک قرارگاہ میں ٹھہرا رہنا یہ دونوں باتیں کیسے صحیح ہوں گی اس پر حضرت مفتی اعظم ہند نے فوراً جواب دیا:

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ عنہما کو فرمایا گیا ولکم فی الارض مستقر تو کیا وہ زمین کے ایک حصے پر ٹھہرے رہتے ہیں؟ چلتے نہیں تھے؟ اپنے مستقر میں رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی جائے رفتار سے اپنی منزل سے باہر نہیں ہوتا، چلتا ہے مگر اپنے دائرۂ حرکت میں۔

مقولہ عرب میں مِن کا مطلب

شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی مفتی اعظم کی ایک علمی مجلس کا حال یوں بیان فرماتے ہیں: شرح مآتہ عامل میں عربی کا ایک مقولہ ہے۔ النار خیر من اللہ و رسولہ ۔ جس کا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ جاڑے میں آگ اللہ اور رسول سے بہتر ہے اور ظاہر ہے۔ یہ معنی کفر ہے۔

شرح مأتہ عامل میں یہ جواب دیا کہ مِن یہاں پر قسمیہ ہے تو اب معنی یہ ہوں گے کہ اللہ ورسول کی قسم جاڑے میں آگ بہتر ہے مگر اس توجیہہ پر بھی یہ اشکال ہے کہ اللہ کی قسم کھانا تو جائز ہے مگر رسول کی قسم کھانا جائز نہیں علماء کے درمیان اس مسئلہ میں مذاکرہ ہوا سب نے اپنے اپنے طور پر جوابات دیئے پھر آخر میں حضرت مفتی اعظم رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا گیا حضرت نے ایسا جواب دیئے جس سے اس جملہ کی صحیح توجیہہ بھی ہوگئی اور اشکال بھی اٹھ گیا حضرت نے فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے آپ لوگ روزمرہ کے محاورے میں بولتے ہیں یہ بات من جانب اللہ ہے اسی طور پر اس جملہ کو سمجھے۔

حضرت کے ارشاد سے صاف ہوگیا کہ من یہاں قسمیہ نہیں ہے کہ وہ اشکال ہو جو گزرا نہ تفصیل بتانے کے لئے جیسا کہ اس جملے میں ذہن کو دھوکہ ہوتا ہے بلکہ مِن یہاں ابتداء غایت کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے:

''اللہ ورسول کی جانب سے آگ جاڑے میں بہتر ہے''

شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی دامت برکاتہم العالیہ صدر شعبہ افتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ممتاز خلیفہ اور کثیر الاستفادہ تلمیذ ہیں جنھیں گیارہ سال سے زائد رضوی دارالافتاء میں مفتی اعظم کے زیرنگرانی فتوٰی نویسی اور علمی استفادہ کرنے کا شرف حاصل ہے وہ مفتی اعظم کے افادات کے چند

نمونے بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

توفبھا

ایک دفعہ میں نے لکھا تھا ''توفبھا'' فرمایا ''فبھا'' کے ساتھ تو کیا جوڑ؟

ظاہر ہے کہ لفظ تو لفظ ''فبھا'' کے حرف ''فاء'' ہی کا ترجمہ ہے اگر فاء کے ساتھ ''تو'' بھی جوڑا جائے تو ایسے ہی ہوا جیسے آب زمزم کا پانی۔

مہر کی تانیث

حضرت مفتی صاحب قبلہ آگے بیان فرماتے ہیں:

ہمارے اعظم گڑھ کے عرف میں ''مہر'' کو مؤنث استعمال کرتے ہیں اس وجہ سے میں نے مہر کے لئے تانیث کا صیغہ استعمال کر دیا فوراً تنبیہ فرمائی۔

بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ اعظمی دامت برکاتہم العالیہ خلیفہ مفتی اعظم ہند ایک اچھے مدرس و مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کے مقبول اور کامیاب خطیب بھی ہیں تقریری جلسوں میں بارہا اسٹیج پر حضرت مفتی اعظم ہند کی موجودگی میں حضرت مفتی صاحب کو تقریر کرنے کا اتفاق ہوا ہے اور ساتھ میں سفر بھی فرمایا ہے نیز بریلی شریف اور مبارکپور میں فیض صحبت بھی اٹھایا ہے۔ بحر العلوم نے اپنی یادداشت سے مفتی اعظم ہند کے کچھ افادات کا ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ ''عمل'' کا استعمال

لفظ ''عمل'' کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لئے شرع میں کہیں بھی وارد نہیں قرآن میں جہاں کہیں بھی ہے لفظ ''فعل'' کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں جیسے سورہ بروج میں ہے۔

فعّال لما یرید. اور سورہ حج میں ان اللہ یفعل ما یرید وغیرہ

گیا کے ایک جلسے میں حضرت بحر العلوم کی زبان سے لفظ "عمل" کا استعمال ہو گیا تو مفتی اعظم ہند نے بحر العلوم سے فرمایا:

"رات آپ نے تقریر میں اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ "عمل" کا استعمال فرمایا، اگر کہیں قرآن و حدیث میں یہ لفظ آیا ہو تب تو اس کا بولنا صحیح ہوگا ورنہ نہیں، اس امر کی تحقیق کر لیجئے گا"۔

بحر العلوم لکھتے ہیں: آج پندرہ بیس سال ہو گئے اور میں اس سلسلے میں غور کرتا رہتا ہوں مجھے کوئی ایسا محل استعمال نہ ملا۔

(مفتی اعظم نمبر حجاز نمبر ماہنامہ حجاز دہلی ۲۴ ستمبر اکتوبر ۱۹۹۰ء

مسلمان بدنصیب نہیں ہوتا

بحر العلوم ہی کا بیان ہے: مغربی یوپی کے کسی علاقے میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا کہ "بدنصیب مسلمان آج کل رات میں بارہ بجے تک سنیما دیکھتے ہیں اور دن میں دس بجے تک سوتے ہیں۔ یک بیک مفتی اعظم ہند نے بازو سے میری طرف پوری طرح مخاطب ہو کر کہا نہایت بلند آواز میں، بے حد بیزاری کے ساتھ گویا مجھ پر پھٹ پڑے۔

مولانا! میں اس کو مان نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بدنصیب ہو، آپ اس کو بدنصیب نہ کہئے، کچھ اور کہہ لیجئے حق یہ ہے کہ جس امت کے نگہبان رسول عربی ہوں، وہ بدقسمت کیسے ہو سکتی ہے

(مفتی اعظم ہند نمبر ماہنامہ حجاز جدید دہلی ۲۴ ستمبر اکتوبر ۱۹۹۰ء

طوفان گذر جائے گا

بحر العلوم لکھتے ہیں اور مفتی اعظم کا زبان و بیان کی اصلاح کا انداز تو بے حد دلچسپ اور

پر لطف ہوتا تھا، ایک دفعہ لوگوں نے آپ کے سامنے کہنا شروع کیا طوفان ایکسپریس ایک بجے آرہا ہے۔ایک بجے طوفان آرہا ہے کئی بار اس جملے کو سن چکے تو فرمایا'' سبحان اللہ بولنے کا کیا انداز ہے طوفان آرہا ہے طوفان آرہا ہے میاں کہنا ہی ہے تو یوں کہو ایک بجے بریلی اسٹیشن سے طوفان گزرر جائے گا۔ بحر العلوم دونوں جملوں طوفان آرہا ہے اور طوفان گذر جائے گا کے فرق پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں سبحان اللہ بات وہی ہے لیکن پہلے جملے کا ظاہر بے حد بھیانک ہے اور دوسرے کا ظاہر و باطن یکساں خوشگوار تھوڑے سے تصرف نے قبح کو حسن بناڈالا۔ (مفتی اعظم نمبر ماہنامہ حجاز دہلی ستمبر اکتوبر ۱۹۹۰ء

بلا کا حافظہ

مفتی اعظم زبان و بیان کی لطافت کا خیال رکھنے کے ساتھ بزرگوں کی شان میں حد درجہ محتاط بھی تھے وہ یہ بھی نہیں پسند فرماتے تھے کہ کوئی ایسا جملہ بھی استعمال کیا جائے جس میں ظاہر ہی کے اعتبار سے سہی کوئی نقص یا بے ادبی کا ادنیٰ سا شائبہ تک موہوم ہوتا ہو اگر چہ اس جملے کا استعمال مقام مدح وستائش میں عام اور رائج ہو مثلا بلا کا حافظہ''

حضرت بحر العلوم لکھتے ہیں: فتاویٰ رضویہ جلد سوم شائع ہوئی تو آپ مفتی اعظم ہند کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ایک نسخہ لے کر حاضر خدمت ہوا خیال ہوا کہ اس کا پیش لفظ سنا دیا جائے۔ پیش لفظ میں ایک جگہ حضور اعلیحضرت رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی قوت حافظہ کے بارے میں تحریر تھا حافظہ اس بلا کا تھا''

بحر العلوم آگے فرماتے ہیں پوری زندگی ہم نے اس جملے کو بار بار مقام مدح میں سنا اور پڑھا اور یہاں بھی موقع استعمال موقع مدح ہی تھا سن کر حضرت نے فرمایا:

واہ واہ آپ نے حضرت کے حافظے کی تعریف فرمائی ہے یا تنقیص کی ہے آپ کا حافظہ بلا کا تھا یہ بلا کون سی چیز ہے''

حضرت بحر العلوم اس اصلاح وتنبیہ سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے وہ اپنا تأثر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں تب مجھے احساس ہوا حضرت مفتی اعظم ہند زبان وبیان کا بھی کس درجہ لطیف ذوق رکھتے تھے اور اس کی باریکیوں پر کیسی مہارت تامہ حاصل تھی الغرض آپ کی بارگاہ میں شرعی لغزش ہو یا اخلاقی ولسانی سب پر پوری داروگیر ہوتی اور اعلان حق اور امر بالمعروف کا پورا پورا حق ادا کیا جاتا۔ (مفتی اعظم نمبر ماہنامہ حجاز جدید دہلی ۲۳ ستمبر اکتوبر ۱۹۹۰ء

فاسق کے پیچھے نماز صحیح مگر مکروہ تحریمی ہے

ایک بناری مولوی صاحب نے سوال کیا کہ حدیث پاک میں ہے کہ ہر فاسق و فاجر کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے۔ صلوا خلف کل بر و فاجر (حدیث)

تو جب حدیث پاک سے ثابت ہے تو نماز واجب الاعادہ کیوں؟ اور دوسرے یہ کہ جس مکروہ تریمی سے اعادہ واجب ہوتا ہے وہ کون مکروہ تحریمی ہے؟ خارج نماز یا داخل نماز؟

حضرت مفتی اعظم اس الجھن کے ازالے کے لئے حدیث کے مفہوم اور اس فقہی مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے افادۃً یوں رقمطراز ہیں:

جواز بمعنی صحت بھی ہوتا ہے۔ اور بمعنی حِل بھی فاسق و مبتدع جس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچی ہو اس کے پیچھے نماز جائز ہوتی ہے یعنی صحیح ہو جاتی ہے مگر مکروہ تحریمی ہوتی ہے فرض گردن سے اتر جاتا ہے اور نا جائز ہے یعنی ان کے پیچھے پڑھنا انھیں امام بنانا، ردالمحتا میں فرمایا جاز ای مع کراھة التحریم وہ حدیث جس کا مولوی صاحب نے ذکر کیا یہ ہے صلوا خلف کل بر و فاجر علامہ سید عبدالروف مناوی قدس سرہ تیسر شرح جامع صغیر میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں صلوا جوازا خلف کل بر و فاجر ای فاسق فان الصلوة خلفه صحیحة لکنها مکروهة مفتی اعظم ہند آگے فرماتے

ہیں نماز جب کسی مکروہ تحریمی کے ساتھ ادا ہو تو واجب الاعادہ ہوتی ہے **کل صلوۃ أدیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا** جب بحالت نماز ایک گناہ کا ارتکاب کیا تو نماز اس کی ایک ناجائز امر پر مشتمل ہوئی کراہت کے لئے استعمال کافی ہے وہ مکروہ خارج ہو یا داخل فتاویٰ مصطفویٰ ج ۲ ص ۲۴۵۔

☆☆☆

تحریک نسبندی

(مولانا محمد شہاب الدین رضوی)

علماء دین کا اصل وقار حق گوئی و بے باکی ہے۔ جسے اسلام نے ''افضل الجہاد'' کا مقام عطا فرمایا ہے دین کی قدریں پامال کی جارہی تھیں۔ قرآن پاک اور حدیث نبوی کی منشاء جاننے اور اس سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے بجائے مصلحتوں کی پیروی کا راج تھا حالات کے رخ پر ڈٹ کر حق کی صدا بلند کرنے والے روپوش ہوتے جارہے تھے ایک سے ایک قدر آور اہل علم دنیاوی آرام و آسائش کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے ایک مسلم حکومت دوسری مسلم حکومت کے خلاف جنگ کررہی تھی۔ اور علماء خاموش تھے۔ اگر کوئی زبان کھولتا بھی تو اپنے ملک کے حکمرانوں کی حمایت میں۔ مسلم برسر اقتدار اسلام پر کلنک تھے عالم اسلام میں صرف واحد ذات تھی مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا نوری بریلو قدس سرہ کی کہ کروڑوں ہندوؤں کی آبادی والے ملک میں رہ کر حکومت وقت کے فیصلے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ مصلحت پرستوں کے سرنگوں تھے حالات اور فضا کی برہمی اپنی جگہ، نہ جانے کتنے صاحبان جبہ و دستار حکومت کے مزاج سے صلح کرچکے تھے علماء کے وقار پر دھبے لگ رہے تھے اسلامی اور ایمانی جرأت کا خون ہورہا تھا ان کے اپنے مادی وسائل نہیں، طوفان بلا کو ٹالنے کا سامان نہیں، مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہورہا تھا، اور حکومتی قانون کا سہارا لے کر نسبندی کے نام پر لاکھوں انسانوں کے سلسلہ توالد و تناسل کو منقطع کررہے تھے عورتوں کے ''آپریشن'' کئے جارہے تھے۔ پولس مدد کررہی تھی بقول مولانا بدالقادری (ہالینڈ)

حکومتی اہل کار شہر شہر، قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، محلّہ محلّہ اور گھر گھر دستک

دے رہے تھے کہ آپ کے کتنے بچے ہیں؟ اگر دو یا تین ہیں تو نسبندی کرائیے
کہیں لالچ دے کر کہیں ڈرا دھمکا کر کسی پر زور دباؤ ڈال کر آئندہ کے لئے
لوگوں پر اولاد کا سلسلہ بند کیا جارہا ہے ۔

مسلمان، ہندو، سکھ پارسی اور عیسائی تمام قوموں کے لیڈروں نے حالات سے نظر پھیر لی تھی ۔ ۵/جون ۱۹۷۶ء/۱۳۹۶ھ کو سارے ملک ہندستان میں ایمرجنسی لگادی گئی تمام شہریوں کے بنیادی حقوق سلب کر لئے گئے، حکومت کی مخالفت ملک سے غداری و بغاوت قرار دے دی گئی، سیاسی لیڈروں کو گرفتار کرلیا گیا اور ان کی گرفتاری کو برقرار رکھنے کے لئے ''میسا'' کا قانون بنادیا گیا ۔ جس کے تحت مقامی کورٹوں کو گورنمنٹ کی مخالفت کرنے والے گرفتار شدہ افراد کے مقدمات کی سماعت کا حق نہیں دیا گیا صرف ہائی کورٹ کو ان کے مقدمات کی سماعت کا اختیار دیا گیا تھا وہ بھی ایک متعینہ مدت کے بعد نام نہاد عدل وانصاف کی قدریں جو مجروح تھیں وہ بھی ختم کردی گئیں ۔ مخالفین حکومت کو'' قانون میسا'' کے تحت بے بنیاد اور جھوٹے الزامات ک تحت جیلوں میں بند کردیا گیا تھا اندرا گاندھی کے بیس نکاتی پروگرام اور ان کے بیٹے سنجے گاندھی کے چار نکاتی پروگرام کی حمایت کرنے والے خوشامد پسند لوگوں کو ہی قانون میسا سے نجات مل سکی تھی ۔

گورنمنٹ کی سختیاں اللہ اللہ ۔ اب اس ماحول میں علماء دیوبند نے کیا کردار ادا کیا؟ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم صاحب کی حالت دیکھئے مشہور قانون داں مرزا عبدالوحید بریلوی لکھتے ہیں ۔

غیر فطری اور غیر اسلامی فعل نسبندی کا جبراً نفاذ کیا گیا، ہزاروں افراد کی جبراً نسبندی کی گئی، حتی کہ مجرد لوگ بھی محفوظ نہیں رہ سکے ۔ نسبندی کی اسکیم انتہائی غیر فطری تھی، اس پر عمل کرنا باشندگان ملک کے لئے لازمی قرار دے دیا گیا تھا ۔ مسلمانوں غیر فطری اسکیم کے متعلق شریعت اسلامیہ

کا حکم معلوم کرنا چاہا تو اولاً دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری طیب صاحب نے نسبندی کو شریعت اسلامیہ کے خلاف قرار دیا، ان کا فتویٰ روز نامہ الجمعیۃ دہلی'' میں شائع ہوا۔ قاری صاحب کے فتوے پر اندرا گورنمنٹ کا ردعمل شروع ہوا، اور ''میسا'' کا ڈنڈا قاری طیب صاحب کو دکھایا گیا تو ساری سی سی پٹاخی بھول گئے۔ اور اپنے فتوے سے رجوع کر کے راہ فرار اختیار کی۔ نسبندی کی حرمت سے رجوع کر کے نسبندی کے جواز کا فتویٰ جاری کر دیا قاری صاحب کا یہ فتویٰ حکومت نے بڑے اہتمام سے اخبارات میں شائع کرایا ریڈیو اور ٹی وی پر کئی دن تک نشر ہوتا رہا۔ ؎

۱۳۹۶ھ، ۱۳۹۷/۱۹۷۶/۱۹۷۷ء کا دور اسلامیان ہند کے لئے بھیانک طوفان کا دور تھا۔ گورنمنٹ نے مفتیان کرام کو ترغیب و ترہیب سے مائل کرنے کی مہم شروع کی، کانگریسی مفتیان نے اس کے جواز کا فتویٰ صادر کر دیا۔ ہندوستان کا مسلمان اب ایسے نازک موڑ پر آچکا تھا جہاں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ پوری قوم ایسے امیر کارواں کی تلاش میں تھی جو اسے سہارا دے۔ ایمان و اعتقاد کی اجڑتی ہوئی کھیتی کو لالہ زار بنا دے۔ اس وقت اسّی (۸۰) سالہ بزرگ گوشہ نشین، مرد خدا عارف باللہ حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی کے کانوں تک بات پہنچی آپ نے حالات کی ناسازگاری حکومت وقت کے ظلم و ستم، اور ملک بھر کے عام رجحان کے خلاف فتویٰ جاری فرمادیا جو عین شریعت اسلامیہ کے مطابق تھا اور مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ خبردار کسی لالچ، حرص یا دباؤ میں آکر مسلمان اس ناجائز کام میں ملوث نہ ہوں۔ مفتی اعظم نے ''میسا'' کے بھیانک ماحول میں شریعت اسلامیہ کی پاسبانی کی، آپ کو میسا کا خوف و ڈنڈا اعلاء کلمۃ الحق سے نہ روک سکا جب آپ سے نسبندی کے متعلق شریعت اسلامیہ کا موقف معلوم کیا گیا تو آپ نے بلا خوف و تردید کے نسبندی کو شریعت کے خلاف قرار دیا مولانا بریلوی کے رفیق کار مفتی

صاحبان اور معین المفتی نے قانون میسا پر گفتگو کی تو حضرت نے فرمایا:

فتویٰ شریعت اسلامیہ کے مطابق دیا جائے۔ میسا پیسا کی کوئی اہمیت نہیں ہے ''میسا'' کے خوف سے حکم شرع کو بدلا نہیں جاسکتا ہے حکومت وقت ہم کو باغی قرار دیتی ہے، تو اس کے خوف سے ہم اللہ عزوجل اور اس کے پیارے حبیب حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بغاوت نہیں کر سکتے مسلمانوں کو اللہ عزوجل اور اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وفادار اطاعت شعار ہونا چاہیے [۳]

مفتی اعظم مولانا بریلوی کا فتویٰ نسبندی ملاحظہ ہو جس کو ۳ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ ۳۰ ر ستمبر ۱۹۷۶ کو جناب ساجد علی خاں مہتمم دار العوم مظہر اسلام بریلی نے شائع کیا:

سوال:

سیدی مرشدی ومولائی حضور مفتی اعظم ہند دامت برکاتہ العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین خاندانی منصوبہ بندی (فیملی پلاننگ) کے متعلق نسبندی کے آپریشن کرانے کے بارے میں (عورتوں مردوں کے بارے میں) کیونکہ آج کل گورنمنٹ کی طرف سے ایسے احکام آتے ہیں کہ نسبندی کا آپریشن نہ کرانے والے سرکاری ملازم کو ملازمانہ ترقی نہ دی جائے گی وغیرہ عین نوازش ہوگی حضور بذات خود تکلیف گوارا کر کے اس مسئلہ کو حل کر کے روانہ کریں کیونکہ میں سرکاری ملازم ہوں گورنمنٹ کو اس کا جواب دینا ہے فتویٰ قرآن وحدیث سے مدلل ہونا چاہیے۔

فقط

مرزا امتاز بیگ رضوی چھتر بور، ایم، پی

جواب: الجواب بعون الملک الوھاب۔ ضبط تولید کے لئے مرد کی

نسبندی یا عورت کا آپریشن متعدد وجوہ سے شرعاً ناجائز و حرام ہے اس میں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا ہے اور یہ قرآن و حدیث کی نص سے ناجائز و حرام ہے۔ قرآن عظیم میں فرماتا ہے:

ولأمرنهم فليغيرن خلق الله . (۱)

شیطان بولا میں ان کو بہکاؤں تو وہ اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کو بدلیں گے۔

تفسیر صاوی میں ہے:

من ذلک تغير الجسم

یعنی اس میں سے ہے جسم کی تغیر۔

اور تفسیر کبیر میں ہے:

أن معنىٰ تغيير خلق الله ههنا هو الأخصاء الخ

یعنی اس آیت میں خلق کا معنی خصی کرنا وغیرہ ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے:

لعن الله المغيرات خلق الله (ملخصاً)

اللہ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو (جسم کی قدرتی بناوٹ) بدلنے والی ہیں۔

نیز اس میں بے وجہ شرعی ایک نس اور عضو کاٹا جاتا ہے۔ اور وہ بھی ایسی نس ایسا عضو جو توالد و تناسل کا ذریعہ ہے اور بے ضرورت شرعی دوسرے کے سامنے ستر وہ بھی ستر غلیظ کھولا جاتا ہے اور وہ اس کو چھوتا بھی ہے اور یہ تینوں امور بھی حرام ہیں کمافی کتب الفقہ۔ اور قاطع توالد ہونے کے سبب معنی خصا میں داخل ہے اور انسان کا خصی ہونا یا کرنا بھی بنص قرآن و حدیث حرام ہے جیسا کہ آیت و حدیث سے اوپر گزرا، نیز اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیس منا من خصیٰ ولا اختصیٰ (المشکوٰۃ)

جس نے دوسرے انسان کو خصی کیا یا خود ہوا، وہ ہم میں سے نہیں۔

یہ گمان کہ کثرت اولاد مفلسی کا باعث ہے، غلط ہے...... بلکہ اللہ و رسول کی نافرمانی و بے حیائی کے کام مفلسی کے اسباب سے ہیں مولیٰ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا تقتلوا اولادکم من خشیۃ املاق نحن نرزقکم و ایاھم ولا تقربوا الفواحش ماظھر منھا وما بطن

اپنی اولاد قتل نہ کرو، مفلسی کے باعث ہم ہی تمہیں، اور انہیں سب کو رزق دیتے ہیں۔ اور بے حیائیوں کے پاس نہ جاؤ جو ان میں کھلی ہیں اور چھپی ہیں۔

"الحاصل نسبندی یا آپریشن شریعت اسلامیہ میں ہرگز جائز نہیں لہذا اس سے احتراز لازم ہے۔ والمولیٰ تعالیٰ اعلم"

مفتی اعظم کے زیر سرپرستی "رضوی دارالافتاء" بریلی شریف کے مفتیان کرام جنہوں نے مولانا بریلوی کے فتوی پر تصدیقات کہیں:

(۱) مفتی محمد اعظم نوری، شیخ الحدیث دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف

(۲) مولانا خالد علی رضوی مدرس و مہتمم دارالعوم مظہر اسلام بریلی شریف

(۳) مفتی محمد صالح قادری رضوی بریلوی، مفتی رضوی دارالافتاء و استاذ منظر اسلام

(۴) مولانا عبیدالرحمٰن رضوی، معین المفتی رضوی دارالافتاء بریلی شریف

(۵) مولانا محمد عبدالغفور رضوی، معین المفتی رضوی دارالافتاء بریلی شریف

(۶) مولانا محمد رئیس الدین رضوی

(۷) مولانا محمد غلام یسین رضوی پورنوی

ایسی ایمرجنسی کے پرہول ماحول میں قاری طیب صاحب کا میرٹھ پہنچنا ہوا اور وہاں

بڑی دلیری اور طمطراق سے مجمع عام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''میں دہلی جا رہا ہوں مجھے کوئی گرفتار کرے! حاضرین جلسہ یہ جرأت مردانہ دیکھکر انگشت بدنداں رہ گئے، کہ یہ زمانہ قیامت خیز، اور یہ ہمت مردانہ؟ اور اس سے قبل عدم جواز کا فتویٰ شائع کر دیا تھا جو حق تھا اب ان کی عیاری ملاحظہ فرمایئے۔ چند دنوں بعد جب مذکورہ فتویٰ کی بنیاد پر متعدد مقامات پر مثلاً مظفر پور وغیرہ شہروں میں ہزاروں مسلمان گولی کا نشانہ بن گئے بہت سی عورتیں بیوہ ہوگئیں ہزار ہا بچے شفقت پدری سے محروم ہوگئے، پھر خفیہ مصلحت کی بناء پر قاری طیب نے حق بات سے رجوع کر لیا یعنی نسبندی کی حرمت کا فتویٰ دینے کے بعد اب اس کے جواز کا بیان دیدیا بایں طور کہ آپ کا بیان ٹیپ کر کے ریڈیو پر نشر کیا گیا جس کو ہندستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر کے شہروں اور قصبات، دیہات میں تعلیم یافتہ غیر تعلیم یافتہ ہر طبقے نے سنا کہ آپ فرماتے ہیں:

علماء کرام سے درخواست کروں گا کہ اب تک منفی پہلو پر غور فرمایا ہے اب مثبت پہلو پر بھی غور فرمائیں، یہ مسئلہ اجتہادی ہے ۵

علماء دیوبند کی نام نہاد حق گوئی آپ نے ملاحظہ فرمائی...... گورنمنٹ کی دھمکی نے فتویٰ بھی بدل دیا مگر قربان جائے اس بوڑھے مرد مجاہد (حضور مفتی اعظم) پر جس نے طاغوتی طاقتوں سے خوف نہیں کھایا۔ علماء حق کی یاد تازہ کر دی ظلم و بربریت کے بھیانک ماحول میں بھی اعلان حق فرمایا۔ چونکہ ذرائع ابلاغ پر حکومت کے آہنی پنجوں کا مضبوط قبضہ تھا مفتی اعظم کے فتوے کو ریڈیو وغیرہ سے اشاعت کا ذریعہ بنانا ممکن نہ تھا آپ نے حکومت کے خلاف فتویٰ عدم جواز نسبندی کو سائیکلو اسٹال اور فوٹو اسٹیٹ کرا کے ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا سب سے پہلے وزیر اعظم اندرا گاندھی اور یو پی گورنمنٹ، بریلی کلکٹر کو علیحدہ علیحدہ کاپیاں ارسال کی گئیں اندیشہ سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر مفتی اعظم کا جرأت مندانہ اقدام شریعت مصطفیٰ کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا، اور ظلم و جابر حاکم ایمرجنسی

کے دور میں آپ کے فتویٰ کے مقابل بے بس ہو کر رہ گئے۔ ۶

قانون میسا کے خوف سے فتویٰ شائع کرنا خاصا دشوار تھا، کوئی پریس کوئی اخبار چھاپنے کے لئے تیار ہی نہ تھا مفتی اعظم کے حکم پر سائیکلو اسٹائل مشین سے چھپوایا گیا، اور چھپوانے کی خدمت محترم الحاج قربان علی رضوی حامدی بیلپوری (مالک مکتبہ رضا ایوان عرفان بیلپور ضلع پیلی بھیت) نے انجام دی ۷

اس طرح حضرت مفتی اعظم کا فتویٰ پورے ملک میں پہنچ گیا، اور اس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ملک کے گوشے گوشے سے فتوی کی فرمائش کے خطوط آنے لگے، فتوی کی کاپیاں بھیجی جانے لگیں، حضرت مولانا بریلوی کے دولت کدے کے نزدیک پوسٹ آفس ہے وہیں سے ڈاک پوسٹ کی جاتی تھی حکومت وقت نے مفتی اعظم کا فتوی کی اشاعت روکنے کے لئے آپ کی ڈاک سینسر کرنا شروع کر دی فرمائش پر جو کاپیاں روانہ کی جاتیں وہ ان لوگوں تک نہیں پہنچتیں اور ان کے شکایتی خطوط آتے مرسلہ فتوے کہاں گئے؟ جب اس امر کی تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ مفتی اعظم کا فتوی سینسر کی نذر ہو جاتا ہے اس آفت پر کنٹرول کرنے کے لئے یہ حکمت عملی اختیار کی گئی کہ فرمائش پر فتویٰ کی کاپیاں ضلع بریلی کے مواضعات کے چھوٹے چھوٹے پوسٹ آفس اور غیر معروف جگہ پر نصب لیٹر بکسوں سے پوسٹ کیے جانے لگے یہ حکمت عملی انتہائی کامیاب و مؤثر رہی ۸

مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی نے حکومت وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی اور اعلاء کلمۃ الحق بلند فرما کر اسلاف کی یاد تازہ کر دی اس فتویٰ کا اثر حکومت ہند پر بہت اچھا پڑا اندرا گاندھی کی مخالفت کر کے ''میسا'' کا خوف عوام کے دلوں سے نکال دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جگہ جگہ جبری نسبندی کی مخالفت کا عوام نے اظہار شروع کر دیا چونکہ ان کو اب تقویت مل رہی تھی، مفتی اعظم مولانا بریلوی قیادت فرما رہے تھے حتیٰ کہ گاؤں گاؤں مخالفت و بغاوت کے لئے کمربستہ ہو گئے جگہ جگہ پولیس اور پی، ایس، سی سے عوام

کی معرکہ آرائی ہونے لگی۔

حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی کی عزیمت مجاہدانہ سے حکومت چونک پڑی، اور دار ورسن کی تیاری ہونے لگی ضلع کلکٹر نے مسلح فورس کے ساتھ مفتی اعظم کی محبوسی کے لئے سخت ہدایات جاری کر دیں مگر سی آئی ڈی کی رپورٹ بڑی خوفناک مرکزی حکومت کو موصول ہوئی صوبائی وزیر اعلیٰ اور سابق اسپیکر یوپی نے مرکزی حکومت سے فون پر رابطہ قائم کر کے صورت حال سے آگاہ کیا، اور کہا :

> اگر بریلی کے بڑے مولوی صاحب مفتی اعظم ہند پر ہاتھ ڈالا گیا تو خیر نہیں حکومت کی جان کے لالے پڑ جائیں گے اور پورے ملک میں ایسا انتشار پھیلے گا جو سنبھالے نہ سنبھلے گا۔ لہذا کوئی حکم دینے سے پہلے انجام پر خوب غور کر لیا جائے۔

لہذا حکومت وقت ڈھیلی پڑ گئی مگر سوداگران محلہ (بریلی) کا پولیس اور سی آئی ڈی روزانہ دن میں بار بار چکر لگاتی اور کچھ معلوم کرنے کی ہمت نہ پڑتی آخر ایک دن دو پولیس والے آئے اور کہنے لگے کہ ہمیں بڑے مولوی صاحب سے ملنا ہے۔

مفتی اعظم اندر تشریف فرما تھے دونوں کی ملاقات کرائی گئی انھوں نے حضرت مولانا سے کہا کہ:

> آپ کا فتویٰ نسبندی کے عدم جواز سے متعلق ہے آپ اسکو بدل دیں۔ اتنا کہنا تھا کہ حضرت کو جلال آ گیا اور ارشاد فرمایا:
>
> ہمارے یہاں فتویٰ نہیں بدلا جاتا ہے اگر ضرورت پڑی تو حکومت بدل دی جائے گی ۹

اندرا گاندھی حکومت کی تباہی و بربادی کے لئے مفتی اعظم نے دعا فرمائی، ان کے مولیٰ نے دعا قبول فرمالی، اور اندرا حکومت کا بیڑا غرق ہو گیا، الیکشن میں حکمراں پارٹی

کانگریس کو بری طرح سے شکست ہوئی، اور جنتا پارٹی کی حکومت بن گئی اور کانگریس آئی کو ظلم کے نتیجے میں اقتدار سے محروم ہونے کی ذلت اٹھانی پڑی اسی لئے آپ کے والد ماجد اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ پہلے ہی یہ فرما چکے تھے:

شرق پہ برق گراتے ہیں یہ ۰!

مفتیٔ اعظم مولانا مصطفےٰ رضا بریلی کی حق گوئی ایک ہفت روزہ اخبار "مستقیم" دہلی کی زبانی سنئے۔ ایڈیٹر لکھتا ہے:

اے ملت اسلامیہ تیری ہمدردی کے گیت تو سبھی گاتے ہیں تیرے حقوق و حفاظت کی اہمت تو سبھی جتاتے ہیں لیکن صرف الیکشن میں ووٹوں کے وقت اور قوم مسلم اتنی نادان یا بے حس ثابت ہو رہی ہے کہ وہ خود اپنی اہمیت اور حیثیت نہیں سمجھ پاتی۔ عالم اسلام میں شہرت و نیک نامی رکھنے والا ایک گھرانہ اور جماعت بھی ہے جس نے بلا شبہ ایمرجنسی اور نسبندی کے پرآشوب دور میں حق گوئی، بے باکی، اور نمائندگی کا حق ادا کیا، اور عالم اسلام کے اس قول کی لاج رکھ لی کہ مسلمان کبھی بھی حق بات کہنے سے اور ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے سے نہیں چوکتا اور وہ ہستی ہے جناب مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب مفتیٔ اعظم ہند کی جنہوں نے ببانگ دہل نسبندی کے خلاف فتویٰ صادر فرما کر حق گوئی کا ثبوت فراہم کیا۔!!

ڈاکٹر سید امین مارہروی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف لکھتے ہیں:

یوں تو مجھے حضرت والا مفتیٔ اعظم کی بہت سی باتیں متاثر کرتی ہیں مگر جس بات نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ استقامت فی الدین اور شرعی احکام کا کھلم کھلا اعلان ہے فیملی پلاننگ کے مسئلے پر سارے علمائے اور

مشائخ نے رخصت پر عمل کیا اکثر علماء نے سکوت اختیار کیا، اور بہت سے
نام نہاد دیوبندی مفتیوں نے سرکاری روش کے حق میں فیصلے دیئے۔ مگر
چونکہ مفتی اعظم ہند رضی اللہ عنہ ایمان کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے لہذا انھوں
نے حق کا بآواز بلند اعلان فرمایا اور اس کی پرواہ نہیں کی کہ اس کا نتیجہ ان
کے حق میں کیا ہوگا؟ اور تاریخ شاہد ہے کہ فیملی پلاننگ کے خلاف فتویٰ
دین کے باوجود ان کا بال بھی بیکا نہ ہوا حضرت کی عمر شریف جہاد بالسیف
کے دور سے گزر چکی تھی، مگر ان کے قلمی جہاد نے ثابت کر دیا کہ

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

۱۲

نومبر ۱۹۷۶ کو حکومت ہند نے مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی کے نام ''نوٹس''
جاری کر دیا اس میں حضرت مفتی اعظم اور دیگر مفتیان کرام شائع کنندہ مولانا صوفی ساجد
علی خاں کو کلکٹر نے طلب کیا تھا مفتی اعظم چونکہ پوری زندگی بھر کبھی بھی کچہری نہیں گئے
جناب ساجد علی خاں مع مفتیان رضوی دارالافتاء کے بوقت ۴ بجے دن میں نسبندی کے
مسئلے پر بیان دینے کے لئے بذریعے کار نہایت عزت ووقار کے ساتھ تشریف لے گئے،
جب وہاں پہنچے تو کلکٹر نے سب سے پہلے یہ کہا کہ آپ سب لوگ آ گئے تو مولانا ساجد علی
خان نے جواب دیا کہ آپ نے جن کو بلایا تھا اور ان کے نام کی جو لسٹ گشت کرائی تھی اسے
منگا کر چیک کر لیجئے کہ کون کون حاضر ہیں۔ پھر ایک کاغذ پر سب نے دستخط کیے مفتی اعظم
کی طرف سے مولانا خالد علی خان رضوی نے عذر نامہ کلکٹر کے آنے سے پہلے ہی پیش کار کو
دے دیا تھا پھر وہ عذر نامہ کلکٹر کے سامنے آ گیا اس نے عذر نامہ کو لسٹ کے ساتھ فائل میں
رکھ لیا۔

مولانا ساجد علی خان نے مولانا غلام رشید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کلکٹر سے کہا یہ بغیر بلائے ہوئے آ گئے ہیں اگر آپ اجازت دیں تو یہاں بیٹھیں ورنہ جا سکتے ہیں اس نے کہا یہ پبلک پلیس ہے کوئی حرج نہیں بیٹھے رہنے دیجئے اس کے بعد مولانا ساجد علی خان نے دریافت کیا آپ نے ہمیں کس لئے طلب کیا ہے۔ کلکٹر نے کہا ہم نسبندی کے فتوی کے متعلق تحقیق کرنا چاہتے ہیں اس پر مولانا نے فرمایا:

یہ فتویٰ ہم نے شائع کیا ہے، اور یہ مفتی صاحبان کے دستخط ہیں۔
حضرت مفتی اعظم کا فتویٰ ہے...... اسے ہم سنا دیں۔

کلکٹر نے سننے کی خواہش ظاہر کی کہ مولانا نے ایک مفتی صاحب کی طرف اشارہ کر کے سنانے کو کہا، مفتی صاحب نے پڑھنا شروع کیا درمیان درمیان میں جگہ جگہ مولانا کلکٹر کو فتویٰ کی عبارت سمجھاتے گئے اور انگریزی میں اس کا ترجمہ کرتے گئے مولانا ساجد علی خان نے تاریخی حیثیت سے سمجھاتے ہوئے کہا:

عرب کی تاریخ میں پتہ چلتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے بھوک مری کے خوف سے اور کسی کو داماد بنانے کی عار کی وجہ سے پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پیغمبر تشریف لائے اور قرآن کی آیات نازل ہوئی کہ ہم رزق تم کو بھی دیتے ہیں اور تمہاری اولاد کو بھی دیں گے تم بھکمری کے خوف سے انہیں قتل نہ کرو۔ اور آگے یہ فرمایا کہ بے حیائیوں سے بچو، ان سے رزق میں کمی ہوتی ہے نسبندی کی اسکیم کا منشا یہ ہے کہ تنگدستی اور افلاس دور ہو حالانکہ قرآن نے بتا دیا کہ ظاہری اور باطنی بے حیائی سے بچو کہ یہ رزق کم کرنے والی چیزیں ہیں اس کی طرف تو کوئی توجہ نہیں دی جا رہی ہے نسبندی ذرا چلنے تو دو پھر آپ تماشا دیکھیں گے بے حیائیاں اور بڑھیں گی۔

درمیان میں فتویٰ سنانے والے مفتی صاحب نے کہا:

نسبندی میں ظاہری اور باطنی برائیاں موجود ہیں عورت کو پھر اسقاط حمل کا خوف نہیں رہے گا اور عورتوں مردوں میں حرام کاری اور بڑھے گی۔

ایس ڈی ایم بول اٹھے کہ اس سے تو بدمعاشی اور بڑھے گی کلکٹر نے کہا اور بھی تو مولوی ہیں جو اس کو صحیح کہتے ہیں اس پر ساجد علی نے فرمایا:

> ہم ایسی جگہ کے رہنے والے ہیں جہاں بڑے بڑے علماء صاحب فضل وکمال آتے جاتے ہیں اور ہم بھی باہر جاتے ہیں اور علماء سے ملتے ہیں ہم نے یہ دیکھا کہ بڑے بڑے علم وفضل اور کمال والے بعض علماء انھوں نے اپنی دستار کو اتارا اور تہ کیا، اس میں اپنا علم وفضل سب باندھ دیا اس کو پیکٹ بنا کر راشن اور پرمٹ کے عوض میں اس طرح (دونوں ہاتھوں کا اشارہ کرتے ہوئے) دے دیا ہم ان میں سے نہیں ہیں ہم کو احکم الحاکمین کے سامنے جواب دینا ہے۔

اس پر کلکٹر نے کہا ہم اس کو نہیں جانتے خیر آپ منع کرتے ہیں اور بات ہے لیکن جن کو یہاں رہنا ہے ان کو کرانا ہی ہے۔ مولانا کے ہاتھ میں عصا تھا، اس کو ٹھونک کر انگریزی میں بولے:

> کیا جو نہیں کرائیں گے وہ دوسرے ملک چلے جائیں؟ ہم باہر نہیں جاسکتے ہم یہیں کے ہیں اور یہیں رہیں گے ہمارا کام ہی یہ ہے کہ ہم خلق خدا کی رہنمائی کریں۔

کلکٹر نے کہا آپ لوگ دھارمک ہیں سچ بولتے ہیں جھوٹ نہیں بولیں گے، یہ بتایئے کہ آپ نے یہ فتویٰ کہاں چھپوایا مولانا ساجد علی خان فوراً جواب دیا کہ سائیکلو اسٹائل کے ذریعے چوری سے چھپوایا گیا ہے پھر سوال کیا کہ سائیکلو اسٹائل کس کا تھا ایک مفتی

صاحب نے فرمایا کہ آپ نے کہا ہے کہ جھوٹ نہیں بولیں گے آپ لوگ سچ ہیں اس لئے ہم اسکا نام نہیں بتائیں گے کہ اس سے جھوٹے ہو جائیں گے کیونکہ ہم نے اس وعدہ کرلیا ہے کہ تمہارا نام کسی سے نہیں بتائیں گے'' اس کے بعد مولانا نے اپنا عصا اٹھا کر اٹھتے ہوئے کہا کہ میں بہت کمزرو ہوں، ناتواں ہوں مگر یہ مسئلہ نہایت اہم تھا اس لئے آنا ضروری تھا اب اجازت دیجئے کلکٹر نے کہا آپ جسمانی طور پر دیکھنے میں کمزور ہیں مگر آپ کے اندر روحانی قوت ہے ☆

حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفٰے رضا خان کے فرستادہ نمائندے اور ترجمان نے حضرت کی صحیح معنوں میں ترجمانی کا حق ادا کردیا اور وفد میں شامل حضرات نے دنداں شکن جواب دیا اور حکومت سے مرعوب نہ ہوکر اپنی بات کا آخرکار اعتراف کراہی لیا۔

☆حضور مفتی اعظم ہند کے سیاسی افکار ص ۷۹ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

حواشی

۱۔ مولانا محمد قمر الحسن قمر بستوی تجلیات مفتی اعظم ہند

۲۔ عبدالوحید بیگ مرزا: حیات مفتی اعظم حصہ اول، ص ۱۶۲،

۳۔ عبدالوحید بیگ مرزا: حیات مفتی اعظم حصہ اول ص ۱۶۳

۴۔ ماہنامہ دامن مصطفےٰ بریلی

۵۔ غلام جیلانی میرٹھی، شیخ الحدیث: البشیر شرح نحو میر ص ۴ مکتبۃ الجیلانی سنبھل،

۶۔ محمد شہاب الدین رضوی، راقم السطور، مفتی اعظم اور ان کے خلفاء ج ۱/ ص ۹۱

۷۔ بروایت مولانا مفتی محمد صالح قادری بریلوی، استاد دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف

۸۔ عبدالوحید بیگ مرزا، حیات مفتی اعظم حصہ اول، ص ۱۶۴۔

۹۔ بروایت بابو بھائی خادم حضرت مفتی اعظم، جاروب کش آستانہ رضویہ بریلی مورخہ یکم رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

۱۰۔ امام احمد رضا بریلوی، الاستمداد ص ۶۰، قادری بک ڈپو بریلی۔

۱۱۔ ہفت روزہ مستقیم دہلی: ص ۵، بابت: ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹۔

۱۲۔ ماہنامہ استقامت کانپور: مفتی اعظم نمبر ص، ۱۳۸ بابت مئی ۱۹۸۳۔

۱۳۔ مفتی اعظم نوری، مفتی مدیر ماہنامہ دامن مصطفےٰ بریلی ص: ۲۳ تا ۲۵، بابت ستمبر اکتوبر ۱۹۸۶/۶۔۱۴۰۷ھ

تحریک گاؤ کشی

(مولانا محمد شہاب الدین رضوی)

اسلام مخالف مشن ہر دور میں عروج پر رہا۔ فرقہ پرست ہندوؤں کی کوشش رہی کہ مسلمانوں کے ہر مذہبی شعار پر حملہ کیا جائے تحریک گاؤ کشی چلی کہ یہ گائے ہماری ماتا ہے ہم اسکو پوجتے ہیں پاک صاف ہے مسلمانوں کو چاہیے ہماری ماتا کو ذبح نہ کریں۔ مغلیہ سلطنت کے خاتمے کے بعد ہی ہندوؤں کی کوشش تھی کہ مسلمانوں سے گائے کی قربانی رکوادی جائے اپنے مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے ہر طرح کے حربہ استعمال کیا کہیں جبر و تشدد سے اسلامی شعار کو بند کرنے کی کوشش کی اور کہیں دجل وفریب سے تاج الدین تاج کے زبانی تاریخ کے المناک دور کی کہانی پیش کی جارہی ہے:

علاقہ بہار میں ہندوؤں نے محض قربانی گاؤ کو روکنے یعنی مسلمانوں کے ایک مذہبی اور دینی شعار کو بند کرنے کے لئے ہزارہا کی تعداد، اور لشکروں کی صورت میں مجتمع ہوکر اور ہر طرح کے اسلحہ جات سے مسلح ہوکر اور گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سوار ہوکر ہزارہا مسلمانوں کو زخمی اور قتل کیا ایک نہیں دو نہیں مسلمانوں کے ایک سو چالیس گاؤں اور دو ہزار سات سو مکانات اس بیدردی کے ساتھ لوٹے کہ جن کی تفصیل سے کلیجہ منہ کو آتا ہے مسلمانوں کے مکانات کا لوٹا ہوا مال ظالم ہندو ہاتھیوں پر لاد کر لے گئے آپ کے ہندو دوستوں نے لاتعداد مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کی عصمت دری کی آپ کے ہندو دوستوں نے مسلمانوں کو پانچ عالیشان مسجدیں شہید کردیں آپ کے ہندو دوستوں نے مسلمانوں کے قرآن مجید

پھاڑ پھاڑ کر ایسے پرزے اڑائے کہ مسلمانوں کے پاس پڑھنے کے لئے
قرآن مجید کا ایک نسخہ بھی نہ رہا۔ ۱

کبھی اس مقصد کے حصول کے لئے فریب کا سہارا لیا، اور زید و عمر کے نام سے علماء کے پاس استفتاء بھیجے کہ '' گائے کی قربانی اسلام میں واجب نہیں ہے۔ البتہ اس سے فتنہ و فساد کا خطرہ ہوتا ہے۔ اگر مسلمان گائے کی قربانی نہ کریں، تو اس میں کیا حرج ہے''...... بعض علماء کی اس طرف توجہ نہ ہو سکی، انہوں نے فتویٰ دے دیا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ ۲

۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء میں ایک قسم کا اس استفتاء اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں پیش ہوا آپ اس وقت اپنے گاؤں میں تشرف فرماتھے زمین کی پیمائش ہو رہی تھی، وہاں پر نہ کوئی کتاب اور نہ کچھ آپ نے پہلی نظر میں سوال میں چھپا ہوا مقصد معلوم کر لیا اور جواباً تحریر فرمایا:

ہم ہر مذہب و ملت کے عقلاء سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر کسی شہر میں بزور مخالفین گاؤکشی قطعاً بند کر دی جائے اور بلحاظ ناراضی ہنود اس فعل کو کہ ہماری شرع مطہر ہرگز اس سے باز رہنے کا حکم نہیں دیتی ایک قلم موقوف کیا جائے تو اس میں ذلت اسلام متصور نہ ہوگی؟ کیا اس میں خواری و مغلوبی مسلمین نہ سمجھی جائے گی؟

کیا اس وجہ سے ہنود کو ہم پر گردنیں دراز کرنے، اور اپنی چیرہ دستی پر اعلیٰ درجہ کی خوشی ظاہر کر کے مذہب اور اہل مذہب کے ساتھ شماتت کا موقع ہاتھ نہ آئے گا؟

کیا دجہ وجیہ اپنے لئے ایسی دنائت و ذلت اختیار کرنا، اور دوسروں کے دین کو مغلوبی سے اپنے اوپر ہنسوانا ہماری شرع مطہر میں جائز ہے؟ حاشا و کلا ہرگز نہیں ہرگز نہیں ہماری شرع مطہر ہرگز ہماری ذلت نہیں چاہتی

نہ یہ متوقع کہ حکام وقت صرف ایک جانب کی پاسداری کریں اور دوسری طرف کی توہین وتذلیل روا رکھیں۔ ۳؎

مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی کی خدمت عالیہ میں ایک استفتاء پیش ہوا جس میں یہ معلوم کیا گیا تھا کہ قربانی کرنا صاحب نصاب پر واجب ہے یا نہیں؟ اگر زید عمر سے یہ کہے کہ اس وقت تم قربانی نہ کرو اور یہی قربانی کا روپیہ خلافت کمیٹی کو انگورہ فنڈ وموپلا فنڈ میں دے دو اور قربانی گاؤ ناجائز ہے کیونکہ امیر افغانستان وعلماء افغان نے اس پر فتویٰ دیئے ہیں اب قول زید شرعاً کیسا ہے؟ مفتی اعظم نے جواب عنایت فرمایا:

قربانی ہر آزاد مسلمان، صاحب نصاب پر ایام اضحیٰ میں کسی دن کرنا واجب ہے یا سنت مؤکدہ۔ وجوب امام اعظم وامام محمد وامام زفر وحسن کا قول ہے اور ایک روایت میں امام ابو یوسف سے بھی یہی واجب ہے خیر اگر سنت ہی رکھیں تو بھی ترک کرنا اور کرانا سخت گناہ اور اصرار سے فسق اور پناہ بخدا مستحق عذاب ونار ومصداق من ترک سنتی لم ینل شفاعتی ہونا ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے عمداً میری سنت ترک کی وہ میری شفاعت نہ پائے گا اعاذنا اللہ من ترکھا و رزقنا شفاعۃ حبیبہ المصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء ۴؎

مفتی اعظم ان کے مضمر عزائم کو پرکھ چکے تھے انھوں نے اپنی دوربین نگاہ سے دیکھ لیا تھا کہ یہ اسلام اور شعار اسلام سے کھلواڑ کر رہے ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ خلافت والوں کا یہ کہنا کہ قربانی گاؤ کی رقم خلافت کمیٹی کو دیدو یہ حربہ صرف حصول زر کے لئے ہے تاکہ اسلام کے نام پر ہم اپنا تاج محل تو تعمیر کر ہی لیں چاہے شعار اسلام کو مٹا دیا جائے (معاذ اللہ) مفتی اعظم رقم طراز ہیں:

قربانی اراقۃ دم ہے۔ وہ روپیہ فقرا کو یا کمیٹیوں وغیرہ میں دینے سے

ادا نہ ہوگی درمختار میں ہے:فتجب التضحية اى اراقة الدم من النعم عملا لا عتقاد یہاں تک کہ اگر قربانی کا جانور بے ذبح کئے تصدق کر دیا جائے قربانی ادا نہ ہوئی واجب ذمہ پر رہا اور اگر ذبح کر کے سب اپنے صرف میں لے آیا فقراء کو کچھ نہ دیا قربانی ہوگئی واجب سر سے اتر گیا۔ ۵

سیاسی لیڈروں کا کہنا تھا کہ قربانی نہ کرو بلکہ اس کی رقم خلافت کمیٹی کو انگورہ فنڈ میں دے دو اور اس کی بھی تشہیر کی جارہی تھی کہ قربانی ناجائز ہے حضرت مولانا نے ایسے کلمات کہنے والے پر شرعی حد قائم فرمائی ہے:

زید پر توبہ فرض ہے اس نے چار گناہ عظیم کئے (۱) نہی عن المنکر (۲) امر منکر (۳) بےعلم نے فتویٰ دے دیا (۴) نئی شریعت گڑھی اور شرع مقدس پر افترا کیا اور بحکم حدیث لعنت ملائکہ سمٰوٰت وارض کو اوڑھا۔

قربانی گاؤں کو ناجائز کہنے والوں کی دلیل یہ تھی کہ امیر افغانستان وعلماء ومفتیان افغانستان نے اس پر فتویٰ دے دیا ہے کہ قربانی گاؤ ہرگز نہ کی جائے۔

مفتی کیلئے ضروری ہے کہ زمانے کے حالات اور نزاکتوں سے باخبر رہے یہ بات مفتی اعظم میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی ان کو معلوم تھا کہ تحریک گاؤ کشی کے داعین شعائر اللہ کو مٹانا چاہتے ہیں جس فتویٰ کو وہ لوگ دلیل میں پیش کرتے تھے، اس کا حال یہ تھا۔ مفتی اعظم حقیقت کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔

اولاً: وہ جو امیر (افغانستان کا فتویٰ) صاحب کی طرف منسوب اشتہار شاہجہان پور کے کسی ہندو نے طبع کرایا ہے وہ ہرگز امیر صاحب کا نہیں ان پر اور وہاں کے علماء پر محض افتراء اور عظیم بہتان ہے جبکہ قرآن عظیم میں صاف ارشاد ہے: ان اللہ یامرکم ان تذبحو بقرة بے

شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم گائے ذبح کرو۔

اس سے عامہ مسلمین آگاہ ہیں کوئی ایسا ہی جاہل ہوگا جسے اس کا علم نہ ہوگا پھر سنت سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی گاؤ فرمائی تو ایک ایسے امر کو جو قرآن سے ثابت حدیث سے ثابت جائز نہیں بلکہ مسنون سے امیر صاحب **ایدھم اللہ نصرھم** اور علماء کیسے ناجائز فرما سکتے ہیں۔

ثانیاً: بفرض غلط وہ امیر صاحب ہی کا سہی جب بھی حجت شرعیہ نہیں **ما احل اللہ و رسول** (عزوجل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے حلال فرمایا وہ حلال ہے اور جسے انھوں نے حرام فرمایا وہ حرام ہے قول زید بد تر از بول ہے اور اس پر عمل حرام، حرام، حرام، قربانی گاؤ شعائر اللہ ہے۔ **قال تعالیٰ و البدجعلنا لکم من شعائر اللہ.** ۶

حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خان بریلوی کی شخصیت ایک فعال اور متحرک تھی آپ کی دور رس نگاہیں سوال کے تیور لے کر بھانپ لیتی تھیں آپ نے تحریک گاؤ کشی کے زمانے میں جو کچھ فرمایا اور لکھا بعد کے تاریخی حقائق وشواہد نے سب سچ کر دکھایا یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ اظہر من الشمس ہے اعلیٰحضرت امام احمد رضا کی صحیح ترجمانی فرمائی کتنی ہی آندھیوں کے بادل چھائے گھٹا ٹوپ آندھیاں چلیں، ہواؤں کے تھپیڑوں میں بہت سے بہہ گئے مگر واحد ذات تھی مفتی اعظم کی جس نے اعلیٰحضرت کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔

شوال المکرّم ۱۲۹۸ھ میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اسی مسئلہ گاؤ کشی پر ایک تفصیلی کتاب تحریر فرمائی جس کا نام **انفس الفکر فی قربان البقر** مطبوعہ اہلسنت و جماعت پریس بریلی تجویز ہوا۔ انفس الفکر پر پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

منقسم ہندستان میں مسلمانوں کا پورا پورا حق ہے اور وہ اپنے مذہبی شعائر کو دوسروں کی خوشنودی کے لئے کبھی نہیں چھوڑ سکتے بالآخر سب نے اس حق کو تسلیم کیا اور آج بھی ہندوستان میں مسلمان اپنے مذہبی شعائر پر عمل پیرا ہیں۔ ۷

مفتی اعظم نے انفس الفکر پر تصدیق کرتے ہوئے شریعت مطہرہ کا حکم تو بتایا ہی مگر زرعی اور تجارتی نقطہ نظر سے بھی آگاہی دی کہ گائے کی قربانی کرنے میں ملکی اقتصادی اور مالی حالت کتنی خستہ ہوسکتی ہے۔ رقم طراز ہیں:

جس چیز کی مانگ زیادہ ہوتی ہے اسے قدرت زیادہ پیدا فرماتی ہے گاؤکشی بند ہونے سے زراعت کو تو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا سوا اس کے کہ کھیت میں پڑ کر تیار کھیت کو کھا جانے والے اب دس ہیں تو جب سو ہوں گے۔ ہاں گوشت کو نقصان عظیم پہنچے گا مسلمان اور عیسائی بلکہ ہنود کی بعض اقوام بھی طبعی طور پر غذائے گوشت کے عادی ہیں اسے بند کر کے صرف دال ساگ پر انھیں قانع کرنا ضرور ان کی عافیت میں خلل انداز ہوگا اور ہرگز ان کی صحت جسمانی ٹھیک نہیں رہ سکتی، اور اس کے سوا عام حاجتوں کو سخت نقصان پہنچے گا۔ ۸

مفتی اعظم مولانا مصطفے رضا نوری بریلوی نے مذکورہ تصدیق اس وقت فرمائی تھی جب آپ کی عمر شریف صرف ۱۸ برس کی تھی ۱۸ برس کی عمر میں آپ نے وہ فراست و ذہانت پائی تھی جس کی تصدیق اس بات سے ہوسکتی ہے کہ آپ اس وقت معتمد مفتیوں میں شمار ہوتے تھے خود اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی اپنے فتاوی پر تصدیق کرواتے تھے۔

حضور مفتی اعظم کے سیاسی افکار، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

حواشی

۱۔ تاج الدین احمد تاج منشی: ہندوؤں سے ترک موالات ص ۶

۲۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری، مولانا: البریلویت کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ ص ۲۳۱

۳۔ امام احمد رضا: رسائل رضویہ ج ۲ ص ۲۱۸ مکتبہ حامدیہ لاہور

۴۔ مصطفےٰ رضا مولانا، طرق الہدیٰ والارشاد الی احکام والامارۃ والجہاد ص ۵۷

۵۔ مطفے رضا، مولانا: طرق الہدی والارشاد ص ۵۷

۶۔ مصطفےٰ رضا بریلوی، مولانا: طرق الہدی والارشاد ص ۵۸۔۵۹)

۷۔ محمد مسعود احمد پروفیسر: آئینہ رضویات ص ۱۶۶ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۸۹ء / ۱۴۱۰ھ

۸۔ احمد رضا بریلوی، امام انفس الفکر فی قربان البقر ۲۰ مطبع اہلسنت و جماعت بریلی (تصدیق)

تحریک جہاد

(مولانا محمد شہاب الدین رضوی)

اسلامی فرائض میں جہاد اہم ترین فریضہ ہے لیکن یہ اسی وقت فرض ہوگا جب اس کے شرائط پائے جائیں اس کے اہم شرائط میں سلطان اسلام اور قوت کا موجود ہونا ہے اسی لئے اعلیحضرت امام احمد رضا نے فرمایا تھا:

مفلس پر اعانت مال نہیں بے دست و پا پر اعانت اعمال نہیں

لہذا مسلمانان ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں۔ ا

آگے چل کر امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی ترجمانی آپ کے فرزند اصغر مفتی اعظم مولانا مصطفے رضا نے کی ان کی خدمت عالیہ میں ایک استفتاء پیش ہوا آپ نے اس کے جواب میں تفصیلی فتویٰ صادر فرمایا جواب کے دو رخ ہیں پہلا اجمالی، دوسرا تفصیلی، اور جو اجمالی تحریر ہوا ہے اس کو مزید تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے تاکہ مسئلہ جہاد کو سمجھنے میں مدد مل سکے۔

ا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں، ان کی شریعت آسان ہے وہ پاک ہے اس سے کہ حکم دے اس چیز کا جو فوق طاقت و قوت بشر، اور انسانی وسعت سے باہر ہو قرآن کریم فرماتا ہے۔ **لایکلف الله نفسا الا وسعها.**

۲۔ شریعت اس سے منزہ ہے کہ بے فائدہ وعبث امر کا حکم فرمائے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وما خلقنا السماء والارض وما بینهما لاعبین. هذا کله ما افاده امامنا مجدد المائة الحاضرة رضی الله تعالی عنه .**

۳۔ جان کی حفاظت اہم فرائض سے ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **ولا تلقوا باید یکم**

الی التھلکۃ ۔

۴۔ فتنہ وفساد سخت شنیع ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: من قاتل لا تفسدوا فی الارض ۔

۵۔ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے یوں ہی ہر بات کہنے کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے بے موقع و محل بات کہنا لوگوں کو ہنسنے کا موقع دینا ہے[۲]

تحریک جہاد کا نعرہ مسٹر گاندھی اور ان کے ہمنواؤں نے یہ باور کر کے لگایا تھا کہ ہم ملک کو آزاد کرائیں گے آزادی ملک ہمارا نصب العین ہے چاہے مال کے ذریعے ہو یا جان کے ذریعے مسلمان چونکہ جذباتی واقع ہوا ہے اس نے فوراً نعرہ جہاد کو قبول کر لیا اور یہ کہا گیا کہ یہ جہاد انگریزوں کے خلاف ہے حالانکہ حقیقت اس کے خلاف تھی گاندھی کا مقصد وحید یہ تھا کہ بے دست و پا مسلمانوں کو آگ کے گڑھے میں جھونک دیا جائے ان کے پاس ہے ہی کیا اور جو کچھ ہے وہ جہاد کی نظر ہو جائے تا کہ یہ مسلمان قوم کبھی ابھر نہ سکے۔ امام احمد رضا قدس سرہ پہلے ہی اپنی فراست ایمانی سے معلوم کر چکے تھے امام موصوف اور آپ کے شہزادے مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی جہاد کے خلاف نہیں تھے مگر ایسی بے سروسامانی، بے دست و پا، مفلسی، اور تنگدستی جیسی حالت دیکھ کر تحریک جہاد کی مخالفت کی چونکہ شرائط جہاد نہیں پائے جاتے تھے مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خان نے کیا خوب نقشہ کھینچا ہے:

> جو حکم انسانی قوت و طاقت بشری، وسعت واستطاعت سے باہر ہو وہ ہرگز حکم شریعت مطہرہ نہیں۔ جس حکم میں باقاعدہ اتلاف جن واہلاک نفس ہو وہ اس شرع مبین کا حکم نہیں یو ہیں جس حکم سے سوتے فتنے جاگیں، فساد برپا ہوں، وہ کبھی مقدس اسلام کا حکم نہیں ہو سکتا اب یہ خود دیکھ لیں یہاں اس وقت حکم جہاد میں تکلیف مالا یطاق ہے یا نہیں؟ اس میں کوئی

فائدہ ہے یا سراسر مضرت؟ جانوں کی بے وجہ ہلاکت یا حفاظت فتنہ وفساد کی اثارت ہے یا اقامت؟ اسمیں مسلمانوں کی عزت ہے یا ذلت؟ یہ حکم قبل از وقت ہے یا خاص وقت پر؟ ان امور پر غور کر لینے کے بعد مسئلہ بالکل صاف ہو جائے گا اصلا خفا نہ ہوگا کیا نہتوں کو ان سے جو تمام ہتھیاروں سے لیس ہوں لڑنے کا حکم دینا سختی نہیں؟ اور تکلیف فوق الوسعت نہی؟ کیا ایسوں کو جو ہتھیار چلانا بڑی بات ہے اٹھانا نہیں جانتے ،جن کے وہم میں بھی کبھی نہیں گزرا کہ بندوق کس طرح اٹھاتے ،تلوار کیونکر تھامتے ، مارتے ،طمنچہ کیسے چلاتے ہیں جنھوں نے کبھی جنگ کے ہنگامے ،لڑائی کے معرکے خواب میں نہ دیکھے ہوں انہیں توپوں کے سامنے کر دینا کچھ زیادتی نہیں؟ کیا ایسوں سے میدان کرانا ،اور ان کی جانیں مفت گنوانا عبث نہیں؟ کیا یہ فتنہ وفساد نہیں کہ مسلمانوں کی عزیز اور قیمتی جانیں مفت ضائع ہوں؟ اس سے بڑھ کر اور فتنہ اور اس سے زائد فساد فی الارض کیا ہوگا؟۔ ۳

حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی قدس سرہ جہاد کے جذبے کو پژمردہ نہیں کرنا چاہتے تھے انہوں نے حکم شرع بیان کی ،اس میں نہ انگریز کی طرف داری مقصود تھی اور نہ ہی چاپلوسی وخوشامد وہ تو اس سے سخت مخالف تھے ان کے دور دولت پر بڑے بڑے سربراہان ممالک آئے مگر ملاقات تک بھی نہ کی اور وہ بغیر ملاقات کئے واپس چلے گئے چہ جائے کہ انگریز کی خوشامد کرتے۔

تحریک جہاد کا رد کرتے ہوئے شرع مطہرہ کو واضح انداز میں بیان فرماتے ہیں: یہاں کے نہتھے بے سردھرے جنگ سے ناواقف مسلمان، ان پر خود سلطان اسلام جس کے پاس سامان حرب بھی ہو،اور با قاعدہ

فوج بھی وہ اگر یہ سمجھے کہ کفار زائد ہیں یہ فوج وسامان انھیں کافی نہ ہوگا تو
ایسی حالت میں اسے ان سے پہل ناجائز ہے۔ ۴

آگے چل کر دوسری جگہ اپنے دوست مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

خود اس گاندھی امت کے لیڈر اعظم مولوی عبدالباری کو مسلم ہے کہ یہ وقت، وقت جہاد نہیں اور یہ کہ وہ نامفید، اور بے ضرورت اہلاک نفس ہے۔ ۵

مولانا عبدالباری فرنگی محلی اپنے رسالہ ''ہجرت'' میں لکھتے ہیں:

میں کشت وخون کو خصوصا مجتمع حملے کی صورت میں جیسا کہ لشکر کرتا ہے غیر مفید سمجھتا ہوں کیونکہ اس کے اسباب مجتمع ہیں اس میں شک نہیں کہ اہلاک نفس بلا ضرورت جائز نہیں قانون جن امور کو روکتا ہے ان کو نہ کرنے میں ہمیں عذر ہے۔ ۶

مسئلہ جہاد میں مفتی اعظم اور مولانا فرنگی محلی کا موقف گویا کہ ایک ہی تھا مگر مولانا فرنگی محلی عملا مسٹر گاندھی کی بات سے متفق تھے مفتی اعظم بریلوی کی دوراندیشی کہ آپ نے کہیں بھی حرام یا ناجائز گناہ نہیں فرمایا بلکہ جہاد نہ کرنے کی علتیں، وجوہات بیان کردیں اور وہ سمجھ رہے تھے کہ حرام اور ناجائز کہنے سے قوم مسلم میں جذبہ جہاد کہیں سرد نہ پڑ جائے جوش اسلامی بہرحال باقی رکھنا ہی ہے۔

مسٹر گاندھی کے مشوروں سے مسلمان لیڈروں نے قرآن وحدیث کے حوالے سے ''جہاد جہاد'' کا نعرہ دیا تاکہ مسلمان قریب سے قریب تر ہوجائیں ایک طرف گاندھی نے اخبارات میں شائع کرنا شروع کردیا کہ میرا مذہب کشت وخون کو روا نہیں رکھتا تو دوسری طرف انگریزوں کو مرعوب کرنے کے لئے یہ پالیسی اپنائی کہ ہر لحظہ جہاد پکارتے رہو۔

مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی دوٹوک انداز میں فرماتے ہیں:

اس وقت یہ حکم جہاد بھی اسی دشمن اسلام و مسلمین گاندھی بددین کا حکم ہے جیسے پہلے ہجرت سے نقصان پہنچائے مسلمانوں کو خانماں برباد کرائے، ان کی بیش بہا جائدادیں اور اموال کوڑیوں میں بکوائے سب کے کوڑے کرائے، غریب مسلمانوں میں اتنا روپیہ کہاں تھا، یوں اپنے ہندو بھائیوں کو دلوائے یونہیں یہ مسئلہ جہاد نکال کر اس نے چاہا کہ مسلمانوں کو جن کی روح بالکل فنا ہوچکی ہے کچھ یونہیں سی رمق باقی ہے یہ بھی کیوں رہ جائے بالکل تباہ کرائے۔ ۷

مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی نے ہر اس تحریک کا رد کیا جو اسلامی اصولوں اور بنیادوں سے ہٹ کر چلی، جس نے چاہا کہ ہم اسلامی نام لے کر اسلام کی بنیادوں کو ہلا دیں تو فوراً مفتی اعظم اٹھے، اور آپ نے مسلمانوں کو آگاہ فرمایا تنبیہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

کاش تم اب بھی سنبھلو اور ان گندم نما جو فروشوں سے بھاگو۔ ان کی تو دلی خواہش ہے کہ تم مشقت میں پڑو۔ **قد بدت البغضاء من افواھمم و ما تخفی صدورھم اکبر قد بینا لکم الایت ان کنتم تعقلون** ۸

مفتی اعظم فتویٰ کے آخر میں لکھتے ہیں۔

خدا کے لئے ہماری اس یاددہانی سے فائدہ اٹھایئے اور خلق خدا کو راہ راست پر لایئے ہم نے اپنا فرض ادا کردیا ہے اور اب آپ اپنا فرض ادا کیجئے۔ ۹

مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی کے دل میں اسلام کا درد اور مسلمانوں کے مستقبل کی فکر تھی ان کی سوچ ہر وقت مسلمانوں کے مستقبل کو تابناک بنانے کے لئے تھی وہ ہر ہر موڑ پر اپنی قوم کی صحیح رہنمائی کرتے رہے اور بڑے سے بڑے تباہی و بربادی کے دہانے میں جانے سے پہلے قیادت فرمائی آپ قائد کی اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل تھے اصل میں قائد وہی

ہوتا ہے جو ہر وقت اپنی قوم کی فکر میں لگا رہے اسلام اور مسلمین کی حفاظت وصیانت ایمان کے تحفظ و بقا کی خاطر مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی نے کیا کیا جتن نہ کئے تبلیغ دین میں قدم نکل گئے تو مہینوں گھر والوں کو چھوڑ دیا۔ قلم چلا تو چلتا چلا گیا زبان گویا ہوئی تو باطل ومضر تحریکوں کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں بلاشبہ وہ امام وقت اور رہبر ورہنما تھے۔

حضور مفتی اعظم ہند کے سیاسی افکار ص ۱۳۷ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

حواشی

۱۔ امام احمد رضا بریلوی دوام العیش ص ۱۰۸، ۹م: مکتبہ رضویہ لاہور۔

۲۔ مصطفےٰ رضا، طرق الہدیٰ والارشاد ص ۲۸، ۲۹، جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی۔

۳۔ مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی طرق الہدیٰ والارشاد ص ۲۰، ۳۰۔

۴۔ مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی طرق الہدیٰ والارشاد ص ۳۱۔

۵۔ مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی طرق الہدیٰ والارشاد ص ۳۲۔

۶۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی رسالہ ہجرت / بحوالہ طرق الہدیٰ ص ۳۳۔

۷۔ مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی طرق الہدیٰ والارشاد ص ۴۱۔

۸۔ مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی طرق الہدیٰ والارشاد ص ۴۲۔

۹۔ مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی طرق الہدیٰ والارشاد ص ۴۴۔

تحریک خلافت

(مولانا محمد شہاب الدین رضوی)

اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ اپنے وقت کے سیاسی بصیرت کے مالک اور دوراندیش تھے ان کی نگاہیں تحریک کے خدوخال اور عواقب پر بھی رہتی تھیں انہوں نے ملت اسلامیہ کے شیرازہ کو منتشر ہونے سے بچالیا انھیں کے تربیت یافتہ اور فرزند اصغر مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفےٰ رضا بریلوی قدس سرہ سیاسی اور ملی معاملات میں اعتدال پسندی، تدبر و تحمل، سلامت روی غور وفکر کے قائل تھے ان کے سیاسی افکار کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل تصانیف کا مطالعہ کافی ہوگا۔

(۱) طرق الہدیٰ والارشاد الی احکام الامارۃ والجہاد (۱۳۴۱)

(۲) فصل الخلافۃ یعنی سوراخ در سوراج (۱۳۴۱)

(۳) الطاری الداری لھفوات عبدالباری (۳ جلدیں ۱۳۳۹)

(۴) دوام العیش فی ائمۃ من القریش پر مقدمہ (۱۳۳۴ھ)

(۵) فتاوی مصطفویہ (۳ جلدیں) کے بعض فتاویٰ

۱۹۱۹ء میں مسئلہ خلافت پیش آیا امام احمد رضا بریلوی کو شرعی بنیادوں پر اس سے اختلاف تھا جس کا تفصیلی ذکر دوام العیش میں موجود ہے امام احمد رضا نے ایک استفتاء کے جواب میں خلافت پر محققانہ بحث کی، اور اپنا موقف پیش کیا چونکہ اس جواب کی اشاعت سے انگریزوں کو کچھ فائدہ پہنچ سکتا تھا، اس لئے اسکو شائع نہیں فرمایا چنانچہ یہ جواب ۱۹۲۲ء میں امام احمد رضا کے انتقال کے بعد حضور مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی نے اپنے مقدمے کے ساتھ شائع فرمادیا حضرت مفتی اعظم سے بعد میں کچھ سوالات کئے

گئے جس کا تفصیلی جواب طرق الہدیٰ والارشاد کے نام سے دیا ہے اور وہی موقف اپنایا جو امام احمد رضا بریلوی کا تھا۔ اور بعد میں وہی ہوا جو امام احمد رضا نے ۲ سال قبل اندیشوں کا اظہار فرمایا تھا۔

تحریک خلافت کے روح رواں مسٹر گاندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر تھے مفتی اعظم نے خلیفہ کے لئے شرط ''قرشیت'' قرار دی اور یوں تعریف فرمائی:

خلافت کا مستحق وہ ہے جو ساتوں شرط خلافت کا جامع ہو یعنی مرد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، حر ہو، قادر ہو، قرشی ہو، یہ ساتوں شرطیں ایسی ضروری ہیں کہ ان میں اگر ایک بھی کم ہوگی خلافت صحیح نہ ہوگی۔ !

لیکن مولانا آزاد مولانا فرنگی محلی شرط قرشیت کو لازمی قرار نہیں دیتے تھے ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۰ھ میں مولانا آزاد مولانا فرنگی محلی کے ایک خطبے اور مولانا آزاد کے رسالہ جزیرۃ العرب کے بارے میں بعض استفسارات آئے جس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی نے رسالہ دوام العیش تحریر فرمایا اور ایک مقدمہ اور تین فصلوں پر ترتیب دیا تیسری فصل کی بحث سوم شروع کی تھی کہ دوسرے اہم کاموں میں مشغول ہو گئے پھر دوسرے ہی سال ۱۹۲۱ میں انتقال کر گئے۔ بعدہ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۲ء کو یہ رسالہ بریلی سے شائع ہوا جبکہ خود ترکوں کے ہاتھوں خلافت کا دامن تارتار ہو چکا تھا اور ہندوستان میں مسٹر گاندھی نے بڑی چابک دستی سے ایک دوسرا بہانہ بنا کر تحریک ترک موالات ختم کر دی تھی تحریک خلافت، تحریک ترک موالات کی اساس تھی، جس کو مسٹر گاندھی نے اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے تحت شروع کیا تھا مولانا آزاد اور مولانا فرنگی محلی نے سیاسی مصالح کی بنا پر شرعی حدود سے تجاوز کر کے مسئلہ خلافت کو غلط رنگ میں پیش کیا تھا حضرت مفتی اعظم اور مصطفےٰ کمال پاشا بھی خلیفہ شرعی نہیں مانتے تھے اس مسئلے میں دونوں کا موقف ایک تھا اخبار ہمدم

لکھنو لکھتا ہے:

جمعیۃ عالیہ ملیہ انگورہ نے ایک اعلان شائع کیا ہے جس میں سلطان معظم (عبدالحمید) کو معزول کر دیا ہے اور ظاہر کر دیا ہے کہ اب ترکی میں حکومت کی صورت جمہوریہ کے ہم معنی ہیں سلطنت عثمانیہ کے بجائے دولت ترکیہ جمہوریہ کا اعلان جمعیت عالیہ نے سلطان کی معزولی کے فیصلے کا اعلان کر دیا ہے انگورہ نے قانون پاس کر دیا جس سے حکومت سلطانی معدوم ہو جائے گی۔ ؎۲

حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خان بریلوی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اگر سلطان معظم خلیفہ شرعی ہوتے کوئی انھیں معزول کر سکتا تھا؟ شرعا بلا وجہ شرعی اس کا کسے اختیار تھا جو ان کے ملک پر یوں قبضہ کرنا چاہتا، ان کے ساتھ ایسے معالات برتنے سے خود باغی اور واجب القتل ٹھہرتا۔ ؎۳

حضرت مفتی اعظم سچائی جرأت تدبر و فراست کے ساتھ حقانیت، انسانیت سے محبت اور جدوجہد میں پامردی کا مجسمہ تھے۔ انھوں نے وہ بات کہی جو کچھ دنوں کے بعد خود سچ ہو کر منظر عام پر آ گئی مفتی اعظم قدس سرہ کا اختلاف کوئی ذاتی نہیں تھا وہ تو چاہتے تھے کہ شریعت کی پامالی نہ ہو، حدود شرع میں رہ کر کام کیا جائے۔ فرامین مصطفوی کی پاسداری رہے قوانین الٰہیہ کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے اور خصوصیت کے ساتھ یہ کہ مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی جائے۔ ان کو کسی دھوک میں نہ ڈالا جائے چونکہ مسلمان ایک سادہ لوح قوم ہے اس کی سادگی کی تختی پر جو چاہو لکھ دو وہ اس کا وظیفہ پڑھتی رہے گی مفتی اعظم سیاسی داؤں پیچ میں شریعت اسلامیہ کے انضمام کو اچھا نہیں سمجھتے تھے مسلمان جذباتی واقع ہوا، اس لئے اہل سیاست نے انھیں کوتاکا پہلے پہل یہ باور کرایا گیا کہ سلطنت ترکیہ خلافت

اگر چہ چہرۂ پرنور ماہتاب صدق پر کذابوں کے کذب کی نہایت وحشت ناک تیرگیاں چھائیں، اور روئے آفتاب حق پر باطل کی بھیانک اور خوفناک تاریکیاں اور کالی ڈراونی بدلیاں آئیں مگر ہمارے قلوب بفضلہٖ تعالیٰ مطمئن تھے ہم سمجھے ہوئے تھے کہ یہ بھی کچھ روز کی ہوا ہے۔ جو دم میں ہوا ہے۔ آخر کار وہی ہوا جس کا ہمیں شدت سے انتظار تھا وہ دن آہی گیا وہ تیرگی اور تاریکی کافور ہوگئی اور حق کا جگمگاتا، چمکتا، دمکتا پرنور چہرہ آفتاب نصف النہار کی طرح آنکھیں خیرہ کرتا نکلا۔ اور ایک عالم نے آنکھوں دیکھ لیا کہ حق یہ ہے کہ باطل وہ تھا۔ ۹

یہ کلمات ایک عارف باللہ کی زبان سے نکلے ہوئے ہیں جن کو حقائق کی بنیاد پر تولا اور پرکھا جا سکتا ہے اور کھوٹے وکھرے کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے امن اور عدم تشدد کے خیالی حامی مسٹر گاندھی نے وقتی اشتعال سے خوب فائدہ اٹھایا وہ اپنی فریب کاری سے تحریک خلافت کے لیڈر بن گئے مسلم لیڈروں نے ان کے فریب میں آ کر وہ ناکردنی کام کئے کہ اسلامی سوچ وفکر رکھنے والے علماء تڑپ اٹھے جس کی تفصیل اوپر گزری)

مسٹر گاندھی کو جو کٹر ہندو تھے وہ اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے مسلمانوں کے جذبات سے کھیل رہے تھے ان کو مسلمانوں کے مسائل اور مقاصد سے کیا ہمدردی ہوسکتی تھی۔ ۱۰

اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی دوٹوک الفاظ میں رقم طراز ہیں:

وہ جو آج تمام ہندوؤں اور نہ صرف ہندوؤں تم سب ہندو پرستوں کا امام ظاہر و بادشاہ باطن ہے یعنی گاندھی صاف نہ کہہ چکا؟ کہ مسلمان اگر قربانی گاؤ نہ چھوڑیں گے تو ہم تلوار سے چھڑا دیں گے ۱۱

علماء اہلسنت و جماعت اور اکابرین ملت نے مسٹر گاندھی کا پیش رو بننے سے انکار

کردیا تھا، اگرچہ وہ خلافت اور اماکن مقدسہ کی حفاظت کا نام ہی کیوں لیتا ہو وہ کسی صورت میں بھی اسے اپنا امام بنانے پر تیار نہ ہوئے۔

خلافت کا نعرہ اس لئے لگایا گیا تھا کہ مسلمانوں کے جذبات کا استحصال کیا جائے، اور ان سے مطلب برآری چندہ اور حصول زر میں کامیابی حاصل ہو مگر دوسری طرف امام احمد رضا بریلوی اور حضرت مفتی اعظم نے ان کے چھپے عزائم کو بھانپ لیا تھا مفتی اعظم نے ان حضرات سے تین سوالات کئے جو سلطان عبدالحمید خان کو خلیفہ شرعی تسلیم کرانے پر اصرار کرتے تھے۔

۱۔ سلطان مراد کی معزولی کے بعد عبدالحمید خان سلطان ترکی ہوئے۔ اگر سلطان مراد کو خلیفہ تسلیم کیا جائے تو سلطان بعدالحمید پر کیا حکم لگایا جائے گا؟

۲۔ غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے سلطان عبدالحمید کو معزول کردیا اگر واقعی عبدالحمید خاں خلیفہ تھے تو مصطفےٰ کمال پاش پر کیا حکم لگایا جائے گا؟

۳۔ جب سلطان عبدالحمید خان کی خلافت سے انکار کفر تھا، تو جس نے اس کو معزول کیا اس پر اس سے بڑا فتویٰ لگانا چاہیے تھا مگر غازی مصطفےٰ کمال پاشا پر فتوی لگانے کے بجائے ان کو مبارکباد کے پیغام بھیجے گئے؟

ے امام احمد رضا بریلوی دوام العیش فی ائمۃ القریش ۱۰

مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خان بریلوی ارکان خلافت پر زوردار انداز میں گرجتے ہوئے سوال کرتے ہیں:

> کیا ان کو باغی و کافر کہا جائے گا، جس طرح شریف مکہ ملک الحجاز کو سلطان کی اطاعت سے سرتابی پر باغی اور واجب القتل کا حکم لگایا جاچکا ہے؟ !!

آگے چل کر بڑے ناصحانہ انداز میں اصلاح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انسان کو چاہیے کہ بات کہنے اور کام کرنے سے پہلے اس کے قال و انجام پر نظر رکھے جس کا آخر حسن ہو، اسے اختیار کرے ورنہ نہیں۔ تیرہ سو برس کے اجتماعی اتفاق مسئلہ میں اختلاف کا حاصل سوائے کشت وافتراق بین المسلمین اور کیا تھا ترکوں کو اس سے کچھ فائدہ نہ پہنچا ہاں اختلاف مسلمین میں ایک اور اضافہ ہوگیا ۱۳؎

تحریک خلافت کے زمانہ میں سب سے عجیب بات یہ دیکھی گئی کہ جو حضرات خلافت اسلامیہ کی حفاظت کی جدوجہد کر رہے تھے، وہ ہندوؤں کی ہمنوائی کو احیاء خلافت اسلامیہ کے لئے ممد ومعاون سمجھ رہے تھے اور جوش وجذبات میں اسلامی شعائر کو چھوڑ کر شعائر کفر اپنا رہے تھے ۱۴؎

چنانچہ اس زمانے میں مسلمانوں نے اپنی پیشانی پر قشقہ بھی لگوایا، ہندو لیڈروں کی ارتھیوں کو کندھا بھی ہندو لیڈروں کو مساجد میں منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بٹھایا قرآن پاک کو مندروں میں لے جایا گیا وغیرہ ۱۵؎

حضرت مفتی اعظم کی زبانی اس حیرت انگیز کہانی کو سنئے اور دل و دماغ کے دریچے وا کر کے ان پر لعنت بھیجئے:

نہ تم اپنے ماتھوں پر تلک لگواتے، نہ قشقہ کھنچواتے، نہ تم تلک کی ٹکٹی اٹھاتے اور اسے مرگھٹ تک پہنچاتے، نہ تم رام رام ست کہتے جاتے، نہ تم جے کار لگاتے نہ تم انھیں مسجدوں میں لے جاتے، اور انہیں مسجد کے منبر پر مسلمانوں سے اونچا بٹھاتے نہ تم ان کو مسلمانوں کا واعظ بناتے شرم، شرم، شرم، هل انتم منتهون نہ تم ہندوؤں کے طاغوت گاندھی کو اپنا ہادی، اپنا رہبر، اپنا امام، اپنا پیشوا، اپنا رہنما اپنا فخر کہتے نہ تم اس کا اندھا دھند اتباع کرتے، نہ تم اس پر قرآن وحدیث کی تمام عمر نثار کرتے، نہ تم

اسے مذکر مبعوث من اللہ جانتے، نہ تم اسے جبرائیل امین کا لقب روح اعظم دیتے، نہ تم اسے خضر و مسیح بلکہ تمام انبیاء بلکہ سید الانبیاء سے افضل بتاتے، نہ تم آج ہندوؤں کی ہمتیں اتنی بڑھاتے کہ وہ یہ کہہ پاتے کہ مسلمانوں کے تمام مقامات مقدسہ بلکہ کعبہ مکرمہ پر اوم کا جھنڈا گاڑیں گے نہ تم یہ کلمہ خبیثہ خود سنتے، نہ اوروں کو سنواتے شرم، شرم، شرم ھل انتم منتھون [16]

یہ دلدوز کہانی سن کر ہر ذی ہوش و گوش کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتا، اسلام پر جب بھی کسی نے حملہ کیا چاہے انگریزوں کے ذریعے یا ہندوؤں کے ذریعے یا خود نام نہاد مسلمانوں کے ذریعے فوراً مفتی اعظم قدس سرہ کی عزیمت و جلال اور اسلامی جذبے نے کروٹ لی۔ اور بے تابانہ تعاقب کیا مفتی اعظم کا منشاء تھا کہ کوئی بھی کام اسلامی حدود میں رہ کر کیا جائے سیاست مذہب سے الگ تھلگ نہیں ہے مگر قائدانہ صلاحیت ہونی چاہیے اس بھیانک دور میں مفتی اعظم نے مسلمانوں کی صحیح رہنمائی فرمائی اور لوگوں کو تحریک خلافت کے مضر اثرات سے آگاہ فرما دیا امت مسلمہ کو سخت تنبیہ فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

اے کاش! مسلمان اب بھی بیدار ہو جائیں تو ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ ہنود بے بہبود کو ان کی اس دریدہ دہنی، ان کی اس ناپاک حرکت اور صریح گستاخی، اور سخت بد کلامی اور ہرزہ سرائی کا مزہ چکھا دیں چھٹی کا دودھ یاد دلا دیں اور اپنے بزرگوں کی یاد تازہ فرما دیں اسلام کا پرچم ان کے سروں پر لہرا دیں خدا کا پسندیدہ دین کا علم ان کے قلب و دماغ میں نصب کرا دیں شجرۂ اسلام ان کے سینوں میں لگا دیں مسلمانو! اٹھو للہ جلد اٹھو امتحان کا وقت ہے آزمائش کا عہد ہے دیکھو دیکھو کسوٹی پر پورے اترو

پیارے اسلام کی مدد کرو اگر خدانخواستہ تم نے بے پروائی کی اور اس کی مدد نہ کی تو واللہ واللہ کہ اسلام کا کچھ نہ بگڑ یگا اس کا ذرا نقصان نہ ہوگا تم ہی بگڑ جاؤ گے تم ہی نقصان اٹھاؤ گے تم ہی ٹوٹا کھاؤ گے تم ہی خراب وخستہ دست و پابستہ قیامت میں آؤ گے بلکہ دنیا ہی میں اس بے حمیتی، اس بے حیائی اس بے غیرتی کا طرا پاؤ گے اسلام کا مالک، اسلام کا حافظ اللہ واحد قہار ہے وہ اسکی حفاظت فرمانے والا ہے۔ ۱۷

اتنی طویل گفتگو کے بعد شاید یہ بات ذہن میں آئے کہ حضرت مفتی اعظم اس بات کے مخالف تھے کہ ترکوں کو امداد پہنچائی جائے ایسا ہرگز نہیں تھا بلکہ مفتی اعظم کا کہنا تھا کہ سلطان تو سلطان ہر مسلمان کو مدد پہنچا سکتے ہیں واضح طور پر فرماتے ہیں:

سلطنت اسلام تو سلطنت اسلام ہے، سلطان تو سلطان ہیں ہر فرد مسلم پر ہر فرد مسلم کی خیر خواہی لازم ہے۔ الدین النصح لکل مسلم ارشاد پاک حضور پرنور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناطق ہے۔ ۱۸

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ اور آپ کے والد بزرگوار امام احمد رضا بریلوی انگریزوں کے سخت ترین مخالف تھے انگریز کی ایک ایک چیز سے نفرت تھی بقول علامہ مفتی اختر رضا ازہری:

سیدی مفتی اعظم کی نظر کسی مسلمان کے گلے میں بندھی ہوئی ٹائی پر پڑتی تو فرماتے کہ یہ قرآن کا رد ہے اور نصرانیوں کا مذہبی شعار ہے فوراً گلے سے خود کھینچ لیتے۔ ۱۹

مفتی اعظم ہند اپنے وقت کے جید عالم مفکر اور مجدد تھے یہی نہیں بلکہ ایک صاحب فکر وصاحب بصیرت مدبر سیاست داں تھے ان کی سیاسی سوجھ بوجھ نے مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی، مسلمانوں کو خود غرض اور مفاد پرستوں سے آگاہ کرتے رہے مگر آج کی گندی سیاست سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ ۲۰

مفکر کی اہمیت اس بات میں نہیں کہ وہ کتنے گھن گرج بادلوں کے ساتھ اٹھا اور چھا گیا کتنے آدمی اس کی جماعت میں شریک ہوئے کس حد تک اس نے دنیا میں انقلاب برپا کیا مفکر اور سیاسی بصیرت کی حامل شخصیت کی اہمیت اس بات میں حق وصداقت اور زندگی کی تعمیر و تشکیل میں کیا کردار ادا کیا ہے پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کراچی تفصیلات بیان کرتے ہیں:

۱۔ زندگی میں حسن وصداقت کے کتنے نامعلوم پہلو اس نے اجاگر کئے؟

۲۔ جو صورت حال اس فکر کی محرک تھی، اس کے ردعمل میں کسی مثبت اور قائم بالذات عمل کی تخلیق کی گئی۔

۳۔ وہ فکر زندگی کے لئے کیسے اعلیٰ مقاصد اور اقدار کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ظلمت وبہیمت سے نکال کر عدل وانصاف کی طرف لے جانے والا ہے؟

۴۔ اس کی فکر نے انسانی زندگی کے ان ممکنات کو کس درجہ وسیع کیا جو اس وقت تک ممکن نظر نہ آتے تھے جب تک وہ وقوع پذیر نہ ہو گئے؟

۵۔ اس کی فکر نے انسانی زندگی اور تاریخی ادوار پر کیسا اور کتنا اثر ڈالا ہے؟

مذکورہ بالا معیار فکر کو پیش نظر رکھ کر عدل وانصاف کے ترازو پر تولئے پھر دیکھئے حضرت مفتی اعظم نے ملت اسلامیہ کو کیا کچھ عطا کیا والد ماجد امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے علاوہ بلاشبہ تن تنہا میدان میں نظر آتے ہیں زمانے کے نشیب وفراز نے کبھی بھی ان کی فکر میں کوئی لچک نہ پیدا کی وہ اپنے وقت کے واحد قائد اعظم تھے جو اپنی فکری بنیادوں میں معاصر شخصیات سے بھی آگے نکل گئے۔

مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی کی سیاست اور فکر تابناک نظر آتی ہے ان کے افکار عالیہ میں ملت اسلامیہ کے لئے بہت کچھ ہے ہماری قوم مسلم کا ملی فریضہ ہے کہ ان کے مخفی خزانوں کو عالم آشکار کرے۔

حضور مفتی اعظم ہند کے سیاسی افکار مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

حواشی

۱۔ مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی طرق الہدیٰ والارشاد ص ۴۶۔
۲۔ اخبار ہمدم لکھنؤ بابت ۷؍نومبر ۱۹۲۲ء
۳۔ امام احمد رضا بریلوی دوام العیش ص ۵۔
۴۔ مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی طرق الہدیٰ والارشاد ۲۲، ۲۳۔
۵۔ روزنامہ اخبار ہمدم لکھنؤ: بابت ۷؍نومبر ۱۹۲۲ء
۶۔ روزنامہ اخبار ہمدم لکھنؤ: بابت ۷؍نومبر ۱۹۲۲ء
۷۔ روزنامہ اخبار ہمدم لکھنؤ: بابت ۷؍نومبر ۱۹۲۲ء
۸۔ امام احمد رضا بریلوی دوام العیش فی ائمۃ من القریش ص:۳
۹۔ امام احمد رضا بریلوی دوام العیش ص ۳
۱۰۔ مولانا عبدالحکیم شرف قادری البریلویت کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ ص ۲۴۲۔
۱۱۔ امام احمد رضا بریلوی المحجۃ الموتمنہ فی آیات الممتحنہ ص ۲۸
۱۲۔ مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی مقدمہ دوام العیش ص ۱۰
۱۳۔ مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی مقدمہ دوام العیش ص ۱۱
۱۴۔ مسعود احمد ڈاکٹر آئینہ رضویات ص ۱۵۶
۱۵۔ الف ہفت روزہ مدینہ بجنور: بابت یکم اپریل ۱۹۲۰
۱۶۔ مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی طرق الہدیٰ والارشاد ص ۲۲، ۲۳
۱۷۔ مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی طرق الہدیٰ والارشاد ص ۲۳، ۲۴
۱۸۔ مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی طرق الہدیٰ والارشاد ص ۵۳، ۵۴،
۱۹۔ علامہ اختر رضا خان ازہری ٹائی کا مسئلہ ص ۳
۲۰۔ مولانا محمد شہاب الدین رضوی شمع فروزاں ص ۴۰

تحریک آل انڈیا سنی اوقاف کانفرنس دہلی

(مولانا محمد شہاب الدین رضوی)

کانگریس کا رول ہر جگہ جانبداری ہی رہا چونکہ علماء اہلسنت حق پسند اور حق گو ہوتے ہیں اس لئے اپنے کانگریسی علماء جو اس کے ہاتھ بکے ہوئے تھے ان کا فیور کرتی رہی ایک زمانے کی بات ہے کہ کانگریسی حکومت ہند نے جانبداری سے کام لیتے ہوئے غیر منصفانہ طور پر اہلسنت کے اداروں اور اوقاف پر غیر سنیوں کو بالا دستی کا حق دے دیا۔۱۹۶۰ میں حکومت ہند نے ایک وقف ایکٹ کے ذریعے اہلسنت کے حقوق پائمال کرنے کی کوشش کی نیز مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کا اسلامی تشخص اور امتیاز ختم کرنے کی سازش کی، اور مختلف صوبوں میں مسلمانوں کے مذہبی مقامات، مساجد و مزارات کو ظلماً چھیننے کی کوشش کی۔

اس صورت حال کے پیش نظر شہزادۂ اعلیٰحضرت مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی نے تمام علماء و مشائخ کو جمع کیا اور دسمبر ۱۹۶۱ کو آل انڈیا سنی اوقاف کانفرنس دہلی میں منعقد کی اس کانفرنس میں ڈیڑھ لاکھ افراد نے والہانہ انداز میں شرکت فرمائی یہ کانفرنس ایسی مؤثر اور کامیاب ثابت ہوئی کہ ایوان حکومت میں زلزلہ آگیا وزیر اعظم ہند اور دیگر صاحبان اقتدار نے ازخود ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور مسلمانوں کے مطالبات کو بغور سنا اور اس پر عمل کیا اس طرح اہل سنت کے مذہبی ادارے اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھ سکے اور مسلمانوں کی قدیم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ دستبرد و غیر مسلم حکومت سے محفوظ رہی۔ ل

آل انڈیا سنی اوقاف کانفرنس دہلی کے عظیم الشان اجتماع نے اپنے تشخص کی بات کہہ کر پورے ہندستان کو ہلا کر رکھ دیا حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی سرپرستی و ایما سے ہونے والی کانفرنس نے یہ ثابت کردیا کہ اگر سنی اوقاف میں ترمیم و تنسیخ کی گئی تو ہم

برداشت نہیں کر سکتے، اور ہمارا اگلا قدم بڑا خطرناک ہوگا پورے ملک میں احتجاج شروع ہوجائے گا پھر کیا تھا کہ ہندوستان کی انتظامیہ اور برسر اقتدار حکمرانوں کی چولیں ہل گئیں اور حکومت وقت نے حضرت مفتی اعظم کی بات منظور کر لی۔

اس کانفرنس کی عظیم الشان کامیابی کے بعد حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی سرپرستی میں جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی نے کل ہند تعلیمی تنظیمی کانفرنس دہلی کے ذریعے ہندوستان کے تمام سنی اداروں اور مدارس کو مربوط کرنے کی کوشش شروع کی، ملک کے گوشے گوشے کا دورہ کرنے، اور ان اداروں کے تفصیلی کوائف مرتب کرنے کے لئے وفد ترتیب دیا گیا۔ ؎۲

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے مسلمانوں کے تنزل کے اسباب تلاش کر لئے تھے کہ یہ قوم مسلم میں جو انحطاط وزوال ہے وہ صرف تعلیمی پسماندگی کا ہی نتیجہ ہے اگر ہماری قوم تعلیم کے اسلحہ سے لیس ہوگی تو شعور ادراک فہم وفراست سے جذباتی نہ ہوگی اور جب ایسا نہ ہوگا تو پھر کوئی بھی مسلم قوم کا استحصال نہیں کر سکتا حضرت مفتی اعظم چاہتے تھے کہ مسلم معاشرہ پاک وصاف رہے معاشرتی نظام کی درستگی کے لئے تحریک میں کانفرنس اور جلسہ و جلوس کرتے رہے۔ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیتے رہے چونکہ وہ خود عاشق رسول تھے اور جو عاشق رسول ہوگا تو وہ قوم مسلم کو ناموس مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں شمشیر بکف دیکھنا چاہے گا۔

حضور مفتی اعظم ہند کے سیاسی افکار ص ۱۵۵ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

حواشی

؎۱ الف: ماہنامہ نوری رکن بریلی شریف ص ۴ تا ۸ بابت جنوری ۱۹۶۲ء

؎۲ محمد جلال الدین قادری، مولانا: محدث اعظم پاکستان ج ۱، ص ۸۱، بحوالہ نوری کرن جنوری ۱۹۶۲ء

جماعت انصار الاسلام بریلی

(مولانا محمد شہاب الدین رضوی)

اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز نے سلطنت ترکی کی امداد کے لئے ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء میں چار انتہائی سود مند تدبیریں تدبیر فلاح ونجات واصلاح کے نام سے شائع کیں۔ اگر ان تدابیر کو اپنایا جاتا تو پوری قوم کا دینی اور معاشی نقشہ ہی بدل جاتا، وہ چار تدبیریں یہ ہیں:

۱۔ سوا ان باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہے اپنے معاملات باہم فیصلہ کرلیں کہ کروڑوں روپے مقدمہ بازیوں میں نہ اڑائیں۔

۲۔ مسلمان اپنی قوم کے ماسوا کسی سے کچھ نہ خریدیں کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہے۔

۳۔ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لئے بینک کھولیں، سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے مگر اور سو طریقے نفع کے حلال فرمائے ہیں۔

۴۔ سب سے اعظم۔ دین کی ترویج وتحصیل (۱) اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی: دوامع الحمیر، ص ۲۸، حسنی پریس بریلی۔ ۱؎

امام احمد رضا بریلوی نے اس جماعت کو قائم کر کے سلطنت ترکی کی حمایت میں بہت کچھ کیا اس کے ذریعے مسلمانوں کی توجہ سلطنت اسلامی کی طرف مبذول کرائی گئی مولانا شاہ سید آل رسول محمد میاں قادری مارہروی، امام احمد رضا محدث بریلوی اور جماعت انصار الاسلام بریلی کی مساعی حمیدہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آج (۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱) سے برسوں پہلے جنگ بلقان ۱۲۔۱۹۱۱ء کے

موقع پر انہوں نے سلطنت اسلامی اور مظلومین مسلمین کی اعانت وامداد کی مناسب وصحیح شرعی تدابیر لوگوں کو بتائیں، عام طور پر شائع کیں۔ قولاً وعملاً ان کی تائید کی، خود چندہ دے کر عوام کو اس طرف رغبت دلائی اور اب بھی لوگوں کو صحیح مفید شرعی طریقے اعانت اسلام ومسلمین کے بتاتے رہے۔

مولانا احمد رضا خان صاحب جو عملی کوششیں کر سکتے تھے، انھوں نے کیں۔ خود چندہ دیا، اور اپنے زیر اثر لوگوں سے دلوایا، مسلمانوں کو اسلامی سلطنت کی امداد واعانت پر توجہ ورغبت دلائی، تحفظ سلطنت اسلامی کو مفید وکارگر تدابیر بتائیں یہ عملی کوشش نہیں تو کیا ہے؟ اپنی جماعت انصار الاسلام قائم کی۔ ؎

حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا نوری بریلوی نے والد ماجد کے بعد وصال جماعت الانصار اسلام کی ساری ذمے داریاں خود سنبھالیں، اور جماعت کو تیز تر کرنے کے لیے استاذ العلماء مولانا حسنین رضا خان بریلوی کو جماعت انصار الاسلام کی نظامت سونپ دی پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد حضرت مولانا مصطفے رضا بریلوی کی تحریک زندگی کا خاکہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

شہزادہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا کی زندگی سراپا حرکت تھی، وہ ہر جگہ متحرک نظر آتے ہیں ابتدا سے لے کر انتہا تک حرکت ہی حرکت جب کفرو اسلام کو یکجا کیا جارہا تھا، بھائی بھائی کا نعرہ لگایا جارہا تھا۔ جو بے تابانہ آگے بڑھا اس کو ملامت کی پرواہ نہ تھی۔ اس نے اسلام کی آبرو پر اپنی عزت وآبرو قربان کردی اور سب کچھ لٹا کر اسلام کو بچالیا۔ طوفانی ہواؤں میں اس نے اسلام کی شمع روشن رکھی، بجھانے والوں نے اپنی سی کوشش کی مگر اس نے بھی تن من، دھن کی بازی لگادی، اور بجھنے نہ دی اور جب کفار

ومشرکین نے مسلمانوں کو مرتد بنانا چاہا، ان کو اپنے رنگ میں رنگنا چاہا ان کی تہذیب وتمدن کو مٹانا چاہا تو وہی تھا جو سینہ سپر ہو کر میدان میں آیا، وہ ایمان ویقین کا پاسدار تھا وہ تہذیب وثقافت کا محافظ تھا، اس نے ملت کی کشتی کو ڈوبنے نہ دیا اس نے اللہ کے رنگ کو مٹنے نہ دیا وہ انگریزوں کا خیر خواہ نہ تھا، وہ مسلمانوں کا خیر خواہ تھا وہ مسلمانوں کا غم خوار تھا۔

عالم جوانی میں چلنے والی تحریکوں میں وہ آگے آگے رہا وہ بریلی میں قائم ہونے والی جماعت رضائے مصطفےٰ اور جماعت انصار الاسلام کا رکن رکین تھا۔ وہ جماعت جس نے مسلمانان عالم اور مسلمانان ہند کی خیر خواہی کے لئے وہ سب کچھ کیا جو وہ کر سکتی تھی۔ ۳۳

امام احمد رضا بریلوی کے تحریر کردہ چار معاشی نکات کو مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا بریلوی نے عملی جامہ پہنایا، اور اس کی کامیابی کا سہرا جماعت انصار الاسلام بریلی کے ایک جلسے کی قرارداد کے چند نکات ملاحظہ ہوں ان نکات سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ عنفوان شباب ہی سے مفتی اعظم کس نوعیت کی سیاست کے قائل اور عامل تھے اور مسلمانوں کے لئے کیسا دردان کے سینہ میں تھا مندرجہ ذیل نکات حضرت مفتی اعظم کے برادر عم زاد مولانا حسنین رضا بریلوی نے شائع فرمائے:

۱۔ حفاظت مقامات مقدسہ اور مظلومین ترک کی امداد واعانت۔

۲۔ اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے مسلمانوں کی حفاظت۔

۳۔ معاشرتی تمدن اور اقتصادی مفادات کی طرف مسلمانوں کی رہنمائی۔

۴۔ ترک وعرب اتحاد کے لئے کوشش وسعی۔

۵۔ خلاف شرع برطانوی قانون میں ترمیم کا مطالبہ۔

۶۔ مسلمانوں کو اسلامی بینک کھولنے کی ترغیب دینا۔

۷۔ تجارت بڑھانے کے لئے مسلمانوں کو شوق دلانا۔

۸۔ مسلمانوں کے لئے اسلامی خزانہ کے قیام، اور بیت المال کے لئے کوشش کرنا۔(۱)

حضرت مفتی اعظم بریلوی کے بھتیجے وخلیفہ اور مولانا حسنین رضا خاں کے فرزند اصغر مولانا محمد حبیب رضا خان نوری (مفتی مرکزی دار الافتاء بریلی) بیان فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار مولانا حسنین رضا خاں یہ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ:

> اعلیٰحضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالی عنہ تبلیغ دین کے لئے رسائل چھپوا کر مفت تقسیم کیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے کافی زیر بار ہونا پڑتا تھا، اس ضرورت اور بعض دیگر اہم ضرورتوں کا لحاظ کر کے جماعت انصار الاسلام اور جماعت رضائے مصطفے کی تشکیل ہوئی تا کہ رسائل اور دینی کتب جماعت اپنے صرفہ سے چھپوا کر تقسیم کرے اس جماعت نے بہت کام کئے، اور قلیل مدت میں بہت ترقی کی یہاں تک کہ بغداد شریف میں حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے سجادہ نشین بھی جماعت میں شامل ہو گئے اعلیٰحضرت قدس سرہ کے زمانے میں وہ بزرگ جماعت انصار الاسلام، جماعت رضائے مصطفے کے لئے چندہ ارسال فرماتے تھے۔ جماعت کی کامیابی کے لئے آستانہ غوث الوریٰ پر دعائیں کیا کرتے تھے۔ ؎

جماعت انصار الاسلام نے ہر وقت اور ہر موقع پر مسلمانان ہند کی رہنمائی کے لئے تحریک چلائی اور اس کے سرپرست واراکین نے اسلام وسنیت کو اپنے خون جگر سے سینچا، سرسبز وشاداب بنایا کتنی ہی آندھیاں آئیں اور بہت سے متزلزل لوگ اس ہوا کے جھونکے میں اڑ گئے، مگر جماعت انصار الاسلام کے پائے ثبات میں ذرا سی بھی لغزش نہ ہوئی۔

حضور مفتی اعظم ہند کے سیاسی افکار ص ۱۵۷ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

حواشی

۱ امام احمد رضا بریلوی کے حکم سے جماعت الانصار بریلی کا قیام ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں ہوا (۲) محمد جلال الدین قادری: مولانا، محدث اعظم پاکستان ج ۱ ص ۳۷ مکتبہ قادریہ لاہور۔

۲ محمد میاں قادری مارہروی سید مولانا: برکات مارہرہ مہمانان بدایوں، ص ۳۱، ۱۱، م: بریلی شریف

۳ ڈاکٹر محمد مسعود احمد شہزادہ امام احمد رضا حضور مفتی اعظم، ص ۱۰، م رضا اکیڈمی بمبئی ۱۴۱۰ھ

۴ بروایت مولانا مفتی محمد حبیب رضا نوری، ۶ر رمضان المبارک، ۲۱ر مارچ ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۲ء

☆☆☆

فروغ اہلسنت کیلئے امام اہلسنت کا دس نکاتی پروگرام

(۱) عظیم الشان مدارس کھولے جائیں۔ باقاعدہ تعلیمیں ہوں
(۲) طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نہ خواہی گرویدہ ہوں
(۳) مدرسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں
(۴) طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ دیکر اس میں لگایا جائے۔
(۵) ان میں جو تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دیکر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً و تقریراً و وعظاً و مناظرۃً اشاعت دین و مذہب کریں
(۶) حمایت مذہب و رد بدمذہباں میں مفید کتب و رسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں
(۷) تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوشخط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کیے جائیں
(۸) شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں، آپ سرکوبی اعداء کے لئے اپنی فوجیں، میگزین اور رسالے بھیجتے رہیں۔
(۹) جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کرکے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جائیں۔
(۱۰) آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت و بلاقیمت روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔

حدیث کا ارشاد ہے کہ "آخر زمانہ میں دین کا کام بھی درم و دینار سے چلے گا" اور کیوں نہ صادق ہو کہ صادق و مصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۲ صفحہ ۱۳۳)

Raza Academy
26, Kambekar Street, Mumbai-3
Ph.: 022- 23454296